ذکر میر

میر تقی میرؔ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ذکرِ میر

مصنف

میر تقی میرؔ

مرتب

شریف حسین قاسمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 2011
تعداد : 550
قیمت : -/70 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1357

Zikr-e-Mir

by

Mir Taqi Mir

ISBN :978-81-7587-445-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159
ای۔میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in
طابع: سلاسار اِمپکنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5 لارینس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی 110035
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اردو کے معروف شاعر میر تقی میر کے تمام آثار کو شائع کرے۔ یہ کام جاری ہے۔ میر تقی میر نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں۔ ان کا فارسی دیوان موجود ہے اور شائع ہو چکا ہے۔ ان کی فارسی نثر میں بھی تین کتابیں ملتی ہیں۔ ایک ''فیض میر''، دوسری ''ذکر میر'' اور تیسری ریختہ (اردو) شعرا کا تذکرہ ''نکات الشعرا''۔

کونسل نے ''فیض میر'' اور ''ذکر میر'' کی تدوین و تصحیح کا کام پروفیسر شریف حسین قاسمی کے سپرد کیا تھا۔ آپ نے ''فیض میر'' مرتب کر لیا ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے۔ 'ذکر میر' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

کونسل کی طرف سے پروفیسر قاسمی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے ''ذکر میر'' کا فارسی متن مرتب کیا، اس پر ایک مفصل تحقیقی مقدمہ، فرہنگ اور تعلیقات کا اضافہ کیا اور اس طرح میر کی اس کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر زیرِ نظر کتاب میں انھیں کوئی کمی نظر آئے تو قومی اردو کونسل کو تحریر فرمائیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

مقدمہ

میر تقی میر متخلص بہ میر کو اردو شاعری میں ''خدائے سخن'' کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ 1135ھ /1722-23ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور جمعہ 20 شعبان 1225ھ /21 ستمبر 1810ء کو لکھنؤ میں فوت ہوئے۔

میر نے اردو میں چار دواوین یادگار چھوڑے ہیں۔ فارسی میں بھی ان کا ایک مختصر دیوان شائع ہو چکا ہے۔ فارسی نثر میں بھی ان کی یہ تین کتابیں ملتی ہیں:

1- فیض میر

2- ذکر میر

3- نکات الشعرا

یہ تینوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ان کا مفصل تعارف بھی کرایا جا چکا ہے۔

''فیض میر'' ایک مختصر رسالہ ہے جو میر نے اپنے لڑکے فیض کو ترسل کی تعلیم دینے کے لیے لکھا تھا۔

''نکات الشعرا'' ریختہ گو شعرا کا تذکرہ ہے جسے میر نے 1165ھ /1752ء میں مکمل کیا۔

''ذکر میر'' کو میر تقی میر کی خودنوشت سوانح کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سچ یہ

ہے کہ ''ذکر میر''، محض ان کی سوانح نہیں بلکہ ان کے دور کی سیاسی اور سماجی تاریخ کے جن پہلوؤں کا اس میں اجمالی ذکر ہوا ہے، ان میں سے بعض کوائف کا کسی دوسری معاصر فارسی کتاب میں مشکل ہی سے ذکر ملتا ہے۔

''ذکر میر'' بنیادی طور پر تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ خود مصنف نے بھی اس قسم کا کوئی دعوی نہیں کیا ہے۔ اس لیے اس میں باقاعدہ تاریخی مطالب کی تلاش بے سود ہے۔ اسی لیے آج کے مورخین نے ''ذکر میر'' کو اٹھارہویں صدی کے معاصر مآخذ میں شمار نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود ''ذکر میر'' میں جو تاریخی اشارے ملتے ہیں ان کی اہمیت، صداقت اور مناسبت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ''ذکر میر'' کے اس پہلو کو سمجھنے کے لیے اس دور میں تاریخ نگاری کی صورت حال کو نگاہ میں رکھنا ہوگا۔

اٹھارہویں صدی میں دانشوروں، شاعروں، تاریخ نگاروں، علما و فضلا نے جو اپنے اپنے کارنامے یادگار چھوڑے ہیں، وہ سترہویں صدی کے ادبی و علمی ورثے کے مقابلے میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے کم اہمیت کے حامل نہیں۔

اورنگ زیب کے جانشینوں میں بہادر شاہ اول (1707-1713ء) سے محمد شاہ (1719-1748ء) تک کسی نے اپنے عہد کے سوانح، تاریخ یا ذاتی حالات اس طرح قلمبند نہیں کرائے جیسا کہ ہندوستان میں دستور رہا تھا۔ چنانچہ اس دور میں مورخین شاہی سرپرستی سے محروم رہے۔ محمد بخش آشوب (1716-1785ء) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ محمد شاہ (1719-1748ء) نے اپنے عہد کی تاریخ مرتب کرنے کی ممانعت کر دی تھی اس لیے امرا وغیرہ نے بھی اس فن کی ترقی میں دلچسپی سے احتراز کیا[1]۔ شاہی سرپرستی کے فقدان کے باوجود دہلی کے چند انشا پردازوں اور واقف کاروں نے کئی واقعاتی تاریخیں اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے آزادانہ طور پر لکھیں۔ ایک واقع نویس نے جس کا دربار شاہی سے تعلق رہا تھا، ''تاریخ احمد شاہی'' لکھی۔ اس میں احمد شاہ کی تخت نشینی سے اس کی معزولی (1748-1754ء) تک کے سیاسی واقعات اور

1- تاریخ شہادت فرخ سیر و جلوس محمد شاہ: محمد بخش آشوب، خطی نسخہ برٹش میوزیم لائبریری، لندن شمارہ 1832، ص 4

درباری احوال کا اپنے ذاتی تجربات ومشاہدات کی بنیاد پر جائزہ لیا ہے۔اس نے احمد شاہ، اس کے والدین محمد شاہ اور ادہم بائی، وزرا وامرا اور سلطنت کے دیگر ذمہ داروں کے اعمال وافکار کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس لیے اس نے اپنی اس کتاب میں اپنا نام، خاندان اور پیشے کا کسی جگہ ذکر نہیں کیا1۔ اسی انداز کی ایک دوسری کتاب ''تاریخ عالمگیر ثانی'' ہے۔ ایک نامعلوم مصنف نے اس میں عالم گیر ثانی کے عہد (1754-1759ء) کے تاریخی کوائف بیان کیے ہیں2۔

آنند رام مخلص (1699-1750ء) کی ''بدایع وقایع'' بھی اسی نوعیت کی ایک اہم کتاب ہے3۔ یہ کتابیں ''ذکر میر'' کی تاریخی قدر وقیمت کا اندازہ لگانے کے لیے اہمیت کی حامل ہیں۔

شاہ عالم نے اپنے عہد (1759-1806ء) میں علم وادب کی سرپرستی کی۔ اس کے دربار سے مورخ بھی وابستہ تھے۔ عبدالرحمان معروف بہ شاہ نواز خان نے اس عہد کی ایک جامع تاریخ ''مرأت آفتاب نما'' لکھی4۔ مولوی فخر الدین الہ آبادی (1751-1827ء) نے حالات حاضرہ کو اپنی کتاب ''عبرت نامہ'' میں محفوظ کیا5۔ اس میں غلام قادر روہیلہ کے دہلی پر حملے، شاہی محل پر قبضے، شاہ عالم کے تخت سے معزول کرنے کے بعد اس کو نابینا کرنے (89-1788ء) کے روح فرسا واقعات کا چشم دید بیان واضح عبارات میں پیش کیا گیا ہے۔

1- خطی نسخہ، برٹش میوزیم لائبریری، لندن، شمارہ Or. 2005

2- ایضاً، شمارہ Or. 1740

3- یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ''تذکرۂ آنندرام'' کے نام سے معروف ہے۔ اس میں نادرشاہ کے حملے اور کرنال کی جنگ کے احوال درج ہیں۔ یہ حصہ شائع ہو چکا ہے۔ (اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری 1941ء) اس کا دوسرا حصہ محمد شاہ کی علی محمد خاں روہیلہ کے خلاف بن گڑھ پر فوج کشی (1745ء) سے متعلق ہے۔ اسے پروفیسر سید اطہر علی نے ''سفرنامۂ آنندرام مخلص'' کے نام سے رامپور سے 1946ء میں شائع کیا تھا اس کا تیسرا حصہ احمد شاہ درانی کے ہندستان پر حملے اور سرہند کی جنگ (1748ء) کے بارے میں ہے۔ آنند رام کی اس کتاب کا مکمل قلمی نسخہ اغلاط سے پاک اور خوبصورت خط میں مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

4- خطی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

5- ایضاً

ان کے علاوہ دہلی سے باہر فرخ آباد، لکھنؤ، بنارس، عظیم آباد، حیدرآباد، لاہور وغیرہ میں بڑی تعداد میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں مثلاً محمد بخش آشوب کی ''تاریخ شہادت فرخ سیر وجلوس محمد شاہ''، شاکر خان کی ''تاریخ شاکر خان''، محمد علی انصاری کی ''تاریخ مظفری''، غلام حسین طباطبائی کی ''سیر المتأخرین''، مرتضی حسین الہ یار عثمانی بلگرامی کی ''حدیقۃ الاقالیم'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان تمام معاصر مآخذ کے تاریخی مطالب سے ذکر میر کے تاریخی واقعات کی صحت وصداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نوعیت کے تحقیقی کام کی ابتدا ہو بھی چکی ہے۔ پروفیسر ظہیر الدین ملک نے اپنے ایک مضمون ''اٹھارویں صدی کے تاریخی مآخذ میں 'ذکر میر' کا مقام'' اسی مقصد سے لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ''ذکر میر'' میں بعض ایسے واقعات اور اشخاص کے کوائف درج ہیں جو مورخین کی نظر سے اوجھل رہے، لیکن وہ بہر حال اٹھارویں صدی کی تاریخ کی مزید وضاحت کے لیے ناگزیر ہیں۔

مثال کے طور پر اس ضمن میں نواب رعایت سے متعلق بعض اطلاعات کا ذکر کیا جاسکتا ہے، 1748ء کے شروع میں میر کا وزیر قمر الدین خان کے بھانجے رعایت خان ولد عظیم اللہ خان سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تعلق 1750ء تک برقرار رہا۔ ان تین برسوں میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ پہلا سانحہ احمد شاہ درانی (1727-1772ء) کا پنجاب پر حملہ اور سرہند کے قریب مانو پور دیہات کے وسیع میدان میں مغل اور افغان افواج کے درمیان خونریز جنگ ہے (11 مارچ 1747ء) رعایت خان نے اپنی فوج کے ساتھ اس میں حرکت کی۔ میر اس کے ہمراہ تھے۔ جنگ میں رعایت خان کی شرکت خبر صرف میر نے ''ذکر میر'' میں دی ہے۔ ''ذکر میر'' میں رعایت خان سے متعلق دوسری اہم اطلاع یہ ملتی ہے کہ وہ راجا بخت سنگھ والی ناگور کے ہمراہ اجمیر گیا۔ میر ساتھ تھے اور وہ رعایت خان کی کارکردگی، بخت سنگھ سے اختلاف اور دہلی واپسی کے عینی شاہد ہیں ہیں۔ یہ اطلاع بھی دیگر مآخذ میں مفقود ہے۔ میر نے بخت سنگھ اور رعایت خان میں صلح صفائی کرائی اور رعایت خان اپنی تنخواہ اور خرچے کی رقم راجا سے وصول کرنے کے بعد دہلی واپس آ گیا۔

اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ''ذکر میر'' کی نوعیت کی کوئی کتاب فارسی میں لکھی گئی ہو، مجھے اس کا علم نہیں۔ پہلے کے دور میں شاید ہی کسی نے اپنی سوانح ایسے اسلوب وانداز میں لکھی

ہو جو میر نے ''ذکر میر'' میں اپنایا ہے۔ مزید برآں سوانح کے ساتھ ساتھ معاصر تاریخی، سماجی اور اقتصادی حالات پر اس طرح تبصرہ جو ذکر میر میں ملتا ہے، کسی دوسری فارسی کتاب میں مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔

''ذکر میر'' کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے 1926ء میں سہ ماہی اردو میں اس کا خلاصہ اردو میں شائع کیا تھا۔ یہ خلاصہ مسلم ہائی اسکول اٹاوہ کے بانی خان بہادر مولوی بشیر الدین کے کتب خانہ میں محفوظ ''ذکر میر'' کے اس خطی نسخہ پر مبنی تھا جس کی کتابت میر کی زندگی ہی میں 1222ھ/1808ء میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالحق نے کوئی ڈیڑھ دو برس بعد 1928ء میں ''ذکر میر'' کا فارسی متن بھی ایک مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ یہ اشاعت بعض لحاظ سے ناقص ہے۔[1]

عرصۂ دراز کے بعد پروفیسر نثار احمد فاروقی نے 1957ء میں 'میر کی آپ بیتی' کے عنوان سے اس کا اردو میں ترجمہ مکتبہ برہان، دہلی سے شائع کرایا۔ اس کے چالیس برس بعد فاروقی صاحب نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور اسے ''ذکر میر'' کے فارسی متن کے ساتھ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی نے 1996ء میں شائع کیا۔ ان دونوں اشاعتوں کے مقدموں (ابتدائیہ) میں فاروقی صاحب نے ''ذکر میر'' کی سوانحی اہمیت اور میر کے عہد کے سیاسی، سماجی و اقتصادی حالات سے متعلق اس میں مندرج اہم اطلاعات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

''ذکر میر'' کے فارسی متن کی ترتیب و تصحیح میں بھی فاروقی صاحب نے جان فشانی کا ثبوت دیا ہے۔ متن میں مذکور اشخاص و احوال کی وضاحت کے لیے اہم نوٹ لکھے ہیں۔ ''ذکر میر'' کے الفاظ و محاورات کی فرہنگ شامل کی ہے جس کی تیاری میں سراج الدین علی خان آرزو (م: 1169ھ/1756ء) کی ''چراغ ہدایت''[2] کے علاوہ سیالکوٹی مل وارستہ (م: 1766ء) کی

1- میر کی آپ بیتی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1996ء، ص 24-23۔

2- یہ محمد شاہ کے دور حکومت (1719-1748ء) میں 1147ھ/1734ء میں مکمل ہوئی۔ اسے سراج اللغت کا دوسرا دفتر بھی کہا جاتا ہے، فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، ڈاکٹر شہریار نقوی، تہران 1341۔

مصطلحات الشعراء1، ٹیک چند بہار (م:1766ء) کی بہار عجم2، غیاث الدین رامپوری کی غیاث اللغات3 سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ ان فرہنگ نگاروں نے اکثر الفاظ کی تشریح ''چراغ ہدایت'' ہی کی روشنی میں کی ہے، اس لیے فاروقی صاحب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''ذکر میر'' کے دو تہائی سے زیادہ الفاظ اور محاورات ''چراغ ہدایت'' کے سوا کسی دوسری لغت میں مشکل سے ملتے ہیں۔

''ذکر میر'' کے درج ذیل قلمی نسخوں سے ہم متعارف ہیں:

1- نسخۂ اٹاوہ جس کو بابائے اردو نے شائع کیا۔ یہ خود میر کی زندگی میں 1222ھ/1808ء میں کتابت ہوا ہے۔ اس کے آخر میں چند لطیفے ہیں جو بقول ڈاکٹر عبدالحق فحش ہیں اور قابل اشاعت نہیں۔ یہ نسخہ اب مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، جواہر میوزیم کلکشن (شمارہ ج ف 103/35/108/920) میں محفوظ ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حاشیے پر کوئی 430 الفاظ و محاورات کے معنی لکھے گئے ہیں۔ یہ فرہنگ خود میر نے تیار کی تھی یا بعد میں ''ذکر میر'' کے کسی فاضل قاری کی مساعی جمیلہ کا حاصل ہے، اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے دینا مشکل ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا بے جا نہیں کہ اگر یہ فرہنگ خود میر نے تیار کی ہوتی تو ''ذکر میر'' کے دیگر قلمی نسخوں میں بھی یہ نقل کی گئی ہوتی۔

2- پروفیسر محمد شفیع، لاہور کے کتب خانہ میں محفوظ قلمی نسخہ جو 26 ربیع الاول 1231ھ/27

1- ''مصطلحات الشعرا'' تاریخی نام ہے جس سے اس کی تکمیل کا سال 1180ھ نکلتا ہے۔ فرہنگ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، ص..... یہ کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

2- یہ معروف فرہنگ جو 15 سے 20 سال کی مدت میں 1152ھ (=یادگار فقیر حقیر بہار) میں مکمل ہوئی۔ بہار نے اس کی تالیف میں سو سے زیادہ مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ یہ اس قدر مقبول عام فرہنگ رہی ہے کہ خود مؤلف کی زندگی میں یہ سات بار شائع ہوئی۔ فرہنگ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، ص.....

3- اس کے مصنف محمد غیاث الدین بن جلال الدین بن شرف الدین رامپور کے رہنے والے تھے۔ چودہ سال کی پیہم کوشش کے بعد مصنف نے اسے 1242ھ 27-1826ء میں مکمل کیا۔ یہ برصغیر ہند کی نہایت متداول فرہنگ جو بارہا شائع ہوئی ہے۔ محمد دبیرستانی نے اسے حواشی اور مفید مطالب کے ساتھ تہران سے بھی شائع کیا ہے۔ فرہنگ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، ص.....

فروری 1816ء میں اکبر شاہ ثانی (180-1837ء) کے دسویں سال جلوس میں کتابت ہوا۔

3-نسخۂ رامپور، رمضان 1246ھ/1830ء میں کتابت ہوا۔ (کلیات میر، شمارہ 917 میں شامل ہے) اس کے کاتب شیخ لطف علی حیدری ہیں۔ اس نسخے میں املا اور زبان کی بے شمار غلطیاں ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب فارسی زبان سے نابلد تھا۔ یہ نسخہ بہر حال دیگر مذکورہ قلمی نسخوں کے مقابلے میں مکمل تر ہے، اس لیے کہ اس کے آخر میں میر نے لکھنؤ میں اپنی عسرت و تنگدستی کا دل دوز نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے بعد اس میں بھی اٹاوہ کے نسخے کی طرح چند لطائف ہیں۔ اس کے بعد یہ ترقیمہ ہے:

الحمد لله كه به فضل ايزد مستعان و عنايات ائمه عليهم الصلوات و السلام كه كليات مير محمد تقى صاحب غفرالله ذنوبه به تاريخ سلخ شهر رمضان المبارك سنه يك هزار و دو صد و چهل و شش هجرى به روز دوشنبه يك پاس روز باقى مانده، از خط بد ربط احقرالعباد شيخ لطف على حيدرى به پاس خاطر فرمايش ميرزا قنبر على صاحب زاد اشفاقه صورت اختتام پذيرفت.

هر كه خواند دعا طمع دارم — زان كه من بندۂ گنه گارم
قاريا بر (من) مكن چندين عتاب — گر خطايى رفته باشد در كتاب
آن خطاى رفته را تصحيح كن — و از كرم و الله عالم بالصّواب

لطائف کا حصہ اس عبارت سے شروع ہوتا ہے:

حاليا خامه لطائفى [1] چند بر زبان دارد، براى خاطر دوستان مى نگارد.....

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان لطائف میں چند اہم ادبی لطائف بھی شامل ہیں جن کا فارسی اور اردو کے بعض اہم شعرا اور امرا سے تعلق ہے جیسے میرزا عبدالقادر بیدل (م 1133ھ/1720ء)، میرزا مظہر جان جانان (م 1195ھ) خاقانی (م 595ھ)، میرزا صائب تبریزی (م 1080ھ/1669ء)، شیخ حسین شہرت (م 1144ھ/1736ء) مخفی رشتی (شاہجہاں کے دور کا

1-اصل لطائف

شاعر)، حکیم علوی خان (م 1162ھ 1748ء) محمد حسین کلیم، ناصر علی (م 1108ھ/1696ء) مرتضی خاں میر تزک، مرزا رضی دانش (م 1076ھ/1665ء) وغیرہ۔ چند فحش لطائف سے قطع نظر، یہ لطائف ادبی اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان لطائف کا بہر حال خود ''ذکر میر'' سے کوئی تعلق نہیں، اسی لیے انہیں ''ذکر میر'' کے ساتھ شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔

لطائف کا یہ مختصر حصہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

من ہیچ مدان این چند فقرہ از زور طبیعت نگاشتم و بر جریدۂ عالم یاد بودی گذاشتم، بر این امّید کہ اگر بہ دست صاحب دلی درآید، او در حق من دعای خیر نماید.

4- پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم، لکھنؤ کے کتب خانہ کا نسخہ۔

5- ''ذکر میر'' کے ایک قلمی نسخے کی گوالیار میں بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

''ذکر میر'' کے زمانۂ تصنیف کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قاضی عبدالودود کا اس بارے میں قیاس ہے کہ:

..... یہ 1185ھ (1771ء) میں شروع ہوئی۔ نسخۂ لاہور کا انجام بہ ظاہر 1187ھ (1772ء) اور نسخۂ اٹاوہ ظاہراً 1203ھ (1788ء) میں تمام ہوا۔ آغاز کتاب کے بارے میں میرا قیاس صحیح ہے تو کتاب کا بیشتر حصہ (نسخۂ مطبوعہ میں صفحۂ 1 سے 120 تک) کاماں میں قلمبند ہوا ہے۔ محض چند صفحے (صفحہ 121 سے 128 سطر 4) دہلی میں اور باقی لکھنؤ میں..... 1

اس کے برخلاف نثار احمد فاروقی کا خیال ہے کہ:

میر نے اسے 1185ء سے پہلے لکھنا شروع کر دیا تھا اور آخر تک اس میں اضافہ و ترمیم کرتے رہے 2۔

چودھری محمد نعیم نے ''ذکر میر'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اس ترجمہ پر ایک مفصل تحقیقی

1- میر کی آپ بیتی، ص 26

2- ایضاً

اور مفید مقدمہ بھی لکھا ہے، آپ نے ''ذکر میر'' کی تاریخ تصنیف 1782ء متعین کی ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ میر اس کتاب کو نواب آصف الدولہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ میر نے پہلے مسودے کو 1771ء اور 1773ء کے درمیان کسی وقت آخری شکل دی۔ میر نے مختلف اوقات میں اس کے کئی مسودے تیار کیے تھے اور اس کی تکمیل طویل مدت میں کی گئی[1]۔

ان بیانات کے برخلاف ایک خیال یہ بھی ہے کہ میر نے اپنی سوانح ایک ہی وقت میں لکھنؤ کے قیام کے دوران 1788ء کے بعد لکھنی شروع کی۔ ایک سال چند ماہ زیادہ کی مدت میں اسے مکمل کرلیا۔ کتاب کا متن اس قدر مختصر (مطبوعہ 152 صفحات) ہے کہ حافظہ کی مدد سے بغیر کسی کاوش اور پریشانی کے، میر زبان وکلام کے مسلمہ استاد و دانشور کے لیے باعث دقت نہ تھا[2]۔

خود میر نے ''ذکر میر'' کی تکمیل کا یہ قطعۂ تاریخ کہا ہے:

مسمی به اسمی شد ای با هنر — که این نسخه گردد به عالم سمر

ز تاریخ آگه شوی بی گمان — فزایی عدد بست و هفت ار بران

میر بتا رہے ہیں کہ اگر کتاب کے نام ''ذکر میر'' کے اعداد 1170 میں (بست و هفت 27) کا اضافہ کیا جائے گا تو اس کی تاریخ تکمیل 1197 معلوم ہو جائے گی۔

''ذکر میر'' کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ میر کی خودنوشت سوانح ہے، لیکن کتاب کے آغاز میں مصنف نے مبالغہ آرائی کے ساتھ جو اپنے سوانحی حالات لکھے ہیں اور تصوف و الٰہیات کے بعض امور بیان کیے ہیں، وہ اہم سہی، لیکن بعض کوائف شبہ کے دائرہ سے خارج نہیں[3] بعد میں جو تاریخی و سماجی امور ''ذکر میر'' میں زیر بحث آئے ہیں ان کی اپنی اہمیت ہے۔ ''ذکر میر'' کا یہ حصہ طویل تر ہے۔

1- Zikr-e- Mir: M. Naim, Oxford University Press, 1999, Preface.

2- اٹھارویں صدی کے تاریخی مآخذ میں ''ذکر میر'' کا مقام'' مقالہ از پروفیسر ظہیر ملک، میر تقی میر: تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 2000ء، ص 359-360۔ پروفیسر ملک نے اپنے اس مضمون میں ''ذکر میر'' کے زمانہ تصنیف کے بارے میں دلچسپ بحث کی ہے۔

3- تفصیل کے لیے دیکھیے میر کی آپ بیتی، ص 27۔

اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کا آغاز مارچ 1739ء سے ہوتا ہے اور آخری واقعات کا تعلق مارچ 1789ء سے ہے، یعنی پورے پچاس برسوں کے واقعات اس میں قلم بند کیے گئے ہیں۔ اہم یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض واقعات ایسے ہیں جن میں خود میر شریک تھے اور چند ایسے جن کے وہ دور سے شاہد تھے، لیکن ان سے متاثر ضرور ہوئے تھے۔

لکھنؤ میں مستقل قیام سے پہلے میر تقی میر نے کبھی اپنی ضرورت، کبھی حالات سے مجبور ہو کر اور کبھی اپنے سرپرستوں کے ہمراہ مختلف مقامات کے سفر کیے۔ ''ذکر میر'' سے ان کے درج ذیل مقامات پر جانے کا علم ہوتا ہے:

1- آگرے سے دہلی میں پہلی بار آمد: 1147ھ/35-1734ء کے آس پاس

2- آگرے سے دوبارہ دہلی میں آنا: نادر کے حملے کے بعد 1153ھ/1741ء

3- دہلی سے سرہند کا سفر: 1161ھ/1748ء

4- دہلی سے پشکر (راجستھان میں اجمیر کے قریب) کا سفر: 1162ھ/1749ء

5- پشکر سے اجمیر آئے: 1162ھ/1749ء

6- دہلی سے فرخ آباد گئے: 1163ھ/1750ء

7- دہلی سے ضلع بلند شہر میں سکندر آباد گئے: شعبان 1167ھ/جون 1754ء

8- دہلی سے برسانہ گئے۔

9- برسانہ سے راجستھان میں کمہیر گئے۔

10- شجاع الدولہ کو سمجھانے کے لیے راجا ناگر کے ساتھ ایک سفر کیا جس کی منزل کا علم نہیں۔

11- کمہیر سے دہلی آئے۔

12- 23 برس بعد دہلی سے آگرہ گئے: 1176ھ/1762ء

13- دہلی سے پھر آگرہ گئے: 1180ھ/67-1766ء

14- راجا ناگرمل کے ساتھ کاماں کا سفر: 11846ھ/1772ء

15- کاماں سے فرخ آباد گئے: 1184ھ/17712ء

16- فرخ آباد سے دہلی آئے: 1184ھ/1772ء

17- دہلی سے سکرتال گئے: 1185ھ/1772ء

18- سکرتال سے نجیب آباد، نہٹور، شیر کوٹ، سیوہارہ، سلیم پور، اودھ، گڑھ مکتیسر، ہاپوڑ ہوتے ہوئے دہلی آ گئے: 1186ھ/1772ء

19- دہلی سے فرخ آباد کے راستے لکھنؤ گئے: ربیع الثانی 1196ھ/مارچ 1782ء

20- آصف الدولہ کے ہمراہ بہرائچ کا سفر

21- آصف الدولہ کے ہمراہ پیلی بھیت اور دامن کوہ ہمالیہ گئے۔

ان کے علاوہ میر تقی میر کی مثنوی ''نسنگ نامہ'' سے بھی میر کے بعض اسفار کی اطلاع ملتی ہے۔

''ذکر میر'' کے مشتملات میں ایک اہم بات جس کا ذکر ضروری ہے، یہ ہے کہ اس ہمہ گیر زبوں حالی کے دور میں بھی ایسے صاحبان ذوق اور مربیان شعر و ادب موجود تھے جنہوں نے خود اپنی ناگفتہ بہ حالت اور زندگی و موت کی کشمکش میں گرفتار ہونے کے باوجود میر کی حتی المقدور مالی معاونت کی اور انہیں ہر طرح سہارا دیا۔ ایسے صاحب خیر سرپرستوں میں عظیم اللہ خاں کا لڑکا اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کا بھانجہ رعایت خان، نواب بہادر ظہیر الدولہ خان 1، صفدر جنگ وزیر کے دیوان مہانرائن، بنگال کے وکیل راجا جگل کشور اور ان کی بیوی، دیوان خالصہ وتن راجا ناگرمل، صفدر جنگ کے خزانچی لالہ رادھا کشن کا بیٹا بہادر سنگھ، صمصام الدولہ خان دوران میر بخشی، جاوید خان، غازی الدین خان عماد الملک، وجیہ الدین خان، ابوالقاسم خاں، نواب آصف الدولہ وغیرہ شامل ہیں۔

''ذکر میر'' میں جو انسانی ہمدردی، باہمی رواداری، تہذیب، اخلاق، حسن معاشرت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روایات محفوظ ہیں، وہ ہمارے تمدن کی اعلیٰ اقدار کی آئینہ دار ہیں۔ بیگم جگل کشور نے میر کو بے یار و مددگار دیکھا تو ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ ناگرمل نے دہلی کے ہندو مسلمان مہاجرین کی کمہیر میں دیکھ بھال کی اور انہیں وہاں سے خطرے کی حالت میں بہ حفاظت کامان پہنچایا۔ سورج مل جاٹ نے خوف زدہ مغل امرا کو محض انسان دوستی کی بنا پر پناہ دی۔ جے پور کے

1- یہ بعد میں اپنے والد کی جگہ مالوہ کا صوبیدار مقرر ہوا۔ تفصیل کے لیے رک: تاریخ فرخ آباد، از اروین (اردو ترجمہ) ص 89

حاکم خاندان نے صمصام الدولہ خان دوران کی وفات کے بعد اس کے خاندان والوں کے ساتھ فراخ دلی سے تعاون کیا، ان کی مالی امداد کی۔ یہ اس دور کے دوستانہ، مخلصانہ اور بے لاگ آپسی تعلقات کی ایسی مثالیں ہیں جن کی وجہ سے ہندستان جنت نشان سمجھا جاتا تھا۔

''فیض میر'' کی طرح میر نے ''ذکر میر'' میں بھی ایرانی محاورہ استعمال کرنے پر اصرار کیا ہے۔ وہ بے شمار ایسے محاورے استعمال کرتے ہیں جو ان سے پہلے مشکل ہی سے کسی ہندستانی فارسی لکھنے والے کی کتاب میں نظر آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ میر نے جو جدید محاورات استعمال کیے ہیں ان میں سے بڑی تعداد، جیسا کہ قبلاً عرض کیا جاچکا ہے، ایسے محاوروں کی ہے جن کی صراحت صرف سراج الدین علی خان کی فارسی فرہنگ چراغ ہدایت میں کی گئی ہے۔ آرزو نے ''چراغ ہدایت'' میں فارسی جدید کے ایسے محاورات جمع کر دیے ہیں جو اس دور میں ایران سے آنے والے شعرا و ادبا اپنی اپنی تصانیف میں استعمال کر رہے تھے اور ہندستان کے فارسی لکھنے والوں کو ان سے کما حقہ واقفیت نہیں تھی۔ اس کی وجہ سے یہاں ایرانی اور ہندستانی فارسی لکھنے والوں کے درمیان اختلاف رائے بھی رونما ہوا جس کے دور رس نتائج نکلے جو ہندستان میں فارسی کے مستقبل پر منفی اثرات کا باعث ہوئے۔

میر نے ''چراغ ہدایت'' سے جو استفادہ کیا ہے اس کے امکانات پر پروفیسر نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ:

> میر جس زمانے میں خان آرزو کے ساتھ (دہلی میں) رہ رہے تھے، یہی وہ وقت ہے جب ''چراغ ہدایت'' لکھی جا رہی تھی۔ ''چراغ ہدایت'' میں ایک تاریخ 3 ذی قعدہ 26 جلوس محمد شاہی ملتی ہے جو 3 ذی قعدہ 1157ھ کے مطابق ہے (یعنی 7 دسمبر 1744ء) اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع لاہوری کے کتب خانے میں تھا جس کا ترقیمہ خود آرزو نے اپنے قلم سے 27 رجب 1160ھ/3 اگست 1747ء کو لکھا تھا۔ اس کا عکس ''نوادر الالفاظ'' میں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب کی تسوید کا کام 1157ھ/1744ء اور 1160ھ/1747ء کے درمیان ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ میر نے اس کا مسودہ صاف کرنے میں آرزو کی مدد کی ہو یا کسی اور حیثیت سے تعاون کیا

ہو1۔

قاضی عبدالودود نے بھی نثار احمد فاروقی سے پہلے اسی حقیقت کا انکشاف کیا تھا کہ:

''نکات میں آرزو کے فارسی تذکرے کی طرف اشارہ ہے، مگر ''چراغ ہدایت'' سے استفادہ کا ''ذکر میر'' کی کسی تصنیف میں نہیں حالانکہ یہ کتاب کسی زمانے میں بری طرح ان پر مسلّط تھی۔ اس کے خاص محاورات و مصطلحات کے شوق بے پایاں نے انہیں حکایات وضع کرنے، واقعات میں تصرف کرنے پر مجبور کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''ذکر میر'' کی تصنیف کے وقت یہ کتاب ان کے سامنے تھی اور وہ بے ضرورت بھی اس سے الفاظ لیتے تھے''2۔

اس طرح انہیں فارسی جدید کے محاورات کا علم ہو گیا اور میر نے انہیں فارسی نثر میں اپنی دونوں کتابوں ''فیض میر'' اور ''ذکر میر'' میں بے تکان استعمال کیا۔ شمس الرحمان فاروقی نے ''چراغ ہدایت'' سے میر کے بے مہابا استفادہ کی مدافعت میں لکھا ہے:

''یہ بات میر کے خلاف اتنا نہیں جاتی جتنا کہ ان کے حق میں جاتی ہے، کیوں کہ اس سے ان کی ہمہ گیر طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی کہ وہ اتنی قدرت رکھتے تھے کہ اِدھر اُدھر کے الفاظ کو بھی اپنی عبارت میں اس طرح کھپا دی کہ ٹھونس ٹھانس نہ معلوم ہو''3۔

میر نے ''ذکر میر'' اور ''فیض میر'' میں ایک ہی اسلوب نگارش اختیار کیا ہے۔ چند ہی صفحات کے مطالعے کے بعد یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ میر کو فارسی محاورات کے استعمال پر اصرار ہے۔ محاوروں کی بھرمار نے ''ذکر میر'' کی نثر کی افہام و تفہیم میں مشکلیں پیدا کر دی ہیں۔ اسی لیے ''ذکر میر'' کے اس قلمی نسخے میں جو میر کی زندگی میں کتابت ہوا، (نسخۂ اٹاوہ) حاشیہ پر بے شمار غیر مانوس الفاظ و محاورات کے معنی لکھے گئے ہیں۔

1- میر کی آپ بیتی، ص 26۔

2- میر: قاضی عبدالودود، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 1995، ص 89۔

3- شعر شور انگیز: شمس الرحمان فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 1997، ج 1، ص 33۔

خلاصہ یہ کہ میر نے ''چراغ ہدایت'' کو اپنا راہنما بنالیا تھا اور اس لغت کے الفاظ ومحاورات میر کے تمام فارسی واردو آثار میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''چراغ ہدایت'' کی روشنی میں میر کی شاعری کے کچھ حصوں کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے[1]۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے فارسی نثر میں میر کے اسلوب کے بارے میں صحیح لکھا ہے کہ:

> میر بالعموم مقفی عبارت لکھتے ہیں، لیکن قافیہ کے التزام سے عبارت کی شگفتگی، بیساختگی اور روانی میں فرق نہیں آتا۔ شاید کہیں کہیں تصنع پیدا ہوگیا ہو لیکن زیادہ تر عبارت کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ ہم قافیہ فقروں اور جملوں کی قید سے عبارت میں اکثر یہ نقص پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر فقرے اور جملے کے بعد جو دوسرا جوابی فقرہ یا جملہ آتا ہے، اس میں کبھی پہلے فقرے یا جملے کے مفہوم کی بیجا تکرار ہوتی ہے اور کبھی بے ضرورت لفظوں کی بھرتی ہوتی ہے، اس سے عبارت میں تصنع، طوالت اور سستی پیدا ہوجاتی ہے، لیکن میر کے یہاں یہ نقص نہیں ہے۔ ان کے یہاں جوابی فقرے اور جملے بھی چست ہوتے ہیں اور اپنا مفہوم علیحدہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس عبارت میں بڑے سے بڑے جملوں کے آخر میں قافیہ لایا جاتا ہے وہ اکثر بے لطف معلوم ہوتی ہے، لیکن میر کے یہاں چھوٹے چھوٹے جملوں بلکہ دو لفظی اور سہ لفظی فقروں کے بعد قافیہ آتا ہے تو عجب بہار دکھاتا ہے[2]۔

چوں کہ ''ذکر میر'' ایک لمبے عرصے تک لکھا جاتا رہا اور مطالب بھی گوناگوں ہیں، اس لیے اس میں اسلوب یکساں نہیں، اوائل کے صفحات کا اسلوب جہاں میر اپنی سوانح لکھ رہے ہیں، آخر کے صفحات کے اسلوب نگارش سے متفاوت ہے۔ ان میں محاوروں کی وہ بہتات نہیں جو اوائل کے حصے میں نظر آتی ہے۔

1- تفصیل کے لیے رک: فرہنگ کلام میر (چراغ ہدایت کی روشنی میں): عبدالرشید، دلی کتاب گھر، دہلی، دسمبر 2008، ص 19۔

2- مقدمہ فیض میر، نظامی پریس لکھنؤ، 1929ء، ص 11-12۔

مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے:

میر نے حمد باری تعالیٰ میں یہ چند چھوٹے چھوٹے جملے لکھے ہیں:

حکیمی که دانای رازهاست، قدیمی که هستی او را سزاست۔ رازقی که نان دهد، مالکی که جان دهد، رحیمی که عذر گنهگار نیوشد، کریمی که عطا پاشد و خطا پوشد.

شاہ کلیم اللہ اکبرآبادی کی تعریف میں یہ مختصر جملے میر کے طبیعتاً شاعر ہونے پر دلالت کرتے ہیں:

روز حیران کار، شب زنده دار، اکثر روی نیاز بر خاك، مدام مست شوق و دامن پاك، چهرهٔ نورانیش رونق افزای بزم صبح خزان، آفتابی بود امّا از سایهٔ خود هم گریزان.

عشق کے بارے میں ان کے قلم سے نکلنے والے بے مہابا جملے عشق سے ان کے سرشار دل و دماغ کے غماز اور مختصر جملے لکھنے پر ان کی قدرت کے ترجمان ہیں:

ای پسر عشق بورز. عشق است که درین کارخانه متصرف است. اگر عشق نمی بود، نظم کل صورت نمی بست. بی عشق زندگانی وبال است، دل باختهٔ عشق بودن کمال است، عشق بسازد، عشق بسوزد، در عالم هرچه هست، ظهور عشق است، آتش سوز عشق است، آب رفتار عشق است، خاك قرار عشق است، باد اضطرار عشق است، موت مستی عشق است، حیات هشاری عشق است، شب خواب عشق است، روز پیداری عشق است، مسلم جمال عشق است، کافر جلال عشق است، صلاح قرب عشق است، گناه بعد عشق است، بهشت شوق عشق است، دوزخ ذوق عشق است. مقام عشق از عبودیت و عارفیت و زاهدیت و صدیقیت و خلوصیت و مشتاقیت و خلیت و حبیبیت برتر است. جمعی برآنند که حرکت آسمانها حرکت عشق است یعنی به مطلوب نمی رسند و سرگردانند.

''ذکرمیر'' کے آخری صفحات سے یہ عبارت ملاحظہ کیجیے:

ناظر پادشاہ کہ غلام قادر را پسر خواندہ بود، نوشت کہ شما این جا بیایید، گفتۂ من پادشاہ نمی شنود، یعنی طرف مرھتہ نمی گذارد، ایشان ھر دو بہ شھر رفتند. پادشاہ خود زوری نداشت، بہ مشورت ناظر نمک بہ حرام، بند و بست در قلعہ کردہ پادشاہ را برداشت و سلوکی کہ نمی بایست، کرد و تمام قلعہ را غارت کرد و با پادشاھزادہ ھا آنچہ نکردن بود، کرد. زر بسیار بہ دستش آمد. چشم پادشاہ برآورد و پادشاہ دیگر کرد. چون تسلط یافت، ناظر را بزر قید نمود و بر شھر ھم کار تنگ گرفت.

فاروقی صاحب نے ''ذکرمیر'' کی ترتیب وتصحیح میں یہ کام کیا ہے کہ مولوی عبدالحق کے مرتبہ متن کا رضا لائبریری رامپور کے نسخے سے مقابلہ کیا اور اختلاف نسخ حواشی میں درج کردیے ہیں۔ آپ نے حواشی میں خطّی نسخوں کی نشاندہی کے لیے ن 1، ن 2، مط کی علامات استعمال کی ہیں، لیکن کسی جگہ یہ صراحت نہیں ملتی کہ ان علامات سے کون سے نسخے مراد ہیں۔

راقم نے فاروقی صاحب کے مرتبہ متن کا رامپور کے قلمی نسخے سے دوبارہ مقابلہ کیا ہے کہ مجھے بھی ''ذکرمیر'' کے دیگر قلمی نسخوں تک رسائی حاصل نہیں ہوسکی۔ نثار صاحب کے مرتبہ اور رامپور کے قلمی نسخے میں اختلاف نسخ کو حواشی میں درج کردیا ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی لفظ یا جملہ نسخۂ رامپور میں نثار صاحب کے مرتبہ متن سے زیادہ ہے اور وہ متن کی وضاحت یا تکمیل میں معاون ہے تو اسے شامل متن کرلیا گیا ہے۔ ایسے اضافوں کی حاشیہ میں نشاندہی کردی گئی ہے۔ اب میری ناقص رائے میں فارسی متن زیادہ واضح اور مکمل شکل میں پیش خدمت ہے۔

متن میں جن مقامات و اشخاص وغیرہ کے نام آئے ہیں، ان میں سے بعض پر فاروقی صاحب نے اپنے اردو ترجمے میں یادداشتیں لکھی ہیں۔ جہاں کہیں ممکن ہوسکا ہے، ان پر اضافہ کیا گیا ہے ورنہ اسی طرح انہیں اس اشاعت میں شامل کرلیا گیا ہے کہ اس طرح متن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

فاروقی صاحب نے اپنی اشاعت کے آخر میں فرہنگ بھی شامل کی ہے جس پر خود ان کے خیال میں اضافہ ممکن ہے۔ اس فرہنگ میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، اضافہ کیا گیا ہے۔ اس طرح ''ذکر میر'' کا پیش نظر متن محض نقل نہیں بلکہ ایک حد تک اس کی مکمل تر شکل ہے۔

تعلیقات میں متن سے متعلق بعض امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ جن امور کی وضاحت کی گئی ہے وہ متن میں جہاں آئے ہیں ان سطروں کے شروع میں ◆ کی علامت لگائی گئی ہے۔ اور تعلیقات کے تحت ان صفحات اور سطروں کے نمبر دیے گئے ہیں تا کہ مطالعے میں آسانی ہو۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے مجھے ''ذکر میر'' کا فارسی متن مرتب کرنے کی اجازت دی، اس کے لیے میں کونسل کا ممنون ہوں۔

شریف حسین قاسمی
شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

کتابیات

1-فرہنگ نویسی فارسی در ہندو پاکستان: ڈاکٹر شہریار نقوی، تہران 1341

2-میر کی آپ بیتی: پروفیسر نثار احمد فاروقی، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی 1996

3-میر تقی میر: تنقیدی و تحقیقی جائزے: مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000

4-تاریخ فرخ آباد: اروین (اردو ترجمہ)

5-فیض میر: میر تقی میر، نظامی پریس، لکھنؤ 1929

6-تاریخ شہادت فرخ سیر و جلوس محمد شاہ: محمد بخش آشوب، خطی نسخہ، برٹش میوزیم لائبریری، لندن، شمارہ or 1832

7-تاریخ احمد شاہی: مصنف نامعلوم، خطی نسخہ، برٹش میوزیم لائبریری، لندن، شمارہ or 2005

8-تاریخ عالمگیر ثانی: مصنف نامعلوم، نسخہ خطی، برٹش میوزیم لائبریری، لندن، شمارہ or 1740

9-بدائع وقائع: آنند رام مخلص، خطی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

10-مرأت آفتاب نما: عبدالرحمان معروف بہ شاہنواز خان، خطی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

11-عبرت نامہ: مولوی فخر الدین الہ آبادی: خطی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

12-Zikr-e- Mir: M. Naim, Oxford University Press, 1999.

13-میر تقی میر: تنقیدی و تحقیقی جائزے: مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد

حمد بی‌حدِ مر سخنوری را که یکّه بیت یکتایی او به‌عالم دوید و ثنای لاتعد صنعت‌گری را که گوهرِ معنی[1] در سلکِ نظم و نثر کشید. قادر سخنی که هزار رنگ سخن را جلوه بر زبان می‌دهد. تعلیم‌گری که هر فردِ عاجز سخن را زبان می‌دهد. خالقی که خلقِ عالم را نوازد، صانعی که خاک را آدمی سازد. دارنده‌ای که بی‌لطفِ او نگاهداشتن خود محال است. نگارنده‌ای که صورت‌نویسیِ نقش او کرا مجال است، علیمی که در احاطهٔ علم او هر مرکب و بسیط. این‌جاست که إنَّ اللَّه عَلَی کُلِّ شَیْءٍ مُحِیط[2]. حکیمی که دانای رازهاست، قدیمی که هستی او را سزاست. رازقی که نان دهد، مالکی که جان دهد، رحیمی که عذرِ گنهگار نیوشد، کریمی که عطا پاشد و خطا پوشد. شمس یک ذرّه از ظهورِ او. قمر یک شمّه از نورِ او. چیزی نیست که

---

1. رامپور: گوهر سخن.
2. در قرآن این طور نیست.

بی‌نور او کنی فرض که اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ [1]. ناز او از بس‌که نیاز را دوست می‌دارد، هر که سر فرود می‌آرد، نومید نمی‌گذارد. آفریننده‌ای [2] که چهاآفرید [3] و بیننده‌ای که نهانِ همه کس دید. هرچند چرخ کج رفتار با من کج بازد، امّا چشم دارم که روی [4] مرا بر خاک نیندازد. زبانی نیست که نام او ازو نمی‌آید، جانی نَی که نغمهٔ وصفِ او نمی‌سراید. خبیری که از حالِ همه کس خبردارد. بصیری که همه را در نظر دارد. نیازی باید که گل‌های نازِ او چیند، چشمی شاید که تازه کاریِ او بیند. فردی که به‌فردانیت موصوف، احدی که به‌وحدانیّت معروف. رفیعی که به‌درگاهِ او مَلَک نرود. سمیعی که الحاح هر عاجزی شنود. قلمِ دو زبان چه قدرت دارد که کمالاتِ او یک یک بر نگارد. مگر او خود را خود ستاید و از عهدهٔ کمالاتِ خود برآید.

فی النَّعت

درود نامحدود بر فصیحی که گوی فصاحت از میان برده و تحیّات نامعدود بر بلیغی که به‌خدا رسیده و بر خود نسپرده. شاهی که از سر تا پا قدر و جلال است. ماهی که زنگ زدای کفر و ضلال است. پیشوایی که بی‌اقتدای او کاری نمی‌کشاید. رهنمایی که بی‌رهنمایی او

---

1. قرآن 35/24.
2. رامپور: آفرینی.
3. رامپور: جهان آفرید.
4. رامپور: کر مرا خاک نیندازد.

راهی[1] نمی‌نماید. امیری که فرمانِ او به‌جان و دل پذیریم و دستگیری که اگر دست دهد، دنبال او گیریم. صبیحی که صباحت[2] او روشن‌گرِ آیینهٔ عالم، ملیحی که ملاحتِ او نمک رخسارهٔ آدم. نگاری که خاکِ زیر پای او بهای جانی. بهاری که سایه رَوِ عَلَمِ[3] سبزِ او جهانی. یاری‌گری که چشم محشریان بر شفاعتِ او. نَی نَی، هر دو جهان را کار با عنایت او. صلی الله علیه و آله الطَّیّبین الطّاهرین که هریکی امام المؤمنین و شفیع المذنبین است.

بعد حمدِ خالقِ وَدود، معبودِ کُل موجود، و درودِ نامحدود و ثنای نامعدود برانِ صاحبِ مقامِ محمود. می‌گوید فقیر میر محمّد تقی المتخلّص به‌میر که درین ایّام بیکار بودم، و در گوشهٔ تنهایی بی‌یار. احوال خود را متضمّن حالات و سوانح روزگار و حکایات و نقل‌ها نگاشتم و بنای خاتمهٔ این نسخه موسوم به «ذکرِ میر» بر لطایف گذاشتم. امید از یاران زمان آنست که اگر بر خطایی اطّلاع یابند، چشم عنایت بپوشند و در اصلاح بکوشند.

بزرگان من با دار و دستهٔ خود از نامساعدتِ ایّام که صبح درین اوقات شام می‌نماید، از حجاز رختِ سفر بر بسته، به‌سرحد دکّهن رسیدند، ناکشیدنی‌ها کشیدند، و نا دیدنی‌ها دیدند. از آنجا واردِ احمدآباد گجرات گشتند. بعضی فروکش کرده از هم گذشتند[4]، و بعضی همّت برین گماشتند که پیشتر بیایند و بازوی تلاش گشایند.

---

1. رامپور: ره.
2. رامپور: صبحی که صاحب او.
3. رامپور: عالم.
4. نسخهٔ رامپور این جمله ندارد.

چنانچه جدّ کلانِ من به‌مستقرخلافت اکبرآباد توطّن اختیار کرد. این‌جا از آبگردش به‌بستر افتاد و جهان آب و گل را دعا گفت. ازو پسری باقی ماند که جدِّ من باشد. او کمرِ همّت بر بسته به‌تلاشِ روزگار برخاست. بعد از استخوان شکنی به‌فوجداری گردِ اکبرآباد سرافراز گشت. آدمیانه می‌زیست. چون سنّ شریفش به‌پنجاه کشید، مزاج از اعتدال منحرف شد. چند روز به‌تبرید[1] پرداخت. هنوز • صحّت کامل نشده بود که به‌گوالیار رفت. به‌سبب حرکت عنیفی[2] که در نقاهت سَم است، به‌جا افتاد و چامه گذاشت. و او دو پسر داشت. کلانی خالی از خلل دماغ نبود، جوان مُرد، و حکایتِ او پسِ سر شد.

پسر خورد که پدرِ من باشد، ترکِ لباس کرد و پا به‌دامن کشید. تحصیل علمِ ظاهر که بی او به عالمِ معنی رسیدن دشوار است، در • خدمتِ شاه کلیم الله اکبرآبادی که از کُمّلِ اولیای آنجا بود، کرد، و از ریاضت شاقّه پیِ به‌باطن برد. در سعیِ ترک و تجرید تصدیع بی‌حد کشید و به‌رهنمایی آن بزرگ به‌سر خانهٔ درویشی رسید:

پس از خرابیِ بسیار دل به‌دست افتاد

• جوانی صالح[3] عاشق پیشه بود، دل گرمی داشت. به‌خطاب علی متّقی امتیاز یافت.

---

1. رامپور: تدبیر.
2. رامپور: عنفی.
3. رامپور: جوان صالحی.

5

نقل است[1]

روزی در خدمت شیخ سوال کرد که بنده آن‌چه عقاید خود درست
• کرده‌ام، به‌خدمتِ عالی واضح است، امّا در حقّ حاکم شام چه
می‌فرمایند؟ فرمود: خواهم گفت. بعد مدّتی آخرِ شب که هنوز کاکلِ[2]
صبح پریشان نشده بود، در مسجد مَحرم خان خواجه‌سرای شاهجهانی
تشریف آورد. غلامان پدرِ من دَویدند که برای وضوی شیخ آب بهم
رسانند، پدرم خود برخاست و آفتابه به‌دست گرفت. دست و دهن
به‌آب کشیده گفت که: "ای علی متّقی! نامِ او در مدّت العمر به‌زبان[3]
• من نیامده است، زبان ندارم که شکرِ این بجا آرم". پدرم می‌گفت:
"الحمد لله که از آن باز نامِ او من هم نگرفته‌ام".

روز و شب به‌یاد الهی می‌پرداخت. حق تعالی روی او را بر خاک
نینداخت. چون دماغش می‌رسید، می‌گفت که: "ای پسر! عشق بورز.
عشق است که درین کارخانه متصرّف است. اگر عشق نمی‌بود، نظم
• کل صورت نمی‌بست. بی‌عشق زندگانی وبال است، دل باختهٔ عشق
بودن کمال است، عشق بسازد، عشق بسوزد، در عالم هرچه هست،
ظهور عشق است. آتش سوزِ عشق است، آب رفتارِ عشق است،
خاک قرار عشق است، باد اضطرار عشق است، موت مستیِ عشق
است، حیات هشیاریِ عشق است، شب خواب عشق است، روز
بیداریِ عشق است، مُسلم جمالِ عشق است، کافر جلال عشق است،
صلاح قرب عشق است، گناه بُعد عشق است، بهشت شوق عشق

---

1. رامپور ندارد.
2. رامپور: کامل.
3. رامپور: ازان باز نام من هم نگرفته‌ام.

است، دوزخ ذوق عشق است[1]، مقامِ عشق از عبودیّت و عارفیّت و زاهدیّت و صدّیقیّت و خلوصیّت و مشتاقیّت و خلّیت و حبیبیّت برتر است. جمعی برآنند که حرکتِ آسمان‌ها[2] حرکتِ عشقی است یعنی به‌مطلوب نمی‌رسند و سرگردانند:

بی‌عشق نباید بود، بی‌عشق نباید زیست
پیغمبر کنعانی عشق[3] پسری دارد

روز حیران کار، شب زنده‌دار، اکثر روی نیاز بر خاک. مدام مستِ شوق و دامن پاک. چهرهٔ نورانی‌اش رونق‌افزای بزمِ صبح خیزان. آفتابی بود امّا از سایهٔ خود هم گریزان. هرگاه به‌خود آمدی، گفتی که: "ای پسر! عالم هنگامه‌ای بیش نیست، باید که بدین[4] آستین بیفشانی، و گردِ علایق بر دامن خود ننشانی. عشق الهی را پیشهٔ خود کن. روزی در پیش است، اندیشهٔ خود کن. هر که اهل است، می‌داند که دنیا سهل است. زندگانی[5] وهمی است. بناء بر وهم گذاشتن، آب را با ریسمان بستن است. و در بند فُسحتِ اَمل[6] بودن مهتاب[7] به‌گز پیمودن. انداز رفتنی داری، بی‌خبر آه نشوی، فکرِ زادی کن تا خرجِ راه نشوی. رو به‌کسی آر که عالم را آینهٔ او می‌گویند. اختیار خود به‌کسی سُپار که او را در خود می‌جویند. اگرچه مقصود حاصل

---

1. دو سه جمله از این‌ها در نسخهٔ رامپور نیست.
2. رامپور: آسمانی.
3. رامپور: عشقی.
4. رامپور: برین.
5. از «زندگی... ریسمان بستن» دررامپور افتادگی دارد.
6. رامپور: این.
7. رامپور: آفتاب.

است، امّا طلب شرط است. هرچند همه اوست، لیکن ادب شرط است.

نکته

معیّت حق با خلق[1] چون معیّت روح است باجسم. ترا بی او وجودی نَی، و او را بی‌تو نمودی نَی، عالم پیش از ظهور عین او بود، و بعد از ظهور او عینِ عالم است:

• مشکل حکایتی است که هر ذرّه عین اواست
امّا نمی‌توان که اشارت بَدو کنند

درویشی درویش‌پرستی، شکسته دلی، مشتاقِ شکستی، نیازمند عجیبی، در وطن غریبی. وسیع المشرب، فقیر کامل، چون آب در هر رنگ شامل. هرگاه مرا در[2] بغل کشیدی، و به‌نظرِ شفقت رنگ کاهیِ مرا[3] دیدی، گفتی که ای سرمایهٔ جان! این چه آتشی است که در دلت نهان است، و چه سوزیست که ترا با جان است؟ من خنده می‌کردم. او می‌گریست. قدر نشناختم تا می‌زیست. مردی بود به‌حالِ خودی، کسی را بارِ دوشی نشدی.

یکی بعد از نماز اشراق روی توجّه به‌من آورد، و مرا سرگرمِ بازی یافت. گفت: "ای پسر! زمانه آنِ سیّال است، یعنی بسیار کم فرصت. از تربیّتِ خود غافل مشو. درین راه نشیب و فراز بسیار است، دیده دیده بِرَو":

---

1. رامپور: با حق.
2. رامپور: به‌بغل.
3. رامپور: من.

8

نشان پای تو فردِ حسابِ زندگی است
قدم شمرده درین[1] کهنه خاکدان بردار

این چه بازیست که اختیار کرده‌ای، و چه ناهمواریست که بر خود هموار ساخته‌ای. محوِ کسی شَو که بَلاگردانِ رنگین رفتنِ او آسمان‌ها، رفتهٔ آن باش که قربانِ هر آنِ او دل‌ها و جان‌ها[2]. عندلیب گُلی باش که همیشه بهار است (...[3]) آن ساده‌ای شو که یک پُر کار است. دورِ آسمان دو رنگ درِنگ ندارد، به‌شتاب، فرصت غنیمت شمار، و خود را دریاب".

صورتِ متبرّکش معنی مجسّم در تمام عالم اجسام. یک آدمِ مؤقّری که عنان اختیار از دستِ خود نداد. متّقی‌ای که چشمِ نامحرم بر دست و پای او نیفتاد. اگر می‌دیدی می‌گفتی که شاید مَلک و این عزیز سر از یک گریبان برآورده‌اند، و رفتگان هم پای استقامت به‌این خوبی کم فشرده‌اند. متخلّق به‌اخلاقِ سنجیده، متّصف به‌اوصاف حمیده. طبعش مشکل‌پسند، جانش دردمند، مژگان نم، حال درهم.

نقل است[4]

یک روز سَرکن پَرکن به‌خانه درآمد، کهنه واهی نشسته بود، گفت: "ای واه! امروز بسیار گرسنه‌ام، طاقتِ صبر ندارم، اگر پارهٔ نانی بهم رسد، زنده می‌مانم". او گفت: "فقدانِ اسباب است". باز گفت که:

---

1. رامپور: ازین.
2. رامپور: فرمان بران او دل‌ها جان‌ها.
3. این جا یک لفظ افتادگی دارد.
4. رامپور: ندارد.

"گرسنه‌ام". واه برخاسته رفت و از بَدّال آرد و روغن آورد تا نان بپزد. این بار بی‌طاقتی بسیار کرد. و او بی‌دماغ شد و گفت که: "صاحب این فقیری است، این‌جا ناز را دخلی نیست". گفت: "ای واه، تو با دلِ جمع نان بپز. من برای دیدن درویشی به لاهور می‌روم".رومالی که از گریهٔ شبش لکّهٔ ابر تَری شده بود، برداشت و پا به‌راه گذاشت. چون واه دید، بی‌مزه شده می‌رود، دوید و گریه • کنان در دامن آویخت. هیچ فایده نکرد. ناچار آبی بر آینه ریخت.

هرجا که فرود می‌آمد، رزّاقیتِ خدای کریم کار می‌کرد. بعد از چندی به‌لاهور رسید و آن درویش ریاکار را دید. بر کنارِ رودخانه‌ای که به«راوی» شهرت دارد، نشسته می‌ماند، و عالمی را به‌آب می‌راند. • به‌نام «خفشان نمود» مشهور بود. چند الفاظ زبان دری بر زبان داشت، نافهمی چند که نمی‌فهمیدند، پیش او خط از بینی[1] می‌کشیدند. گفت که من تایید دین محمّد علیه الصّلوة والسّلام می‌کنم، بی‌حقیقتان مرا مُغوی می‌دانند". پدرم برآشفت و گفت که: "ای بی ته! دینِ پیغمبر ما محتاج تایید همچو تویی نیست. فهمیده بگو که این‌جا شمشیر در میان است، مبادا که کشته شوی". آخر در اولِ ملاقات صحبت بی‌مزه[2] شد. به‌ترش‌رویی تمام از آنجا برخاسته، در تکیهٔ، فقیری شب گذرانید. چون صبح سفید شد، آن سیه گلیم از درِ معذرت درآمد. پدر من گفت که: "حالا سودی ندارد، دیروز سفید گفته‌ام امروز سفیدتر خواهم گفت". چون پرده از روی کار برخاست، بی‌لطف

---

1. رامپور: خط به‌مستی.
2. رامپور: . آخر در اول صحبت ملاقات فزونی شد.

است. برو سرِ خود گیر. نشود که به‌دهن[1]ها افتی. هرچند از عرقِ خجلت‌تر آمد، امّا بسیار از آب بد برآمد. وقتی که آن مجلس بی‌لطف بر شکست[2]، دفعةً این عزیز بار سفری که نداشت، توکّلتُ علی الله بر بست. و در عرصهٔ ده دوازده[3] روز از گردِ راه به‌شاهجهان‌آباد دهلی • رسید، و به‌خانهٔ فخرالدین خان پسر شیخ عبدالعزیز عزّت، که دیوان صوبه بود و قرابت قریبه داشت، رحلِ اقامت انداخت. عزیزانِ شهر هجوم آوردند و به‌اعتقادِ تمام آب به‌دستش ریختند. آن مرد را که شراب عشق از هوش برده بود، اگر نشستی بی‌خود نشستی، و اگر برخاستی چون مستِ سر انداز برخاستی، مستانه و بی‌خودانه حرف سر کردی، دم جان سوزش آتش شوق بر کردی. بسیاری دست ارادت به‌دست او دادند، اکثری به‌تاثیر نگاهش از پا افتادند. غُسالهٔ[4] وضوی او از کمال رسوخ می‌گرفتند، و به‌بیمارانِ شهر می‌دادند. هرکه می‌خورد به‌می‌شد. از بس گریستی گریه‌اش در گلوگره گشتی. ناله‌ای که از دلش سر بر زدی، از آسمان گذشتی. آوازه‌ای در افتاد که درویشی به‌این حالت واردِ شهر است. امرا التماس ملاقات نمودند، قبول نکرد، که "من فقیر و شما امیر، میانِ ما و شما نسبت • نمی‌گنجد". امیرالامرا صمصام‌الدّوله نظر بر حقوقِ سابق باز آغاز کرد که مرا از دولتِ دیدار محروم نباید گذاشت، اگر از لطف اشاره رود،

---

1. رامپور: به‌دنیا افتی.
2. رامپور: به‌دنیا افتی که آن صحبت بی‌مزه پاشیده شد و آن مجلس بی‌لطف بر شکست.
3. رامپور: ده روزه.
4. رامپور: غلوله.

این رو سیاه داخل صحبت رو سفیدان شود. تبسّمی کرد و گفت: "برای ملاقات مناسبت شرط است. امّید که معذور داری و به‌حال خودم وا گذاری". چون از کثرت خلق تنگ شد، دل شب برخاست، و بعد از نماز تهجّد از شهر بدرزد. هرچند در تلاشش نفس سوختند، امّا به‌گردِ او نرسیدند، و نقش پایی که نشان ازو دهد، ندیدند. لمصنّفه:

به پاکان کار کی گیرد فلک تنگ
که عیسی از سرِ سوزن برون شد

• در دو سه روز به«بیانه» که سه منزلی اکبرآباد شهریست قدیم، و آبادی شرفا است، غریبانه وارد شد. و بی‌کسانه بر در مسجدی نشست.

حکایت

سیّد پسری، لاله رخساری، خوش پرکاری، به‌نظر درآمد، چشمی[1] چراند و از جذبهٔ کاملش به‌سوی خود کشید. تغیّری در احوال آن غیرتِ پری راه یافت. چون پریدار بی‌هوش افتاد، و سر در پای این دیوانه‌وَش نهاد، عزیزان فهمیدند که[2] حال پسر که دگرگون است، از تاثیر نظرِ درویش جگر خون است. گفتند که رحمی بر حال این جوان کن. دمِ آبی طلبید و دعایی برو دمید. چون آب از گلو فرورفت، آن پسر به‌خود آمد، و معتقدانه زانوزده گفت: "اگر چندی مهمان من باشند، و قدمی که بردارند بر چشمِ نیازمند گذارند، عین بنده‌نوازی است، و گرنه در عالمی که حضرت تشریف دارند، ناز

---

1. رامپور: قسمتی خواند واز جذب.
2. رامپور: که ندارد.

پیش نمی‌رود که آن جا بی‌نیازی است". فرمود که "در عالمِ دوستی مضایقه ندارد، امّا من به‌سرِ پا نشسته‌ام، فردا رفتنی در پیش دارم". حاضران گفتند که: "ما تابع مزاجیم. مبالغه کردن سوءِ ادب است، لیکن این قدر هست که اگر به‌خانهٔ این پسر تشریفِ شریف ارزانی فرمایند، و چیزی تناول نمایند، دور از عنایتی نخواهد بود". چون پاس عزّت اکابرانِ آنجا منظور داشت، گفت: "قبول است. امّا خاطر فقیر گاهی شاد و گاهی ملول است، کسی متعرّضِ احوال نشود". گفتند: "چه یارا و کِرا گوارا، اگر خلاف مزاج به‌ظهور آید، این سعادت به‌شقاوت گرایید"[1]. غرض که آن جماعت به‌خانهٔ پسر برد. و این مرد[2] هم آنجا چیز(ی) خورد. اتّفاقاً همان شب شبِ کدخدایی او بود، پاره‌ای از شب گذشته با کدخدایان شهر پیش آمد و گفت: "اگر حضرت هم قدم رنجه فرمایند، و رونق بزم عروسی افزایند، موجبِ سربلندی است". گفتا: "مبارک است. امّا افسوس کدخدایی مانع خداپرستی است".

فایده

ای عزیز! نمی‌دانی که لفظِ «داماد» مرکّب است از دام و آد که • فارسیان برای نسبت می‌آرند، از عالم‌آباد و نوشاد. یعنی هرکه کدخدا شد، گرفتار دامِ بلا شد. من مردی‌ام وارسته، و چون برق ازین دامگه جسته، مرا به‌این کارها چه کار؟ برو که آدم درین امر ناچار است. بنده نیز در ابتدای جوانی از شراب عیش مست بودم، آخر غیر از

---

1. رامپور: گردید.
2. رامپور: مردم.

خمار که رنجی است، حاصلی ندیدم. چون خدای عزّوجلّ ازین گرفتاری رهایی‌ام داد، خود را به‌مسمار دوختم و بسانِ شمع بر سرِ یک پا[1] سوختم. اکنون تودهٔ خاکستری بیش نیستم[2]. دل کجا که هوس انگیزد، دماغ کوکه فقیر بهر تماشا برخیزد. ازین مشعل‌ها که همراه تواند، بوی فتیله می‌آید، تو که غزالی، عجب است که رَم نکنی[3]، اگر فهم درستی داری بکُنهِ این نکته بِرَس که الله بس باقی هوس".

الحاصل آن پسر به‌خانهٔ عروس درآمد، و این فقیر لاابالی از شهر[4] برآمد. در مدّتِ یک و نیم روز به‌اکبرآباد رسید، و با دلِ جمع در خانهٔ خود[5] وا کشید.

حکایت شوق

وقتی که آن جوان گل رخسار، و آن سَروِتدَرْو رفتار آگاه شد که درویش دل آگاه شد، عروس را به‌خانه آورد، و آن جا آب هم نخورد، یعنی همان دم اشک ریزان، افتان و خیزان سر به‌صحرا نهاد، و قدم در تلاش او کشاد. هر کرا در راه می‌دید، احوال درویش می‌پرسید. گاهی این طرف، گاهی آن طرف می‌شتافت، پا سَنَزی که ازو نشان دهد، نیافت. ناچار آهی از جگر بر کشید و گفت: "ای

---

1. رامپور: بر سر سوختم.
2. رامپور: نیست.
3. رامپور: نمی‌کند.
4. رامپور: به‌شهر.
5. رامپور: به‌خانه خود در کشید.

خضرِ راه! چون من نابلد بی‌رهنمایی[1] تو هر طرف سرگردانم، از طرفی برآ، از خاک برگرفته باشی، اگر بدین افتادگی دستگیری نمایی، گنجی یافته باشم. اگر درین خرابه به‌نظر درآیی، جیبی که گُل درو[2] می‌انداختم چاک است، سری که بر بالش ناز داشتم، برو خاک است. رحمی که پای رفتنم کوتاهی همی‌کند، لطفی که جز آوارگی کسی همراهی نمی‌کند. وقت است از لطفِ بی‌پایان دریاب. خورشیدی آخر بر ذرّهٔ خود به‌تاب. چه واقع شد که آسودگی از من رو به‌تافت. چه پیش آمد که آوارگیِ مرا دریافت. لمصنّفه:

سخت در کار خویش حیرانم

چـه به‌دل خورد من نمی‌دانم

چون گردباد وحشت آماده‌ام، مگر از طاق دلت افتاده‌ام. هرچند از کمپاییِ خود در آزارم، امّا هنوز سرِ توقّع می‌خارم. گر به‌دشتم آوارهٔ غم. ور به‌کهسارم سنگ داغم. رخسارم که بر گلِ نو نَواخوانی کردی، از تاب آفتاب تَفسیده. چشمم که بر غزال سیاهی زدی، قریب به‌سفیدی رسیده، تو آفتابی و من سایه‌ای افتاده، تو سوارِ دولتی و من پا پیاده[3]. از هر غباری که بلند می‌شود، منتظر تو می‌باشم. چو به‌چشم نمی‌آیی، ناچار از ناله گلو می‌خراشم. تو تمام اجزایی، یعنی کاملی، از حالِ غافلان[4] چرا غافلی، ناله می‌کشید و راهی می‌رفت.

---

1. رامپور: رونمای تو.
2. رامپور: در و گل.
3. رامپور: و من پیاده.
4. رامپور: ناقصان.

گاهی می‌ایستاد و گاهی[1] می‌رفت، که ناگاه پیری از پس پشت رونمود، و زبان به‌لطف و نرمی کشود که "ای جوان! کِرا می‌جویی و این‌ها چیست که می‌گویی؟ علی متّقی در اکبرآباد است، برو دست پاچه مشو". چون این مژده به‌گوشِ او رسید، دلی که در سینه قرار نمی‌گرفت، تسلّی گردید. قدم به‌آرمیدگی در راه نهاد. لب به‌ادای شکرِ الهی کشاد.

شب در میان داخل شهر مذکور شد. نشان جویان، نام پرسان رسید، و به‌قدمبوس مستسعد گشت. اشک شادی به‌رخسارهٔ او که رنگ مهتابی داشت، دوید. رنج ناکامی به‌راحت حصول کامی که در خیالش نبود، انجامید. درویشِ جگر[2] ریش نظری بر جمالش[3] کرد که همان نظر پاک صاحب کمالش کرد. لطفی فرمود که به‌تحریر نمی‌گنجد، دلدهی کرد که به‌گفتن راست نمی‌آید. سرش در کنار کشید و از لطف بی‌اندازه پرسید که ای میر امان‌الله! بسیار در آب و آتش بودی، یعنی گرم و سرد زمانه آزمودی، غمِ جدایی اقران نخواهی خورد. خانمانِ من خانمان تو، من و غلامان همه از آنِ تو. خنکی که طرفه دریایی به‌جوی خویش بسته‌ای. شادی که چون سرو دامن بالا زده برجسته‌ای. باید که دل جمع کنی، و دروازه را بر روی خود کَشی. چندی به‌خود فرو روی تا خدا را سوی خود کشی.

---

1. رامپور: ناله می‌کشید و گاهی می‌رفت و گاهی می‌ایستاده ناگاه.
2. رامپور: دل ریش.
3. رامپور: حجابش.

فایده

بشنو که وقت دلخواه است، و نکته‌ها در راه. جامه‌ای که عبارت از جسم باشد، عاریتی است، لباس عاریت را پاک باید داشت و جان را که اشارت با تست در بند این و آن نباید گذاشت. لمصنّفه:

پاسِ جـان کن، تن ندارد اعتبار
قالبِ خاکی مزاری بیش نیست

خود را بین[1] و در خود تأمّل کن. نظر بر خدا دار و توکّل کن. نیازی بهم رسان که نماز دوام به‌کار نمی‌آید. گداخته شو که دلِ بی‌گداز کاری نمی‌کشاید. به‌خود سپردن عیب است، کارها را به‌خدا سپار، و از خود زبون‌تری را هم به‌دست کم بر مدار. غرور بد نمود است، زینهار زینهار ازو رو به‌گردانی. مشق نیازی کن که به‌دل چسپیدنی بهم رسانی. تا توانی علایق را بر گردنِ خود[2] مبند. به‌عبث خود را زیرِ این بار مپسند. دل از نقش غیر بپرداز. تا خانه را رُفت و رُوب نکنی، قابل مهمان نشود. با موافق و ناموافق بساز، تا آدم اخلاق پیدا نکند، انسان[3] نشود. رفتگی با همه کس کن که همین مذهب درویش است. چون غریبان بسر بَر، که رفتنی در پیش است. عالم پُرسگاهی است[4]، این‌جا رسمِ دیر ماندن نیست. عالمیان ماتمیان‌اند[5]، برای تسلّی ایشان دمی بایست. این دشتِ خوفناک است. این جا مار

---

1. رامپور: بین.
2. رامپور: خود ندار.
3. رامپور: آدم.
4. رامپور: پرسه گاهیست این‌جا.
5. رامپور: تا ایمن‌اند.

و مور به‌عصا راه می‌رود. در فکرِ زادِ راه باش، که قافله ناگاه می‌رود. خواهی که صحیح برآیی، ازین بیمارخانه آب حکیمانه بخور، طعام پرهیزانه.

نکته

فقیر آنست که احتیاج به‌چیزی که داشته باشد، نداشته باشد، و غنی آنکه مملکت عدم به‌غیر خود گذاشته باشد. فقر به‌ما می‌افتد "اَللّٰهُ الْغَنِیُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاء[1]" بدانکه درین چمن یک گل تر است امّا به‌هزار رنگ جلوه‌گر است، یعنی یکی است دلدار و جلوه‌ها بسیار:

معشوق در حقیقت گر بنگری یکی است
هـرکـس به‌جـلوه دل خـود شـاد می‌کند

*

یکی را ببـین و یکی را بدان یکی را بجو و یکی را بخوان

*

دویی کجـاسـت ز نیرنگِ احـولی[2] بگذر
که یک نگاه میان دو چشم مشترک است

برو چیزی بخور و به‌خواب[3] که از گردِ راه رسیده‌ای. پا را به‌فراغت[4] تمام دراز کن که محنتِ بی‌حد کشیده‌ای. به‌غلامی اشارت کرد که بالش نرم زیر سرش بگذارد[5]، و خود را در هیچ وقت از

---

1. قرآن47: 38 اللّٰهُ غَنِیٌّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاء.
2. رامپور: ز نیرنگ او دلی بگذر.
3. رامپور: برو چه بخور و بخواب.
4. رامپور: به‌فراغت تمام.
5. رامپور: بگذار.

خدمتِ او معاف ندارد[1].

حاصل که آن عزیز به‌فراغت دل می‌ماند، و پدرم "برادرِ عزیز"ش می‌خواند. صبح و شام به‌خدمتِ درویش آمدی و کسبِ کمال کردی. یک لحظه از مراعات خاطر او غافل نمی‌بود. هر روز دری از مقامات درویشی به‌رُخش می‌کشود. به‌اندک مدّت فقیر کامل شد. کارش به‌جایی کشید که اگر چشمک‌زدی عجایبات نمودی، و اگر آستین افشاندی، کرامت ظاهر شدی. اقرانِ او چون خبر[2] یافتند، مشتاقانه از وطن شتافتند. همسرش به‌رنج باریک مبتلا گشت و بعد از چندی ازین عالم بگذشت.

القصّه آوازهٔ درویشی این مرد بلند شد. خلق برو گِرد آمدند. عزلت گزید و در ملاقات مردم مصلحت ندید. چون سالی برین بگذشت، پدرم گفته فرستاد که اکنون درِ فیض بر روی عالمیان باید کُشاد. شامگه از حجرهٔ خود برآمد، به‌اندازی که مَلَک‌تر آمد. درویش را سلام داد ودر قدم افتاد. گفت: "ای سیّد! عجب سکّه درست زدی که سکّه به‌زر کردی. هوس آدم را سگ روی یخ می‌نماید، و نفس سر کن سر شخ. تو سنگ قناعت بر شکم بستی و تمنّا بر تمنّا شکستی:

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

• من در آن ایّام هفت ساله بودم[3]. با خودم مانوس ساخت و در

---

1. رامپور: مدار.
2. رامپور: خبرش.
3. یعنی در سال 1142 ه‍/30-1729 م.

گریبانم[1] انداخت. یعنی با مادر و پدرم نگذاشت و به‌فرزندی خویشم برداشت. لمحه‌ای از خود جدایم نمی‌کرد و به‌ناز و نعم می‌پرورد. چنانچه روز و شب با او می‌ماندم و قرآن شریف به‌خدمت او می‌خواندم.

نقل

روزی برای سیر جمعه[2] بازار رفته بود. نظرش بر پسرِ روغن‌فروشی افتاد. جوان خوبی بود. دل از دست داد. پای ثباتی که داشت، از پیش رفت، یعنی تاب نیاورد و از خویش رفت. چون روی دل ازو ندید، دست بر دل برگردید. هرچند به‌ضبط خود می‌پرداخت امّا دل بی‌تاب به‌او نمی‌ساخت. دست بر دوش غلام داشتی تا قدم بر زمین گذاشتی. بدینسان راه می‌رفت، با خود می‌گفت: "ای عزیز! کسی این چنین بد می‌بازد[3] که تو باختی و خود را رسوای کوچه و بازار ساختی؟ یا آن عنان داری، یا این بی‌اختیاری. حرکتی که تو کردی از طفلی نشود، راهی که تو رفتی کوری نرود. دل همچو چیزی نبود که کسی تواضع طفلِ ته بازار کند. دل تفتهٔ کسی شدی که در آفتاب گرم از خانه[4] بیرون نیامده. وارفتهٔ شخصی گردیدی که درپی دل گامی نرفته. این چشم‌گریان‌تر شود، گویی که منتظر بود، همین که دید به‌دل چسپید. و این دل تپان‌تر گردد، همانا که بهانه‌ای می‌جست،

---

1. رامپور: بگریبانم.
2. رامپور: جمله بازار.
3. رامپور: می‌کند که تو کردی.
4. رامپور: گرم از خانه.

همین که دیدهٔ من وا شد، تپید. چشم را تا کی نگهدارم، از دل تا کجا خبردارم. در جوانی چشم نکشودم. اکنون پیر افشانی نمودم. اگر خود را جمع می‌کنم، دل از تپیدن قیامت می‌انگیزد، و گر به‌ضبط می‌پردازم، اشک سیلاب سیلاب[1] می‌ریزد. حیرانم که چه سازم، و چه تدبیر نمایم، تا این گره سخت از کار خود کشایم. چاره‌ای به‌جز توجّه پیر نمی‌بینم، هرچه بادا باد، می‌روم و می‌نشینم. به‌همان حالتِ تباهی، در دیده اشک و بر لب آهی. نزدیک به‌نمازِ شام دست برِ دوش غلام، در صحبت درویش آمد. حاضران برای او جا کشادند. اشارت کردند تا در صدرِ مجلسش[2] جا دادند. گفت که "ای برادر! کجا بودی؟ امروز دیرتر روی نمودی؟". عرض کرد که "برای سیر جمعه[3] بازار رفته بودم". فرمود: "مگر نشنیده بودی لمصنّفه:

مستمند عشق می‌داند که سودا می‌کند
دیدنِ طفلان ته بازار رسوا می‌کند

برو، از تاریک‌دانِ خود تا هشت شبانه روز بیرون میا و سرِ این داستان زینهار مکشا. حق تعالی کریم است، شاید که او را بیارد و ترا عزیز نگهدارد".

اتّفاق چنین افتاد که هنوز یک هفته نشده بود که شامگه آن ماه دو هفته از منزلِ خود برآمد، و بی‌تاب بر دکان نشست. بازرگانی[4] استاده بود، پرسید: "چه حال داری که امشب به‌رنگ دیگر به‌نظر

---

1. رامپور: یک سیلاب.
2. رامپور: در مجلس جا دادند.
3. رامپور: جمله بازار.
4. رامپور: بازرگانی.

می‌آیی، و بی‌قرارتر می‌نمایی؟". گفت: "حالتی که می‌کشم، نمی‌توانم بر زبان آورد. امّا ترا آشنا می‌دانم. اگر با تو گفته شود، مضایقه ندارد. امروز روز ششم است که درویشی ازین راه می‌گذشت. چشمش به‌رعنایی من افتاد. ساعتی به‌خود فرورفته باستاد. من که پیش خود بر پا بودم، ملتفت نشدم. ناچار دمِ سرد از دلِ گرم برآورد و رفت. حالیا صورتِ او از نظرم نمی‌رود، و خیالش از خاطر من محو نمی‌شود. اگر بیدارم شوقش نمی‌گذارد، و گر در خوابم، چشم بر نمی‌دارد. چه سازم و دل را به‌چه پردازم. نامش از که پرسم، نشانش از که جویم راه را به‌کجا برم، غم را به‌که گویم؟". گفت: "آن درویشی است نام برآورده. مردی است به‌خود نسپرده، خلقی بر آستانش رو نهاده، عالمی دست ارادت به‌او داده. برادر خُرد علی متّقی که مشهور آفاق است، و در زیر این سقف منقّش طاق. آستانهٔ او که خاکش به‌تبرّک می‌برند، بیرون شهر پناه، متّصل عیدگاه است. همراهِ من بیا و از بندِ غم برآ". غرض که آن مردِ کم بغل[1]، جوان را به‌حضرت پدرم آورد. حقیقتِ حال شنیده گفت که "آخر عشقِ بی‌پروا حیفِ بی‌پروایی گرفت، ایمایی به‌غلامی کرد که برود، و با برادرِ عزیز بگوید که بیا مطلوبِ تو ترا می‌جوید، هرگاه این اشارت مع البشارت[2] به‌آن جگر خستهٔ در به‌روی خود بسته رسید، دست افشان و پای کوبان از کلبهٔ احزان بیرون دوید. نخستین سر نیاز را به‌پای بوسِ پیر برافراخت، آنگاه دست شوق در بغل جوان انداخت، یعنی به‌کام دل در برکشید،

---

1. رامپور: کم عقل.
2. رامپور: این بشارت مع البشارت.

و آن نخل مراد را به‌مراد خود دید. پیر هر دو را دست به‌سر کرد، تا به‌طور خود بنشینند. چون صحبت درگیر شد، و سرِ حرف وا، درویش گفت که "ای جوانِ رعنا! من فقیرم، و دلِ بی‌مدّعا دارم. وابستهٔ زلفِ خودم نخواهی دانست. خدا داند که سر رشتهٔ دل در کجا بند است، و این جان سراپا خواهش برای چه آرزومند. زینهار بر خود نجنبی و حرف به‌سرِ زلف نزنی، مبادا که کفِ[1] افسوس کَنی. درویشان اگرچه از دایرهٔ سپهرِ واژون بیرون‌اند، امّا ایشان را به‌یک پرکار نمی‌گذارند. یعنی احوال ما مَردم مختلف است. برو که رنجی کشیده باشی". گفت که "رنجی کشیدم لیکن گنجی یافتم. جاروب‌کشی این آستان را شرف می‌دانم. امّید که محروم نگذاری، و چشم لطف از من بر نداری". هر صبح می‌آمد و می‌نشست. کمر خدمت بر میان جان می‌بست.

یکی[2] درویش در حالتی نشسته بود، جوان به‌سرِ وقت او افتاد. • جوان عزیزش خواند، و برابر خود بنشاند. نظری در کارش کرد که به‌کام دل رسید، و به‌همان لقب شهرهٔ عالم گردید. اکابران شهر عزّتش می‌کردند، مریدان خاص رشک برو[3] می‌بردند. آخر برو حالتی طاری شد که بی‌دهل رقصِ میدانِ معنی شد. آری چون نظرِ درویشان اثر می‌کند، خاک ناچیز را زر می‌کند.

---

1. رامپور: مبادا که افسوس کنی.
2. رامپور: روزی.
3. رامپور: برو رشک.

حکایت

درویش جگر ریش، یعنی عمّ بزرگوار، در هفته دو[1] بار برای دیدنِ فقیری «احسان‌الله» نام، که بادشاهِ وقتِ خود بود.، می‌رفت. چاردیواری سیم گِل کرده، به‌کمال پاکیزگی دربند و دیوارهای بلند مشهور به«تکیهٔ فقیر» آن طرف عیدگاه اکبرآباد داشت. بر دروازهٔ آن دل برشته این دو مصرعه به‌زر نبشته:

خاطرِ آسوده خواهی، راهِ آمد شد ببند
چاک در پیراهن دیوار، از دست در است

هرکه درِ او را می‌زد و آواز می‌داد، خودش می‌آمد و لب به‌جواب می‌کشاد که احسان‌الله در خانه نیست، زود برو این‌جا مایست[2].

• یکی عمّ من قصدِ دیدنِ او کرد و مرا همراه برد[3]. چون نزدیک به‌دروازه رسید همان جواب شنید، یعنی: "احسان‌الله در خانه نیست". این مرد گفت: "اگر احسان‌الله نیست امان‌الله است". خندید و در را وا کرد. جوانی دیدم سیراندام، خورشید سوار، هیبت حق از جبههٔ او نمودار. چادر یزدی برسر. آفتابی در کمر.چشم سرخش آب چشم از عالمی گرفته. شیر از عشق الهی بر درش خوابیده. مصافحه به‌میان آمد. در سایهٔ اَراک به‌تپاک بنشستند و احوالِ همدیگر گرفتند. گفت که "ای میر امان‌الله! من که در به‌روی خود کشیده‌ام، آدمی بابِ صحبت ندیده‌ام. دل ترا بسیار می‌خواهد، تا نمی‌آیی می‌کاهد. باری

---

1. رامپور: یک‌بار.
2. رامپور: فعل نهی از ایستادن.
3. یعنی در حدود سال 1143 ه‍/31-1730 م.

این پسر از کیست؟". گفتا: "فرزندِ علی متّقی، و گریبان انداختهٔ عاصی است". فرمود که "این بچه هنوز سوزه بال است، امّا چنین معلوم می‌شود که اگر به‌خوبی پر برآورد، به‌یک پرواز آن طرفِ آسمان خواهد رفت، به‌این بابا بگو، بدیدن درویشان همّت برگمارد، که ملاقات ایشان برکت بسیار می‌دارد. پاره‌ای نانِ خشک در آب تر کرده، بخوردِ من داد. طعامی به‌این لذّت نخورده بودم، هنوز ذائقهٔ من به‌یادِ او خمیازه می‌کشد، و مزهٔ او فراموش نمی‌شود.

نکته

گفت که:"ای یار عزیز! معرفت الهی غزالِ وحشی این صحرای پُرغبار است، و جسم آدمی مرکَب و جانِ او شهسوار. اگر صید شد، از ضایع شدن مرکَب چه می‌رود؟ وگر مرکب رو به‌عدم کرد، و آن صید هم رَم کرد، حسرتی دست به‌هم می‌دهد، که عذابی الیم‌تر ازو نباشد. عذاب قبر عبارت از همین حال است".

موعظة

"بیا و بگذر از غرور و هوس. نفس شوم، سگیست هرزه مَرس. اگر بگفتهٔ او راه رفتی، بریسمان او به چاه رفتی. وگر به خودکشی از خود بگذری، راهی به سر کوچهٔ آدمیت بَری. نادان قباحت طول امل را در نمی‌یابد، عاقل از پی خود ریسمان نمی‌تابد".

نکته

"آسمان خیمهٔ شب بازی است، اَشکالِ عجیب و صور غریب، از پرده برون می‌آیند، و می‌روند. این آمدن و رفتن به‌اختیار شکل و صورت

نیست. سررشتهٔ کار به‌دستِ دیگری است. دل به‌دنیا ننهی که دنیا زال بی‌حفاظیست، چون پدر از میان می‌رود، همبسترِ پسر می‌شود. کسانی که اهل سیرت‌اند، و غیرت دارند[1]، مطلقاً روی توجّه به‌این نمی‌آرند".

حرف‌های فقیرانه

"شیخانِ ریایی، از راه خودنمایی، به‌این عمر کوتاه که تا چشم بهم می‌زنی به‌پایان می‌رسد، خر خود را چقدر دراز بسته‌اند و در چار دیواریِ عناصر، که عبارت از دنیا باشد و از سر او زود باید برخاست، چون خشت چسان مربع نشسته‌اند. به‌معنی بی‌خبر، و به‌ظاهر هشیاراند، یعنی از تَهِ کار خبر ندارند. خلوت با صفای ایشان سراسر کدورت است، ملاقات با چنین مردم چه ضرورت است؟ شایستهٔ صحبت آن بی‌نوایانِ برگ بندند که بارِ سایهٔ درخت هم برخود نمی‌پسندند. یا آن فقیرانِ برهنه تن‌اند، که با خدا در یک پیرهن‌اند. یا آن پهلوانانِ نطعی پوش‌اند[2]، که در جهادِ نفسِ امّاره می‌کوشند. یا درویشانِ جگر ریش بیگانهٔ یار وخویش، سرهای نیاز بر خاک، چون آبِ روان پاک، شیران این آجام، خونِ دل آشام، بحراند و نمی‌جوشند، سیل‌اند و نمی‌خروشند. خاک‌شویانِ سر کوچهٔ محبّت، نمد مویانِ بیابان وحشت، بندگان با خدا واصل، دورگردانِ نزدیک به‌دل. دلدادگانِ جلوهٔ یار، خاک افتادگانِ سایهٔ دیوار. آشنایانِ بحرِ حقیقت، مجرّدانِ بادیهٔ طریقت، آوارگانِ به‌منزل رسیده، آفتابی از

---

1. رامپور: اهل شرم و غیرت دارند.
2. رامپور: "با آن پهلوانان نطعی پوشند" در رامپور افتادگی دارد.

سایهٔ شان دمیده. خاک‌نشینانِ بر فلک رفته، عزلت‌گزینانِ نام گرفته. آشفتگانِ دشتِ مهر و وفا، غنچهٔ چسپانِ گلزارِ حیا. سنگِ سخت بالینِ سر، علامتِ شیدایی در بر. سنگ بر شکم بندند، و ننالند. نان خود را بر شیشه نمالند. طعام لذیذ اگر دست دهد، به‌سوی او نگرایند[1]، نانِ جوین را به‌نان خورش نیز تناول نمایند. طُرفه زرد رخسارانند، نام برگشتهٔ بیمارانند. مزاج غیوری دارند، برای دیدن کسی که می‌میرند، به‌سوی او نمی‌بینند. در سر غروری دارند تا تیغِ نازِ معشوق نه نشاند، از پا نمی‌نشینند. محبوب حقیقی که متّحد به‌اویند، از کمالِ شوق روز و شبش می‌جویند. جنگ آورانند، که به‌هفتاد و دو ملّت سر بسر کرده‌اند. کیمیا گرانند، که خاکِ ناچیز را هزار بار زر کرده‌اند. متصرّف این کارخانهٔ درویشانند، یعنی هرچه هستند همین ایشانند. آنچه خواهی دست به‌دعا افراشته می‌دهند، یعنی حاصل هر دو جهان دست برداشته می‌دهند. سخنِ درویشان بگو. همّت از ایشان بجو. تاباشی، ازیشان باش، یعنی از آنِ درویشان باش. راهِ دریای لنگردارِ حقیقت، که قفل است، کلید آن زبانِ ایشان. سجّاده بر آب افگندن و بی‌اندیشه رفتن تصرّفِ ایشان".

چون شام خندید گفت: "ای یار عزیز! نمازِ مغرب رسید، اگرچه دل نمی‌خواهد که ترا دل دهم، امّا پیش از غروبِ آفتاب و طلوع که وقت خضوع و خشوع است، نمی‌توان نشست، برو سلامِ من به‌علی متّقی خواهی رسانید". دست بسرکرد و در را بربست.

عمّ من از آنجا که آمد، پیش پدر رفت و سلامِ فقیر گفت. هر دو

---

1. رامپور: ننگرند.

دست را به‌سر برد، و فرمود که: "دیدنِ احسان‌الله را احسان الله باید شمرد، می‌رفته باش و سلام من نیز می‌گفته باش".

روز چهارم دستِ مرا گرفته باز به‌درش رفت، و دستک زد. آواز داد که در خانه نیستم، گفت: "اگر نیستی، باری کیستی که به‌خانهٔ آشنای من جا گرفته‌ای؟". خنده کرد، و در را کشاد. سعادت عجبی دست بهم داد. یعنی سخنانِ نغز شنیدیم، و لطفِ بسیاری ازو دیدیم.

گفت که "ای یار عزیز! عشق از روزی که مرا بر کار بسته است، و نقش محبّت درست در دلم نشسته، هیچ چیز این‌جا به‌چشم من نمی‌آید، و دل مطلقاً به‌دنیا نمی‌گراید. تجرّد پیشه‌ام، بی‌اندیشه‌ام. اگر عالمی برهم خورد، جمعیّت خاطرم پراگنده نشود، و اگر آسمانی بر زمین بیفتد دلی که دارم که از جا نرود. هرگاه چشم می‌بندم، نظر به‌روی کسی می‌کشایم که از گل صد پرده نازک‌تر است، یعنی از نگاه گرم رنگ می‌بازد. چون سر به‌گریبان فرو می‌برم، تماشایی دلبری می‌شوم که جلوهٔ او از برق هزار مرتبه شوخ‌تر است، یعنی دمی با دلم نمی‌سازد، محشر خرام من، اگر خرامد، عالمی ته و بالا گردد. بلند بالای من چون قد برافرازد، قیامت برپا شود. خاک راهِ او شو، که سران را تاجِ سر گردی. پایمال او باش که سرمهٔ چشم اهل نظر شدی. دلی بهم رسان که او پسندد، جانی پیدا کن که به‌او پیوندد. دست به‌دستِ به از خودی ده، که ازین[1] راه این راه دور دست، دست به‌دست است. زینهار دست بر سرِ دست منه، که چون دست و پا خشک شوند، راه پست است".

---

1. رامپور: درین راه.

نکته

"ای یار عزیز! مرگ عجب استحاله‌ایست که در پیش است. از خصمانهٔ خود غافل مباش. یعنی خود را به‌چشم دشمن ببین، که دوستی همین است. حال جان هشیار، بعد مفارقت بدن حال مستی است. معشوق در کنار. چون آنجا تجدّد امثال نیست، پس از روزگار دراز آن مستی، که عبارت از لوثِ دنیا باشد، زائل شود، دفعةً ذوقِ وصل را دریابد. وای بر حال جان ناآگاه که ازین عالم دور افتد، و به‌آن عالم نسبت نداشته باشد، متاسّف بماند. همین دو حال را عارف دوزخ و بهشت می‌خواند".

موعظة

"ای یار عزیز! دل اگر درد خور است، در خور است[1]. غم اگر دل خور است، شایسته‌تر است. دل محزون می‌جویند نه شایستهٔ طرب. جان دردناک می‌خواهند، نه درمان طلب. روی نیاز به‌سوی او آر، که بی‌نیاز است. کارها را به‌او سپار که کارساز است. پا را در دامن کش و توکّل کن. سر را به‌گریبان انداز و تأمّل کن. اگر جان به‌نیاز آید، عنقا است، دل اگر گداز شود، کیمیا است". لمصنفه:

مدّعا نایاب و راهِ جستجو دور و دراز
پا به‌دامن، همنشین، ناچار میباید کشید

نکته

"ای یار عزیز! آن معشوق یکتا پیرهن، به‌هر رنگی که می‌خواهد،

---

1. در خوراست رامپور ندارد.

جامه می‌پوشد. گاهی گل است، و گاهی رنگ، جایی لعل است، و جایی سنگ. بعضی از گل دل خوش می‌سازند، برخی با رنگ عشق می‌بازند. جمعی لعل را معتبر می‌دانند، جماعتی سنگ را خدا می‌خوانند. هشیار که این مقام مُزِلّة الاقدام است. چشمی باید که بر غیر او وا نشود[1]، دلی شاید که از جای خود نرود. دشمن و دوست همه ازوست، که دل‌ها در تصرّف اوست. هدایت و ضلالت هر دو مظهر اویند. مست و هشیار همه او را می‌جویند. محراب از ابروی او پیدا آمد، میخانه از چشم او هویدا شد. مناجاتیان عبادت و طاعت گُزیدند خراباتیان جام بر سر کشیدند. در محراب به‌قامت خم باید شد و در شیره خانه با حالِ درهم. یعنی مراعات هرشان لازم، و پاسِ هر مرتبه واجب".

نکته

"ای یار عزیز! هستی واجب، محتاجِ برهان نیست".

هر که بر حق دلیل می‌گوید
بـه چـراغ آفتاب مـی‌جوید

همین[2] که آفتاب برآمد، روز شد. اگر مالکی در میان نباشد، فلک بیفتد، جبل نایستد، خور نتابد، مه نشتابد، آتش نسوزد، هوا نسازد، ابر نبارد، برق نتازد، آب نرود، گیاه نشود، گل ندمد، چمن نخندد، ثمر نیاید، شجر نپاید، حق سبحانه و تعالی[3] را که کریم می‌گویند، نظر بر

---

1. رامپور: بر غیر او وا کشود.
2. رامپور: ببین.
3. رامپور: حق تعالی.

غلبهٔ این صفت سر رشتهٔ بندگی از دست نباید داد، که آنجا صاحبی است، وقتی که می‌نوازد، خاک را آدمی می‌سازد، دمی که به بی‌نیازی پردازد، آدمی را خاک. پیغمبر ما، که در شان اوست **لولاك لما خلقت الافلاك**[1] تمام تمام شب نماز خواندی، و این همه ایستاده ماندی، که قدمِ مبارکش آماس بهم رساندی، کسانی که می‌دیدند، می‌گفتند: "یا رسول الله! چرا کار را بر خود تنگ گرفته‌ای؟ تو آنی که عالمی را از بند غم وا رهانی". متبسّم شدی و فرمودی: "چه باید کرد که عالم بندگی است". عزیز من! نسبت بندگی و صاحبی بسیار نازک است، بندگی پیش آر، که از روی صاحب شرمندگی نکشی.

سخن این‌جا رسانیده بود، که جلو داری از صوبه‌دار شهر رسید، • و نیاز او التماس نموده گفت که "نصرت یار خان برای قدمبوس می‌رسد". فرمود که "خوش باشد، هرچند دهنِ ملاقات فقیران ندارد، امّا مرا از روی او شرم می‌آید، که بارها برگشته رفته است. اگر این بار هم برود، خدا داند که باز ملاقات شود یا نشود".

چون به‌دروازه رسید، از فیل فرود آمده دوید، به‌سعادت پا بوسی سر بر آسمان رسانیده، پنج اشرفی نذر گذرانید. گفت که "خوش آمدی و صفا آوردی". عرض کرد که "زهی طالع من که به‌خدمت شریف رسیدم، و روی مبارک را به‌کام دل دیدم". چون روی دل از فقیر دید، رو انداخت که گاهی به‌نگاهی[2] این روسیه را باید نواخت. گفت که: "دل قوی دار که روی تازه داری، یعنی خدای عزّوجلّ ترا

---

1. ترجمه: اگر شما را تخلیق نمی‌کردم آسمان‌ها را هم به‌وجود نمی‌آوردم.
2. رامپور: گاهی بیگاهی.

این‌جا بر روی کار آورده است، اغلب که آنجا هم رو سفید برآیی. به‌شکرانهٔ این نعمت زو انداختگان را بنواز، یعنی رو از سنگ و آهن مدار، و روی ایشان بر خاک میینداز. از خدا رو دار و بر خود مچین. در کارِ غربا روی کسی مبین. زینهار که از بیکسان رو نتابی. مبادا که در عرصات رو نیابی. حالا برو که این یارِ عزیز شیشه جان و نازک مزاج است، و من در پاسداری این مرد لاعلاج. صوبه‌دار چون غریبان خاکسار پارهٔ رو بر زمین مالیده، آستانهٔ فقیر را به‌کمال اعتقاد بوسید، و رفت".

در همان حال، پسر خواننده‌ای، ساده رویی، مرغوله مویی، عودی رنگی، سیر آهنگی، طنبور بر دوش، حلقهٔ زر در گوش، ازان راه گذشت، نظر فقیر بران افتاد، اختیار دل به‌دستش داد. به‌عمِّ من گفت که "این را بخوان و بنشان" چون آن پسر آمد، و نشست، خود به‌خود این شعر آمدی، قُبلان را در دوگاه که پرده‌ایست مشهور، و بی‌گاه می‌خوانند، برخواند:

بیا که عمرِ عزیزم به‌جستجوی تو رفت
ز دل نرفتی و جانم در آرزوی تو رفت

فقیر را تواجُد دست بهم داد، و حظِّ بسیاری داشت.گفت که "ای عزیز! امشب پیش فقیر به‌مان و چیزها را که می‌دانی به‌طور خود بخوان". التماس نمود که "سعادت و بر جان منّت". چون شام قریب بود، ما را رخصت کرد، و در را بربسته به‌یاد الهی بنشست. شنیده شد که فقیر قصدِ نمازِ خفتن نموده، اشرفی‌ها را زیر بالین گذاشت. خواننده‌ای سیه دل دید، و بعد از ساعتی ببازار رفت. کاسهٔ شیری، درو زهر داخل کرده، آورد، به‌مبالغهٔ بیش از بیش به‌خورد فقیر داد.

به‌مجرّد خوردنِ شیر حالش دگر گشت. دست و پا زدن آغاز نمود، یعنی زهر کارگر افتاد. آن بی‌چشم و روی نادرست، اشرفی‌ها را گرفت و گریخت. نصف شب آه آهِ دلخراشِ فقیر، خواب از چشم همسایگان برداشت. مضطرب دویدند، مختصرش دیدند. کسان تلاشِ آن عیّار طرّار بسیار کردند، چنان در پردهٔ گلیمِ شب پنهان شد که به‌نظر کسی نیامد. چون شب بسر دست آمد، چشم فقیر به‌طاق افتاد و جان شیرین را به‌تلخی تمامی داد. اعیانِ شهر افسوس کنان پشتِ دست گزان، بر جنازهٔ او حاضر شدند، و موافق وصیّتش در •"تکیهٔ فقیر" به‌خاک سپردند. هنوز آن مکان زیارت‌گاهِ عزیزان است. لمصنّفه:

• فلک زین گونه خون بسیار کرد است
عـــزیـــزان را بســی آزار کـــرد اســـــت

آسمان خُم تنک، عشوه‌های لاجوردی دارد، و نازهای هرمزی. هر روز با خاک افتادگان می‌ستیزد. هر شب فتنه‌ای تازه می‌انگیزد. کسی را به‌زهر هلاهل هلاک می‌سازد، و کسی را به‌تیغ ستم به‌خاک می‌اندازد. مستان شوق را باید که از گردش این ایمن نشوند، تا سخت نخورند و از جای خود نروند.

بایزید درویش

حکایت: عمِّ مرا ذوق صحبت درویشان، و شوق دیدنِ این جگر ریشان بیشتر بود. روزی از شخصی شنید که درویشی بایزید نام متصل "سرای گیلانی" که بنایش سیلاب به‌آب رسانیده بود، در یکی از حجره‌های او، که چون دلِ عاشقان هزار ره دارد، افتاده می‌باشد،

دیدنی است. چون ازو نشانِ درویش یافت، دلش را آرزو گرفت و همه چیز از فکرِ افتاد. مرا از سر وا کرده، به‌سرعت تمام رفت. جوانی دید، بلند بالا، با کمالِ استغناء. ملکی واردِ این عالم، نی نی عزیزتر از جانِ آدم. بالش از سنگ، بستر از خاک، هر ساعت مهیّای هلاک. شکسته دل و کشاده رو. برشته جان و فتیله مو. دلداده، خاک افتاده. خود را به‌خدا سپرده، راهی به‌کامِ دل برده. اگر خوش چشمی از پیش او رفتی، بالای چشمت ابرو نگفتی. با کسی بر نخوردی، به‌بیکسی بسر بردی. چشم را اکثر اوقات بسته می‌داشت، و دل را بی‌یاد حق نمی‌گذاشت. نان را به‌رغبت ندیدی. آب را از گلو بریدی. باریک‌بین و مشکل پسند. در لباس قلندرانِ برگ بند. پرسید که "چه نام داری و از کجایی؟ دردمند و عاشق پیشه می‌نمایی". گفتا: "این‌جایی‌ام. و میر امان‌الله نام دارم". گفت: "بنشین که با تو دمی چند خوش برآرم". می‌گفت که چون زبان بازی به‌میان آمد، سرکرد که: "ای عزیز! راه‌ها بریدم. رنج‌ها کشیدم. از خود رمیدم، در کوچه‌ها دویدم،چون ابر ایستادم، چون برق افتادم، عمری سرگردان شدم، مدّتی دل پریشان شدم. چندی با چشم تر گشتم، آوارهٔ دشت و در گشتم. شب‌ها نخفتم، روزها نگفتم. دست در دامن امیران زدم. سر بر دروازهٔ فقیران زدم[1]. تا آن شوخ چشم را بر من گذری افتاد، و به‌حالِ دگرگون گشتهٔ من نظری کرد:

دیر بر سر آن غزالِ دُور گرد آمد مرا
از تپیدن‌های دل، پهلو به‌درد آمد مرا

---

1. رامپور: بردم.

اگر می‌خواهی که در زمرهٔ سختی کشان او باشی، باید که دل از آهن و جگر از سنگ تراشی".

سخنان غریب

ای عزیز! اگر آن محبوبِ سراپا ناز، پیش چشم است، بهشتِ جاوید است. و اگر از نظر رفت، همان دوزخِ عاشقِ نا امید. بدانکه سرِ کُلافه پیدا نمی‌شود، یعنی بر ما هیچ هویدا نیست. نمی‌دانم که زاهدانِ ریاضت پیشه چه در سر دارند، و بی‌خودان شوقِ آن مستِ سرانداز، از که خبر. جمعی را خلشِ خواهشی. جماعتی را کاوشِ کاهشی. کسانی که حق‌شناس‌اند. مبر۲ از امید و یاسند. عزیزانی که با خدایند، دلدادگان ریاضت[1] رضایند. جانِ عاشقان را که به‌تلخی کار است، خون ایشان شیرین بسیار است. رنج را بر خود گوارا کن، تا شایانِ راحت شوی. کار را بسیار با خود تنگ بگیر، تا به‌فراغت روی. دل برداشتن ازین عالم خوب است. اگر معرفت حق میسّر نشود، این هم خوب است. عمارتِ دنیا در گردیدنی[2] است، بنای این بر وهم گذاشته‌اند. طاق آسمان نیلی افتادنی است، در هوایش معلّق داشته‌اند. اگر به‌مقصود رسیدنی خواهی، در دلی راه کن. هرچه از دست کوته خدمتت برآید رو کن. اگر آشنای دریای ته‌دارِ حقیقت نمی‌توانی شد، باری بر کران باش. یعنی اگر دفعةً بر مردن خود قادر نیستی، آمادهٔ دادنِ جان باش. خود را از قید دیر و مسجد وارِهان. یعنی با خدا باش و در همه جا به‌مان".

---

1. در نسخهٔ رامپور آمده است.
2. رامپور: دنیا گردیدنی است.

فایده

"عارفان دو گروه‌اند. مردم یک جماعت نقشِ دیواراند، گویی که زبان ندارند. یعنی حیرانِ تازه‌کاریِ آن صنعت‌گرِ پرکاراند. دیده‌اند، آن‌چه دیده‌اند. فهمیده‌اند، آن‌چه فهمیده‌آند. مردمان جماعتِ دیگر را چون بادام زبانِ مغز دار است، یعنی هر یکی زبان‌دان چشم سخن‌گوی دلدار است. هرگاه شرح طرزِ دیدن او می‌کند، هزار رنگ لب می‌کشاید. کیفیّت مژگان بهم زدنش به‌صد زبان ادا می‌نماید. چنانچه کمالاتِ آن مست ناز از حدّ شمار افزون. کلمات این بی‌اختیار هم از حیّز بیان بیرون".

اوّل صحبت بود، زود برخاست. رنجِ فقیر زیاده برین نخواست. پیش پدرم آمد، و احوال او همگی بیان نمود. او گفت:

"هر گُلی را رنگ و بوی دیگر است

درویشان اهل بخیه کجا بهم می‌رسند. اکثرش می‌دیده باش".

یکی بعد از نماز پیشین قصدِ دیدنِ او کرد و مرا همراه برد. درویش به‌عنایت تمامم برخواند. رو با روی خود به‌عزّت بنشاند. چون خورد سال بودم، رو به‌عمّ من کرد و کلاه از سرم برداشت، یعنی متفحّصِ احوال شد، التماس نمود که فرزند علی متّقی است. گفت: "چه پرسیدنست؟ پدرِ این بابا مردیست کلان کار، دانای اسرار، خورشیدِ آسمان درویشی. مشهور جهان، جانِ درویشی. دریایی است کزو گوهرِتر برون می‌آید. ما فقیران کنارِ خشک داریم، از ما چه می‌کشاید. ای پسر! بعد از نیاز من خواهی گفت، که کوتاهی از شوقِ بی‌پایان نیست. شکسته پایی کوچه نمی‌دهد. و از بخت کم مدد نیز گذر نیست. می‌خواهد که ازین خرابه سر بیرون

نه‌نهد. تو قلندر مضبوط الاحوال، من به‌نسبتِ تو کوچک ابدال. در حقِ چون من بی‌سر و پایی، به‌شرط مساعدتِ وقت دعایی".

طرح سخن به‌طور دیگر انداخت. عمّ بزرگوار را مخاطب به‌خود ساخت که "ای عزیز! همه گوش شو و سخنِ فقیران بشنو".

سخنان درویش

نکته

"عبادتِ ما برای ماست. آنجا خدایی است، کرا پرواست. طاعت ما این همه نیست که برخود بچینیم، و برو تکیه کرده بنشینیم. اگر بپذیرند، احسان بهشت کنند، ما بنده‌ایم. ور به‌حساب نگیرند، جز این نمی‌توان گفت که شرمنده‌ایم. این که نفس ترا چیزی قرار داده، شومیِ محض است. چون خوب بکنه خود رسی، محرومی محض. آن سروِ ناز مائل رنگین رفتن خود است، و جلوهٔ او به‌هزار رنگ سرگرم آمد و شد. چه گمان برده‌ای؟ چه قرار داده‌ای؟ چه خیال کرده‌ای؟ به‌چه دل[1] نهاده‌ای؟ گاهی گِل در آب می‌افگند، گاهی گُل بر سرِ خاک می‌زند. زینهار که دل‌شکنی کسی نه کنی، و سنگ ستم پر این شیشه نزنی. دل را که عرش می‌گویند، ازین راه است که منزلِ خاص آن ماه است:

• نیـازارم ز خود هرگز دلی را
که می‌ترسم درو، جای تو باشد

---

1. رامپور: بچه دل نهاده‌ای.

نکته

ای عزیز! آن محبوب محبّت دوست است، یعنی با عاشقان سری دارد، و با آن بی‌پروایی به‌حالِ ایشان نظری. چون مراقب می‌گردند،در دل جلوه‌گر است. چون چشم می‌بندند، در پیش نظر. از هر دری که می‌خواهند، می‌آید. به‌هر رنگی که می‌جویند، رو می‌نماید. انقباض و انبساط وابسته به‌حال ایشان است. اگر خوش می‌شوند، گرفتگی ازین چمن می‌رود، وگر محزون می‌گردند، غنچه وا نمی‌شود. امّا طور ایشان از راه و روش[1] بیرون. معشوق در آغوش و دل‌ها همه خون. گاهی متفکّر، گاهی متحیّر، قرار نمی‌گیرند، تسلّی نمی‌شوند. خدا داند که از خدا چه می‌خواهند، خواهشی ندارند و می‌کاهند. نشنیده‌ای؟

حکایت تمثیلی

که در عهد[2] موسی علیه السلام خشک سال شد، مردم در معرض تلف افتادند. گفتند که یا موسی! در جناب احدیّت عرض کن که باران نمی‌بارد. خلق عالم تاب تعب ندارد. مفت هلاک می‌شوند، و بر بادِ فنا می‌روند. موسی علیه السلام بر طور رفت. عرض[3] داد. خطاب آمد که کَلَک خُسپِ پریشان گویی دارم که در فلان گلخن افتاده می‌باشد. ما گپ‌زدنِ او خوش داشتیم. از چندی رو به‌آسمان نمی‌کند، و به‌طور خود حرف نمی‌زند. نزول باران موقوف بر وا شدنِ اوست".

---

1. رامپور: درویش.
2. رامپور: وقت.
3. رامپور: عرضه داد.

چون ازان جناب این جواب شنید، به‌سوی همان گلخن شتافت. باری آن پلاس پوش[1] را دریافت. مردی دید بالای تودهٔ خاکستر، گلیمِ سیاهی در بر. از سر تا پا همه ذوق، مستغرق دریای شوق. یکّه بیتِ دیوانِ تجرید. فردِ اوّل جریدهٔ تفرید. به‌مجرّد دوچار شدن زبان بکشاد که "یا موسی! گذرت بر مزابل از چه افتاد؟ به‌چه دل نهاده‌ای که این‌جا افتاده‌ای؟". گفتا که "امساکِ باران است، کاری از دستِ دعای کس نمی‌کشاید. زندگانی دشوار می‌نماید. روی نیاز به‌جناب پاک حقِ برده بودم، چنین ظاهر شد. تو که سکوت اختیار کرده‌ای انقباض است. تا به‌عادتِ قدیم سخن سر نکنی، ابر را باد نیارد، و باران رحمت نبارد. خدا را، دمی رو به‌آسمان بنشین، چیزی بگو، و این بلا را بر چین". گفت: "ای موسی! تو آن فریبنده را نشناخته‌ای، و به‌طور من دل را در راه او نباخته‌ای. عبارت از طنز و کنایه[2] می‌زند. اشارتش دل به‌صد جا می‌افگند. استغفر الله من به‌گفتهٔ او کی راه می‌روم. امّا اگر پاس رسولِ او نکنم، کافر می‌شوم که گفته‌اند: ع

با خدا دیوانه باش و با نبی هشیار باش

غرض که آن مقید عشق مطلق و آن حیرتی کمالات حق، رو به‌فلک کرد و بساطِ سخن را به‌طور خود گسترد که "ای سراپا فریب، و ای دشمنِ شکیب! پیش ازین ابر و باد و باران مسخّر تو بودند، اکنون حکم کشِ من‌اند، که اگر من خواهم گفت باد خواهد وزید و ابر خواهد آمد، بارش خواهد شد. بلی حق بر طرفِ تست. ترا دخلی

---

1. رامپور: آن بلاکش شوق.
2. رامپور: عبارت از طنز و کنایه.

نیست، متصرفِ این کارخانه منم. بیا این فریبندگی را بگذار و بر حال خلائق رحم آر".

دو سه بار ازین قسم سخنان پریشان گفته بود که ناگاه بادی وزید و ابرِ سیاهی سفید شد. سیلاب سیلاب[1] بارید.

"ای یار عزیز! کدام معشوق این قدر پاسِ عاشق می‌کند. حیف است اگر تعلّق بدو نگیری. و در طلبِ آن سرمایهٔ جان نمیری. دل اگر برای او خون شود بهتر، جان اگر در راه او رود خوشتر. محوِ او کم کن به‌رنگی شو که به‌رنگ او برآیی. به‌طریقی کم گیر[2] که باز رو ننمایی. رباعی:

نی دل به‌خیال زلـف و رو بایـد داد

نی جان به‌هوای رنگ و بو، باید داد

این‌جا دل را چه قدر، و جان را چه محل

خـود را هـمـه او کرده به‌او باید داد

درین حال وقت نماز عصر[3] رسید، برخاستیم، و با او نماز گذاردیم. بعد فراغ رو به‌مشرق نشست و گفت: "ای میر امان‌الله! امروز چیزی خورده‌ام که نخورده بودم و دست به‌چنین طعامی نکرده بودم". عمِّ من قدری گستاخ شده بود، گفت: "ای درویش! مبالغه را حدّی و تکلّف را نهایتی است. قامتت از بار فاقه‌ها خم است، و سنگِ قناعت بر شکم. برای یک دمِ آب استخوان می‌شکنی. نانِ گربه را به‌تیر می‌زنی. هر روز برای مرگ آماده‌ای. با صد خرابی درین

---

1. رامپور: سیلاب بارید.
2. رامپور: کم‌گیر.
3. رامپور ندارد.

خرابه افتاده‌ای. کجا طعام لذیذ و کجا تو. از دهنِ خود زیاده مگو".
گفت: "و الله که من زیاده سر و سُبک پا نیستم. جایی که احتمال دروغ باشد، نایستم. بشنو که از صبح آتشِ جوع زبانه می‌کشید، و نفس شوم چون سگِ پا سوخته می‌گردید. یعنی می‌خواست که به‌شهر بروم و پیش کس و ناکس سایل شوم. باری سنگ زیر سر گذاشتم و غیرت[1] خود را به‌زور نگهداشتم. یکایک موشی نیم نانِ خشک در دهن گرفته برآمد، و درین حجرهٔ شکسته‌تر از دلِ عاشق درآمد. من که به‌معنی شیر شرزه بودم، و به‌ظاهر از فاقه‌کشی‌ها گربهٔ لاوه، چون مرا دید، آن نیم نان را انداخته گریخت. نصف دل خوش برخاستم، و برداشتم، آبی میسّر نبود که پاکش کنم. منتظرِ خضری[2] نشستم. بعد از ساعتی آواز سقّایی بگوشم خورد. کوزه‌ای دسته شکستهٔ خود را برده آب آوردم و آن نیم نانِ خشک را شسته تر کردم و خوردم. خدا شاهد است که لذّتِ نعیم بهشت می‌داد".

"عزیز من! در سخنِ درویشان تصنّع و تکلّف نمی‌باشد. ایشان شاگردِ چرخ دولابی‌یی نَیند، که اگر صد کوزه بسازد یکی دسته ندارد. در صحبتِ این طایفه شیشه بند کردن سنگ به‌دل زدن است. زبان را نگه باید داشت که شکر آبِ ایشان شربتِ شهادت بی‌ادب می‌شود".

عمّ بزگوار از خطاب خجالت کشید، و عذرِ هرزه چانگی خواست. چون تنبیه یافت، بر سرِ عنایت آمد و گفت که "ای عزیز!

---

1. رامپور: عزت.
2. رامپور: فقیری.

من ترا از جان عزیزتر دارم، این قدر تنبیه ضرور بود که چانَه بیجا زدن از ادب درویشی دور است".

همدران هنگام روز تمام شد و شب افتاد. رخصت خواستیم. گفت: "خدا[1] برو".

از آنجا که آمدیم به‌خدمت شریف پدر رفته، سلام و پیام فقیر رسانیدیم. گفت که "عنایت ایشان. اگر باز با عمِّ خود بروی، البتّه نیازِ من برسانی".

صحبت سوّم که به‌خدمتِ او رسیدیم، دیدیم که بی‌حضور است، و به‌یک پهلو افتاده آه آه می‌کند. چون عمّ مرا دید، دمِ سرد کشید و • پیش خواند، و این بیتِ حکیم شفایی بر زبان راند:

پرستاری ندارم بر سر بالین بیماری
مگر آهم ازین پهلو به‌آن پهلو بگرداند

پرسید که "چه حالت است. که این قدر ملالت است؟". گفت: "ای عزیز! سینه‌ام به‌حدّی می‌سوزد که گویی در درونِ من کسی آتش می‌افروزد. ناله‌ای که می‌کشم زبانهٔ آن آتش است. آهی که می‌کنم لایحهٔ همان شعلهٔ سرکش:

من نمی‌دانم که دل می‌سوزد از غم یا جگر
آتش افتاد است در جایی و دودی می‌کند

اگر مرگ به‌فریادِ من رسد، خوش بهشتی است، و گرنه دوزخی است که نتیجهٔ عمل زشتی است. اکنون بار بستنِ جان فتوح است، که آمد و رفت دم سوهانِ روح است. شب بی‌خوابم، و روز بی‌تابم،

---

1. رامپور: جلد.

چه سازم، به‌چه پردازم، که تا به‌میرم قرار بگیرم:

روزی به‌شب کنم به‌صد اندوهِ سینه سوز
شب را سحر کنم به‌امیدِ کدام روز؟

بادی که می‌وَزَد دامن بر آتش می‌زند، آبی که می‌خورم کارِ روغن می‌کند. دوایی مناسب مناسبتی ندارد. تدبیر موافق موافقتی نمی‌کند. اگر به‌باغم ببری، از سوزِ درون ناخوشم. ور به‌عمانم بیندازی من همان در آتشم. کاش سینهٔ من بشگافند و دل و جگر را زود برآرند. یا مرا ازینجا ببرند و زنده به‌زیر خاک بسپارند".

القصّه، احوال آن دل سوختهٔ جگر کباب، تا به‌زوالِ آفتاب به‌همین یک وتیره بود. گاهی دست به‌دیوار داده می‌ایستاد، گاهی می‌نشست و می‌افتاد. گاهی چشم می‌کشاد و نومیدانه می‌دید. گاهی چون ماهی بی‌آب می‌تپید. ناگاه از زبانِ من شنید که وقت نماز ظهر رسید. به‌خضوع و خشوع سجودی برد "سبحان ربّی الاعلی" گفت و بمرد:

آتش عشقش بسی را سوختست
لیک زین‌سان کم کسی را سوختست

عمّ بزرگوار با چند غلام به‌تجهیز و تکفین او بپرداخت و در همان حجرهٔ شکسته‌تر از دلِ عاشق، مدفون ساخت. از شنیدنِ این خبر، جناب پدرم پشت دست گزید و گفت که "آدمی روِشی این چنین دیر پیدا می‌شود. صد حیف که زود رفت".

نقل

شبی در خواب عمّ من آن دل سوختهٔ از جهان رفته می‌آید و

می‌گوید: "دیدی که عشق چه آتشی در من زد، و چسانم[1] سوخت. چارهٔ کار جز مرگ نبود. چون بی‌تابی جانِ مرا دیدند، در بحرِ موّاج رحمتم انداختند، و با گوهرِ مقصود همکنارم ساختند. یعنی تسلّی گردیدم و آرام گرفتم. و به‌کام جان ازان نگار بهشت رو کام گرفتم". از دیدنِ این واقعه وحشتی در مزاجِ شریفِ او پیدا آمد. مدّتی با کس انس نگرفت. اکثر اوقات می‌گفت که "بایزید عجب سوخته جانی بود، داغِ جدایی او که بر جانِ منست، تا زنده‌ام سیاهی نخواهد افگند". بر سبیل حکایت این خواب را به‌خدمت پدرم نقل کرد، گفت: چه عجب که حق تعالی کریمِ مطلق است. نشنیده‌ای:

حکایت تمثیلی

• که عارفِ نامی بایزید بسطامی همسایهٔ دیوار به‌دیوارِ ترسایی بود، و از چهل سال به‌او آشنایی داشت. او هر سحر تخته می‌زد، و این می‌گفت که: ای ترسا! ازین تخته زدن در فردوس به‌روی تو باز نخواهد شد. اگر نجات می‌خواهی، بیا اسلام قبول کن". یکی به‌خاطرش رسید که بایزید آدمی سهلی نیست، چهل سال است که دعوتِ اسلام می‌کند، خالی از خیری[2] نخواهد بود". سرزده در مجلسِ او رفته می‌گوید: "ای شیخ! تو که هر صبح می‌گویی مسلمان شو، ضامنِ نجاتِ من می‌توانی شد؟". شیخ را حالتِ سکر بود، کاغذی از کاغذگر طلبید و ضامنیِ نجاتِ او نوشته داد. رفت و مسلمان شد. اتفاقاً در همان هفته فجأةً بمرد. ورثه آن نوشتهٔ شیخ را

---

1. رامپور: جانم.
2. رامپور: خیری.

به‌گریبان کفن چسپانیده به‌خاکش سپردند. چون شیخ به‌خود درآمد، به‌خود فرو رفت. مریدی باعثِ حیرت پرسید. گفت: "در حالتِ مستی متعهّدِ امری شده‌ام که از عهدهٔ آن بیرون نمی‌توانم آمد[1]". گفتا دران حال ترسایی دوست رویی از دستِ شیخ ضامنی نجات خود نویسانیده برده بود، می‌گویند که مسلمان شد و مرد". شیخ غش کرد، چون این سخنش بگوش آمد. آب بسیاری بر رویش زدند تا به‌هوش آمد. سر کرد که "من در نجات خود تردّدی داشتم. این جگر از کجا بهم رساندم که متکفّلِ نجات دیگری شدم". افتان و خیزان بر گورِ آن نو مسلمان شده رفت و متوجّه باطن شد. در معامله‌اش دید که همان کاغذ به‌دست دارد و می‌گوید که: "ای بایزید! نوشتهٔ تو هیچ به‌کارِ من نیامد. پیش از نمودن این پرچه که دست پیچ نجات خود کرده بودم، به‌طرزی کرم کریم سوی خودم خواند که چشم فرشتگان مقرّب حیران کارِ من ماند. موجبِ دل پریشانی خود مشو. قلمبند کردهٔ تو این است، بگیر و برو".

هرگاه کرم او بدان را این چنین در می‌یابد، آن فقیر خود از خوبان روزگار بود. اگر به‌دریای رحمتش غوطه‌ها نخوردی، این ماجرا آب بردی".

سخنان نغز

"ای برادرِ عزیز! چون دانستی که آن گل همیشه بهار به‌هزار رنگ بر می‌آید، و این چمن رسانیدهٔ اوست، و این رنگها ریختهٔ او. اگر بینا

---

1. رامپور: بیرون آمدن نمی‌توانم.

شوی به‌تامّل شو. و گر قدم کشایی، فهمیده رو. در همه ذرّات کاینات، پرتو همان آفتاب است. اگر شناسای طرز او شده‌ای، دلت کامیات است. کسی را که دیده و دل بیناست، می‌داند که حباب و موج از دریاست. حق بر طرف غافل است، اگر غافل ماند[1]. بر ساحل افتاده از دریا چه داند. بیا که برخیزیم، و از میان رویم، شاید که به‌کام جان همه او شویم. موسم جوانی رفت، لطف زندگانی رفت. عمر به‌شست سالگی کشید. پیرانه سالی در رسید. قامت خم شد طاقت کم شد. دماغ ضعیف، جسم نحیف، روانی از طبیعت رفت، و تیزی از هوش، بینایی از چشم و شنوایی از گوش. ذوق بی‌ذوق. دندان بی‌زور. پا ناتوان، سر بی‌شور. موی سفید، دل نا امید[2]. زنگ و زنجیر از کمر وا کن، ایام آرایش فقیری رفت. زنجیر سر در پا کن، هنگام زینتِ قلندری گذشت".

نکته

"در معاش پاس مشهور کن و در معاد مراعات معقول. یعنی ظاهر را. مطابق باطن بیارا و باطن را موافق عقل نما. اگر یار در حرم جلوه گر است، مسلمان شدن هنر[3] است. مقصود دل اوست، از هر دری که برآید. و گر جلوهٔ او در دیر لاریب است، پس کافر شدن چه عیب است. منظور چشم اوست، از هرجا که رو نماید:

---

1. رامپور: بر طرف عاقلی است اگر عاقل نماند...
2. رامپور: نومید.
3. رامپور: موافق.

بـه دیـر و کعبه مـی‌گـردیم، گاه این‌جا و گاه آنجـا
که مطلب جستجوی اوست، خواه این‌جا و خواه آنجا

نصیحت درویشانه

"باید که عزلت گزینی و چندی تنها نشینی. سرمهٔ خفا در چشم کش و بر هیچ التفات مکن. نظر بر خدا دار، و هرگز با کسی ملاقات مکن. بسیار با مردمِ سر در هوا برخوردی، وقت آنست که مژگان برهم زدی و مردی. سر پیچ زدن تا کجا؟ غفلت را بگذار. اگر دقیقه فهمی سر ازین مضمون برآر:

دیده‌ام در علم صحبت‌های رنگین صد کتاب
کـرده‌ام یک مصـرعهٔ تنـها نشـینی انتـخـاب

نمی‌دانم که چه می سگالی، که سرِ زخم خود نمی‌مالی. بیش ازین سرگران هوا و هوس ممان. سر را از نشهٔ یادِ حق سبک گردان. نظر بر ریش سفید شانه کاری ننمایی. یعنی به‌فریب و تمنن با ماری نه نمایی، قصد خرق عادت نکنی. گاو در خرمن او نه بندی. چون خدا بستن خود را به‌خرّیت شهرهٔ شهر کردن است. ور بی‌اراده کرامتی ظاهر شود چون شجر شاخ بر دیوار نکنی، که ثمرهٔ آن شاخ از پشیمانی برآوردن، شاه‌اندازی را فقیران عیب می‌دانند، یعنی متکبّر و متغیر را آدمی نمی‌خوانند، وقتی که رخصت شد، با خود قرار داد که آینده جایی نروم، و روزی دوبار حاضر شوم.

یکی پدرم گفت که: "ای برادرِ عزیز! دماغ آخر می‌رود، یعنی هر روز ضعیف می‌شود. اگر صَرف حفظ قرآن شریف شود، چه طور است؟". التماس کرد که "خوب به‌خاطر گذشت". چنانچه در مدّت

یک و نیم سال مصحف مجید را یاد گرفتند.

نقل عجیب

روزی با هم نشسته بودند، و دور می‌کردند، که درویشی اسد الله نام، پیراهن نیلی در بر، و کلاه نمد بر سر، وارد شد. چون دوچار پدرم گشت، گفت که: "ای سیرابه پزِ کبود جامه! چرا سفرِ دور و دراز اختیار کردی، و شداید راهِ خوابیده بر خود هموار ساختی". آن عزیز دوید و در قدم افتاد. سرش در کنار گرفت، و قریب خود جا داد. عم من حیران این اختلاط شده پرسید که "این بزرگ کیست؟". گفتا: "آشنای قدیم منست". حیران‌تر شد، و التماس نمود که "برای رابطهٔ این چنین، ملاقاتِ بسیار شرط است. (من) که این مرد را گاهی ندیده‌ام". گفت که: "من و این مرید یک پیریم. در دو سال یک بار به‌خدمت ایشان حاضر می‌شد. یکی سوال کردم: "چه شود که آثار مرگ بر من ظاهر شود، تا به‌کار گور پردازم، و دل را به‌چیزی دیگر مشغول نسازم". ارشاد شد که "هرگاه این سیرابه پزِ کبود جامه را بینی، یقین بدانی که تا سال دیگر زنده نمانی". دانسته باش که فرصت عمرِ من بسیار کم است".

عمّ بزرگوار از استماع این کلمات، سخت متألّم شد و گفت: "ان‌شاء الله تعالی من این واقعه را نخواهم دید. یعنی آن روز در جهان نخواهم بود، و این غم نخواهم کشید". دمی که با آن تازه وارد سرِ حرف وا شد، نقل کرد که از چندی دکّان من نمی‌گردید، یعنی سیرابهٔ مرا کسی نمی‌خرید. شب می‌پختم و روز می‌انداختم، دم و دودی که داشتم، صرفِ خسارت شد، ناچار دل به‌دریا افگنده، لب

خشک و چشم تر بر خاک افتاده بودم، ناگاه خوابم درربود. دیدم که پیر[1] بر سر ایستاده است و می‌گوید که: "ای اسد الله! هرچند صعوبت سفر بسیار است و راه دور. امّا یک‌بار بر خوردنِ تو با علی متّقی ضرور. در میانِ من و او اشاره‌ایست، همین که تو خواهی رسید[2]، او خواهد فهمید. باید که زود بروی، و از کساد بازاری پریشان دل نشوی که چون ازانجا برگردی، دکانت آن‌چنان گردد که سیرابهٔ تو تبرّک گردد". برخاستم و دکّان را به‌شاگرد گذاشتم ونیم نان خشک به‌طریق زادِراه برداشتم. به‌اندک زمانی از جهانی به‌جهانی آمدم، یعنی از کبود جامه به‌اکبرآباد رسیدم، و ترا به‌مرادِ دلِ مشتاق دیدم. اکنون رفتنِ من به‌اختیار تست، هرگاه خواهی گفت، اندازِ آن طرف خواهم کرد".

پدرم متبسّم شد و گفت که "ای اسد الله! این همه به‌آهو سوار شدن از برای چه؟ سیرابه ضائع نمی‌شود، که این همه دست پا چه می‌شوی. از گردِ راه رسیده‌ای، رنج بی‌پایان کشیده‌ای. اگر مشتاق ما فقیران نه‌ای، چندی برای رفعِ ماندگیِ خود به‌مان. شتاب چیست؟ رخصت هم اتّفاق می‌شود". به‌غلامی اشارت رفت که فرشِ خوابش در حجرهٔ عمِّ من درست کند، و آب به‌دستِ او ریزد. حاصل که ساعتی از خود جدا نمی‌گذاست، و به‌دلجویی و مزاج‌گویی می‌داشت.

مسئلهٔ رویت

یکی آن مهمانِ عزیز سوال کرد که "در مسئلهٔ رویت تردّدی دارم.

---

1. رامپور: پدر.
2. باید «رسی» باشد.

خداخوانان دو جماعت‌اند، جماعتی بر آنست که روزی آن غیرتِ ماه را، چون بدرِ کامل، تماشا خواهیم کرد. عقیدهٔ جماعت دیگر این که ادراک آن آفتاب از بصر بشر امکان ندارد. فرمود که: "ما فقیران را هیچ تردّدی نیست. چون مقرّر شد که او عین عالم است، به‌هرجا که نظر افگنیم، او به‌نظر می‌آید. در هر که می‌نگریم، او رو می‌نماید. آن معنی به‌هر صورت جلوه‌گر است، و دیدارِ او به‌شرطِ نظر میسّر".

القصّه بعد یک هفته رخصت شد، و گلبانگ بر قدم زد.

حکایتِ جانسوز

صبح عید، عموی من، تبدیل رخت کرده، به‌مصلّی رفت. از آنجا که آمد، در سینه‌اش دردی ظاهر شد، به‌شدّتی که رنگِ رویش شکست، و قرار از دل رخت بست. والدِ مرا طلبید، و گفت: "دردی دارم که به‌کمال بی‌دردیست. یافته‌ام که این درد عاقبت[1] ندارد. و خفگی به‌مرتبه‌ایست که نفس تنگی می‌کند. غالباً جانِ ناتوان طاقت ندارد. عبایی را از تنِ من بکشید که خوش نمی‌آید. کُلاهم دور بیندازید که بر سر گرانی می‌نماید. جانم ناتوان است. بیماری[2] من گران است. چون شام شد، آن درد عام شد. شورِ آه آهش بلند گشت. همگی یک دلِ دردمند گشت. دمی که به‌ضبط پرداختی، خود را غنچه ساختی. گهی که از درد نالان شدی، چون گل پریشان شدی. وقتی که دلش بسیار گرفتی، آهِ آتشناک کشیدی. دودِ جگر، که کباب گذشته بود، به‌آسمان رسیدی. اگر سخن راندی، این رباعی خواندی. لمصنّفه:

---

1. رامپور: عافیت.
2. رامپور: یار.

وقت است که رو به‌مرگ یکباره کنیم
آن درد نداریم که ما چاره کنیم

بیماریِ صعبِ عشق دارد دلِ ما
گر جامه گذاریم، کفن پاره کنیم[1]

چون پاسی از شب گذشت، کار از بی‌طاقتی برو تنگ شد. با پیر گفت که : "آخر دلِ سختی کشیدهٔ من کبابِ سنگ شد، تو خود آگاهِ راز این میخانه ای. اگر ته شیشه از عمرِ من باقی مانده باشد، به‌کسی دیگری بده، که درد نوشی به‌این دردْ کشیدن جگری می‌خواهد. من ازین جانِ شیرین تلخی مرگ را صد مرتبه گواراتر می‌بینم. توجهی کن که آسان به‌میرم. بخشای که آرام بگیرم". آخر شب، کلاهِ شب[2] پوش را به‌من بخشید، و چشم از غلبهٔ ناتوانی بپوشید. دمی‌که شب شکست، یعنی سفیدهٔ صبح دمید، جانِ المناکِ او بر لب رسید. مؤذّنِ مسجد «الله اکبر» گفت، آن بیمارِ شب زنده‌دار، بخفت. یعنی دست بر دل نهاد، و جان به‌جان آفرین داد.

پیر او دستار بر زمین زد، و گریبان درید، و ازین واقعهٔ جانکاه الفها بر سینه برید. مریدانش خاک برسر، و داغ بر جگر با صد پریشانی، چنانکه می‌دانی، به‌رسمیات مردهٔ او پرداختند، و جنازهٔ آن دردمند را درست ساختند:

عشق دردی بی‌دوایی بوده است
بهر جان و دل، بلایی بوده است

---

1. رامپور: بیت دوم در نسخهٔ رامپور نقل نشده است.
2. رامپور: سیه.

هرگاه برای نماز استادند، اکثری بر خاک افتادند، پدرم گفت که "ای ناواقفِ! پاسِ آشنایی، دیر معلوم شد که بی‌وفایی. آن‌چنان گرم رفتی که سینهٔ مرا تفتی. یاران این چنین نمی‌روند، غم‌خواران بی‌مروت نمی‌شوند:

چـه شد آن وفا و عهدی، که تو وعده‌ها نمودی
به‌تو من چه گفته بودم، تو به‌من چه گفته بودی!"

بزرگان دوش بر تابوت گذاشتند یعنی به‌عزت تمامش برداشتند. آهِ همه به‌رسم عَلَمِ مردگان پیش پیش روان. معتقدانش سیلاب سیلاب سرشک افشان. مردهٔ او را بیرون شهر بردند و به‌گوشهٔ باغی به‌خاک سپردند. گل‌ها افشاندند، فاتحه خواندند. ملامتِ بی‌حد کشیدند، چاره‌ای جز صبر ندیدند.

روز سوّم که عزیزان شهر برای فاتحه آمدند، پدرم گفت: "کسی که این چنین عزیزش مرده باشد اگر او را «عزیز مرده» گویند می‌اُفتد. از امروز مرا، «عزیز مرده» می‌گفته باشند. چنانچه در شهر به‌همین لقب شهرت گرفت. روزی صد بار گریستی. به‌حالِ مردگان زیستی. من که بغل پروردهٔ او بودم، حوائجِ خود را به‌او می‌گفتم، با او می‌خوردم، با او می‌خفتم، روزها یاد می‌کردم، شب‌ها ناله و[1] فریاد می‌کردم. درویش «عزیز مرده» به‌دلجویی می‌پرداخت، و به‌هیچ وجه آزرده دلم نمی‌ساخت. گاه می‌گفت که: "ای پسر! من ترا بسیار می‌خواهم، امّا ازین غم می‌کاهم که من نیز بر سرِ راهم"، گاه می‌گفت که: "ماهِ من! نه طفلِ هاله‌ای، الحمد لله که ده ساله ای. چه به‌کاهش

---

1. از نسخهٔ رامپور اضافه شد.

اُفتاده‌ای، آخر درویش زاده‌ای. دل را قوی دار، خود را به‌خدا سپار. شاد بزی، و خوش به‌مان. مرا طرح کشِ خود بدان. جانِ من! مگر طفلِ شیری که هر زمان دلگیری؟ اندیشهٔ خود را چرا داری، وارثی چون خدا داری. رفتگان باز نمی‌آیند. گذشتگان رو نمی‌نمایند. ای پسر! دنیا درگذر است، وهرکرا می‌بینی، در جناحِ سفر. نه پنداری که جای بودنت جهان است[1]. این قرار دادهٔ مجلسِ روان است. حاضران رفته‌اند. نشستگان گذشته‌اند. غنچه پیشانی مشو، چون گل شگفته رو می‌باش. بهار این چمن[2] رفتنی است؛ به‌عبث دل مخراش، مقامر[3] خانهٔ آفاق را چنین ساخته‌اند که درو چون تو بسیاری دل باخته‌اند. تا واقف راه و رسمِ این‌جا نشوی، زینهار که این راه نروی. در حریفانِ سخت‌باز و طرّار مثلی‌ست «قمار و راه قمار[4]» هر روز ازین قسم سخن کردی، و به‌ناز تمام پروردی.

نقل است: روزی به‌تلخ کامی تمام، حلوای مرگ قسمت می‌کرد، که جوانی سرو اندام، احمد بیگ نام، شکّری رنگ، دانهٔ چند شکر انگور بردست گذاشته، نذر گذرانید، و گفت: "تازه از ولایت آمده‌ام، و ارادهٔ حج دارم. چون واردِ شهر شدم، آوازهٔ درویشیِ تو شنیدم. مشتاق شده به‌خدمت سامی تو رسیدم". گفت: "مگر نشنیده‌ای؟:

چرا به‌پای خود ای کعبه رو، نمی‌اُفتی
همان تویی، که به‌فرسنگ می‌نمایندت

---

1. رامپور: در جناح سفر نه پنداری که جای بودنست.
2. رامپور: غنچه.
3. رامپور: مقامر.
4. رامپور: خمار.

اولاً خود را دریاب، آن‌گاه به‌راه کعبه شتاب. کعبه عبارت از دل‌های خستهٔ درویشان است، و مقصود دست و بغل به‌این جگر ریشان. اگر دلِ ایشان به‌دست آید، کعبهٔ مراد بی‌سعی رو می‌نماید. ازینجاست که کسی گفته رفته است:

ز کعبه آیم و رشک آیدم ز خون‌نابی
که از زیارتِ دل‌های خسته می‌آید

دلِ درویشان جایی خوش است. این ویرانه را هوایی خوش است. دل را منزل آن ماه می‌گویند مقصود از همین در می‌جویند. سالکی به‌طوافِ کعبه رفته بود، کسی را دران خانه ندید، با دلِ پُر آرزو ناکام برگردید، در همان حال گفت:

کعبه را دیدم، دلم از دردِ تنهایی گداخت
مجلس آرایی که مارا خواند، خود مهمانِ کیست؟

آن‌چه تو می‌گویی، محرمِ حَرم نیز همین گوید. کسی را که تو می‌جویی، کعبه هم او را می‌جوید:

هرکرا دیدم، چو من گم گشتهٔ تحقیق بود
کعبه را هم بی‌تکلّف در بیابان یافتم

گِرد دل‌های به‌گرد، که طوافِ حرم همین است. بلاگردان خود شو، که مطلبِ عمده اینست. وجودِ غیر موجود نیست، و کسی بی‌او مشهود نی[1]:

• گفتم به‌حرم، محرمِ این خانه کدام است؟
آهسته به‌من گفت که بی‌گانه کدام است؟

---

1. رامپور: نی.

مرا بر جوانی تو رحم می‌آید، که رنج‌ها خواهی کشید، و به‌مطلب نخواهی رسید. سخن درویشان بگوشِ جان بشنو. چندی فروکش کن، و ازین‌جا مرو. جوان چون روی دل از درویش دید، سر را از فرمان نه پیچید. یعنی رحلِ اقامت انداخت، و به‌ریاضتِ شاقّه[1] پرداخت. ذهنِ سلیمی داشت. کسب کرد و در مدّت هفت ماه به‌مرتبهٔ کمال رسید. پیری به‌این خوبی، جوانی به‌این محبوبی. پیری به‌این حالت، جوانی به‌این کیفیت[2]، پیری به‌این کمال، جوانی به‌این حال، پیری به‌این عنایت، جوانی به‌این ارادت، پیری به‌این نظر، جوانی به‌این اثر دیدهٔ روزگار کم دیده، و گوشِ جهانیان کم شنیده. روز و شب چون شکر و شیر، یعنی صحبت بسیار در گیر. پیر را دمی نمی‌گذاشت. به «جوان عزیز» شهرت داشت. اتفاقاً زر توفیقی از جایی به‌دست پیر آمد، جوان را گفت که "برین متصرّف شو، و به‌سفر حجاز برو". بعد از نماز صبح، زیر پیچ دستار و سجّادهٔ محرابی عنایت کرد، و رخصتش نمود.

حکایت جانکاه

روزی درویش «عزیز مرده» برای عیادتِ همشیرزادهٔ برادر عزیز که محمّد باعث نام داشت، عارف عالم فاضل متصوّفِ کامل بود، به«عالم گنج» که محلّه‌ایست مشهور از اکبرآباد، در آفتابِ گرم رفت. چون شام به‌روز سیاهی زدن آغاز کرد، از آنجا به‌انداز خانه روان شد. عشایین را در مسجدِ خود آمده، ادا نمود. هرگاه بر فرش خواب

---

1. رامپور: ندارد.
2. رامپور: ارادت.

• رفت و من حاضر شدم، گفت: "ای پسر! حرارتِ آفتاب در مزاج من تاثیری کرده است. صداعی دارم. از آثار معلوم می‌شود که تَب خواهم کرد. "غذای شب نخورد و خوابید. صبح که برخاست تبی به‌شدّت داشت. طبیبی ابوالفتح نام، (که) معالج قدیم او بود، آمد، و تَبرید کرد. تسکین نیافت. مبالغه در مُبرّدات فوق‌الحد نمود، سودمند نیفتاد. تبِ درویش بندی شد، یعنی هر روز شام می‌آمد و تمام شب می‌ماند. برای تب بستن تدبیرهای بیشمار می‌کردند، امّا از هیچ یکی این عقدهٔ سخت کشاده نشد. پس از ماهی مشخّص گردید که این تَب مُتشبّث به‌قلب است. و استخوانی شده است. یعنی این درویشِ نحیف که مشتِ استخوانی بیش نیست، مبتلای رنج باریک است. به‌من گفت که: "ای پسر! جانِ من صرفِ نیاز است، و جسمم وقف گداز. رغبتی با غذایم نیست، اگر می‌خورم گرانی می‌کند. دوایی که صبح طبیب می‌دهد، تا صبح دیگر کفایت است. می‌خواهم که تا به‌میرم ترکِ غذا بگیرم. پنج شش دسته‌های نرگس از بازار به‌طلب، که به‌شرط حیات گاه گاه بو کرده آید". به‌موجب ارشاد طلب داشتم، و پیشِ او برابر گذاشتم. هرگاه چشم می‌کشاد، دسته به‌دست گرفته، بو می‌کرد و می‌گفت: "الحمد لله که سیر شدم". چون به‌ترک غذا پرداخت، ما بی‌کسان را، از خود نا اُمید ساخت. طاقت[1] از دست و پا رفت، کارِ ناتوانی بالا رفت، سخن بسیار کم راندی. نماز به‌اشارت • خواندی. بیست و یکم رجب[2]، حکیم به‌عادت قدیم، کاسهٔ تبرید

---

1. از این‌جا تا سجّاده‌نشینان در رامپور افتادگی دارد.
2. یعنی در سال 1146 ه‍/ 27 دسامبر 1733 میلادی.

آورد. درویش اَبرو تُرش کرد و نخورد، و آن کاسهٔ دوا را بر زمین زده گفت که: "ای مرده شو برده! تاثیرِ دوا از روزِ اوّل ظاهر بود، من پاسِ تو می‌کردم که می‌خوردم، افسوس که نفهمیدی. برو دست از من بدار. ناقباحت فهمی مرضی است که علاج ندارد".

• آن‌گاه حافظ محمّد حسن برادرِ کلانِ مرا، که برادر اندر بود، طلب نمود، و فرمود که "من فقیرم و هیچ ندارم. مگر سه صد جلدِ کتاب. روبروی من بیارید و حصّهٔ برادرانه کرده بگیرید" او التماس کرد که "من طالبِ علمم. کرمِ این کار مرا بیشتر است، و این برادران ربطی به‌کتاب ندارند، کناره‌های اوراق چیده خواهد شد. یکی کاغذِ باد خواهد ساخت، یکی در آب خواهد انداخت. اگر پیشِ من امانت
• گذارند، خوب است. وگرنه مختاراند. پدر از مزاج ناساز او خبر بود. شانه گیر شد و گفت: "چه شد که ترکِ لباس کرده‌ای، لیکن کج پلاسی تو هنوز نرفته است. می‌خواهی که طفلانِ بیچاره را بازی دهی، و پس از مرگ (من) دل به‌خرابی ایشان نهی. دانسته باش که حق تعالی غیور است، و غیور را دوست میدارد. غالب که میر محمّد تقی دست نگرِ تو نشود. اگر به‌نوعِ دیگر پیش خواهی آمد، کاسه بر سرت خواهد شکست و نقشِ عزّتِ تو پیش این بابا نخواهد نشست. خواهی دید، اگر به‌مراد خواهی رسید، برای یک جلدِ کتاب پوستِ تو خواهد کشید. کم کاسه شایستهٔ بی‌اعتباری است. بخل و حسد دلیلِ ذلّت و خواری است. خوب است، کتاب‌ها را ببر، و نگاهدار".

پس آن‌گاه روی سخن به‌من کرد، گفت که: "ای پسر! قرضدار سه صد روپیهٔ بدّالانِ بازارم. امید که تا ادا نکنی، مردهٔ مرا بر نداری، که من سکّه درست مردی بودم، و در همه عمر دغابازی نه نموده‌ام".

عرض کردم که "غیر از جلدهای کتاب، دم و پوستی به‌نظر نمی‌آید. آن‌ها را به‌برادرِ کلان سپردید. ادای قرض چسان توانم کرد؟". چشم پر آب نمود و گفت: "خدا کریم است. دل تنگ نباید شد. کاغذِ زر در راه است. قریب می‌رسد. می‌خواستم که تا رسیدنِ زر زنده بمانم، امّا فرصتِ عمر کم است، ماندن نمی‌توانم". در حقّ من دعا کرد، و حوالت با خدا کرد. ساعتی نفَس شمرد، آخر حساب سپرد.

بی‌مروّتی برادر

درویش چون چشم پوشید، جهان در چشمِ من سیاه گردید. حادثهٔ عظیمی رو داد. آسمان بر من بیفتاد. دریا دریا گریستم، لنگر از کف دادم. سر را بر سنگ زدم، بر خاک افتادم. کل کل بسیار شد. قیامت پدیدار شد. برادرِ کلانِ من، ترکِ مردم داری گرفت، و بی‌چشم و رویی اختیار نمود. دید که پدر آستینِ کهنه داشت و به بی‌کسی جامه گذاشت قرض خواهان دامن‌گیر من خواهند شد، پهلو تهی کرد و گفت: "کسانی که هم‌گیرِ ناز و نعم بودند، آنها دانند و کارِ آنها من در حیات پدر دخیل کاری نگشتم، از وقف اولادی هم گذشتم. سجّاده‌نشینان او سلامت باشند. سر را می‌شکنند، و جبه را می‌خراشند، آن‌چه مصلحتِ وقت خواهد بود، خواهند نمود".

من که تازه بی‌کس شده بودم، چون سخنانِ بی‌ته او را شنودم، غم و غصّه بسیاری خوردم. التجا به‌او نبردم. کمر را محکم بستم. نظر برخدا نشستم. بدّالان بازار دو صد روپیه دیگر آوردند و سماجت از حدّ بردند. پاسِ وصیت درویش بود، قبول نکردم. همه را به‌زبان داشتم یعنی ملول نکردم.

در همین حال، آدمِ سیّد مکمّل خان، که مرید عمّ بزرگوار من بود، با هندوی پانصد روپیه تازه سکّه رسید، و در درد شریکِ من گردید. سه صد روپیه به‌قرض‌خواهان داده، فارغ خطّی گرفتم، و بصد روپیه درویش را برداشته بردم، و در پهلوی پیرِ او به‌خاک در آوردم.

حقیقت من دل‌ریش بعدِ واقعهٔ درویش

بی‌مروتی‌های آسمان را دیدم. ستم‌هایِ روزگار (را) کشیدم. نی نی[1]، گناهِ فلک و جرمِ زمانه چیست. منْ ستاره نداشتم، که سایهٔ چنین آفتابی از سر من رفت. هرچه کرد، طالعِ من کرد. غیر از دستِ خود بر سر خود نیافتم، یعنی کسی را سایه گستر نیافتم. خانمان بر سر غربت نهادم، زینهار بر در کس نه‌ایستادم. لبم به‌حرف طلب آشنا نگردید، چشم من به‌هیچ چیز ندوید. سایهٔ دست کسی نگرفتم، و سردستی به‌من کسی نگرفت یعنی خدای کریم مرا شرمندهٔ احسانِ کسی نکرد و دست نگرِ برادر که سر به‌سرِ من داشت، نساخت، نقلِ ماتم درویش قسمت ساختم، کار را به‌لطفِ خداوند انداختم. دمِ خود را به‌برادرِ خورد سپرده، به‌تلاشِ روزگار در اطرافِ شهر استخوان شکستم، لیکن طرفی نه‌بستم. یعنی چارهٔ کار در وطن نیافتم، ناچار به‌غربت شتافتم. رنجِ راه بر خود هموار[2] کردم، شداید سفر اختیار[3] کردم. به‌شاهجهان‌آباد دهلی رسیدم. بسیار گردیدم، شفیقی ندیدم.

---

1. رامپور ندارد.
2. رامپور: اختیار.
3. رامپور: هموار.

• خواجه محمّد باسط که برادرزادهٔ صمصام‌الدّوله امیرالامرا بود، عنایتی به‌حال من کرد وپیشِ نوّاب برد. چون مرا دید، پرسید که "این پسر از کیست؟" گفت: "از میر محمّد علی است". فرمود: "از آمدنِ این پیداست که ایشان از جهان رفته باشند". پس از افسوسِ بسیار سخن زد که "آن مرد بر من حق‌ها داشت. یک روپیه روز از سرکارِ من به‌این پسر می‌داده باشند". التماس نمودم: "اگر نوّاب لطف می‌فرماید، دستخط کرده بدهد که جای سخنِ متصدّیان نماند". التماسی که نوشته بودم، از کیسه بر آوردم. ناگاه از زبانِ خواجهٔ مذکور برآمد که: "وقت قلمدان نیست". چون این سخن شنیدم، به‌قاه قاه خندیدم، نوّاب در روی من دید و سببِ خنده پرسید. عرض نمودم که: "این عبارت را نفهمیدم. اگر ایشان می‌گفتند قلمدان بردار حاضر نیست، این حرف گنجایش داشت، یا آن‌که وقتِ دستخطِ نوّاب نیست، بابتی بود "وقتِ قلمدان نیست" انشای[1] تازه است. قلمدان چوبی بیش نمی‌باشد، وقت و غیرِ وقت نمی‌داند، به‌هر نفری که اشارت رود، برداشته بیارد" نواب به‌خنده درآمد و گفت که "معقول می‌گوید". غرض تکلیفِ مرا بر خاک نیفگنده، قلمدان طلبید، و آن التماس به‌شرف دستخط رسید. روزِ دربارِ بادشاه بود، کمر بسته • به‌ایستاد، به‌عنایتِ تمامم میان داد. تا عهدی‌که نادر شاه بر محمّد شاه که حالا به «فردوس آرامگاه» ملقّب است، مسلّط شد، و نوّابِ مذکور به‌سبب پیش جنگی کشته افتاد، آن روزینه می‌یافتم. نان و نمک می‌خوردم، و بسر می‌بردم.

---

1. رامپور: عبارت.

بعدِ این انقلاب باز روزگارِ سنگین دل، کار را بر من تنگ گرفت. کسانی‌که پیشِ درویش خاک پای مرا کُحلِ بصر می‌ساختند، یک‌بار از نظرم انداختند. ناچار بارِ دیگر به‌دهلی رسیدم، و منّت‌های • بی‌منتهای خالوی برادرِ کلان که سراج‌الدین علی خانِ آرزو باشد، کشیدم. یعنی چندی پیشِ او ماندم، و کتابی چند از یاران شهر خواندم. چون قابل این شدم که مخاطَبِ صحیح کسی می‌توانم شد، نوشتهٔ اخوان پناه رسید که "میر محمّد تقی فتنهٔ روزگار است، زینهار به‌تربیتِ او نباید پرداخت و در پردهٔ دوستی کارش باید ساخت". آن عزیز دنیا دارِ واقعی بود، نظر بر خصومتِ همشیر زادهٔ خود، بدِ من اندیشید[1]. اگر دوچار می‌شدم چار چار[2] می‌زد، وگر اعراض می‌کردم، نواخوانی می‌نمود. هر روز چشمش بدنبالِ من می‌بود. اکثر سلوکِ مدّعیانه می‌کرد. چه بیان کنم که ازو چه دیدم، چه گویم که چه حالت کشیدم. هرچند پنبه دهانی اختیار می‌کردم، او از حلاّجی دست برنمی‌داشت. با صد هزار احتیاج یک روپیه ازو نمی‌خواستم، امّا سلاّخی نمی‌گذاشت. خصمی او را اگر به‌تفصیل بیان کرده آید، دفتری جداگانه می‌باید. خاطرِ گرفتهٔ من گرفته تر شد، سودا کردم. در حجره‌ای که می‌بودم، درش می‌بستم، و به‌این کثرتِ غم تنها می‌نشستم. چون ماه بر می‌آمد، قیامت برسر می‌آمد. هرچند ازان هنگام، که دایه‌ام دم رو شستن «ماه ماه» می‌گفت و من به‌سوی آسمان می‌دیدم، نظری به‌ماه می‌داشتم، لیکن نه به‌این مرتبه که کارم

---

1. رامپور: بدامن کشید.
2. رامپور: خار خار.

به‌دیوانگی کشد، وحشت به‌جایی رسد که درِ حجرهٔ من به‌اندیشه باز کنند و از صحبتم احتزاز نمایند.

نقل تحفه

در شب ماه پیکری خوش صورت، با کمال خوبی، از جَرم قمر انداز طرفِ من می‌کرد و موجب بی‌خودی می‌شد. به‌هر طرف که چشمم می‌اُفتاد، بران رشکِ پری می‌اُفتاد. به‌هرجاکه نگاه می‌کردم، تماشای آن غیرتِ حور می‌کردم. در و بام و صحنِ خانهٔ من ورقِ تصویر شده بود، یعنی آن[1] حیرت افزا از شش جهت رو می‌نمود. گاهی چون ماهِ چهار ده مقابل. گاهی سیرگاهِ او منزل دل. اگر نظر بر گلِ مهتاب می‌اُفتاد[2]، آتشی در جانِ بی‌تاب می‌اُفتاد. هر شب با او صحبت، هر صبح بی‌او وحشت. دمی‌که سفیدهٔ صبح می‌دمید، از دل گرم آه سرد می‌کشید، یعنی آه می‌کرد، و اندازِ ماه می‌کرد. تمام روز جنون می‌کردم، دل در یادِ او خون می‌کردم. کف بر لب، چون دیوانه و مست. پاره‌های سنگ در دست من اُفتان و خیزان، مردم از من گریزان. تا چار ماه آن گلِ شب افروز، رنگ تازه می‌ریخت، و از فتنه خرامی‌ها قیامت می‌انگیخت. ناگاه موسم گل رسید. داغِ سودا سیاه‌تر گردید. یعنی چون پریدار شدم، مطلق از کار شدم. صورتِ آن شکلِ وهمی در نظر. خیالِ زلفِ مشکینش در سر. شایستهٔ کناره‌گیری شدم. زندانی و زنجیری شدم.

---

1. رامپور: آثار.
2. رامپور این جمله ندارد.

همسرِ[1] فخرالدّین خان که مریدِ درویش بود و قرابتِ قریبه داشت. زر بسیاری خرج نمود. پری‌خوانان افسون دمیدند. طبیبان خون کشیدند. تدبیرِ اطبّا سودمند اُفتاد. پاییز آمد، و بهار ریخت، سلسلهٔ جنون از هم گسیخت. نقشی که وهم بسته بود، از صفحهٔ خاطر محو شد. درسی که از جنون خوانده بودم، فراموش گشت. لب با سکوت مالوف شد، پریشان گویی موقوف شد. ترطیب دماغ کردند، خواب افزود، طاقتِ رفته باز رو نمود. یعنی به‌حال آمدم، و بدخوابی رفت. از پیش نظرِ آن چهرهٔ مهتابی رفت. پس از چندی رو به‌صحتِ کامل آوردم، و شروع بخوانّدن ترسل کردم.

میر جعفر عظیم‌آبادی

نقل

روزی بر سر بازار، جزءِ کتابی در دست نشسته بودم. جوانی میر جعفر نام، ازان راه گذشت، نظرش بر من افتاد، و تشریف آورد. بعد از ساعتی گفت که "ای عزیز! دریافته می‌شود که ذوقِ خواندن داری. من هم کشتهٔ کتابم، امّا مخاطبی نمی‌یابم. اگر شوقِ کاملی داشته باشی چندی می‌رسیده[2] باشم". گفتم: "دستی ندارم که خدمتی از من بیاید. اگر البتّه این رنج برخود گوارا کنی عینِ بنده‌نوازی است". گفتا: "این‌قدر هست که اگر ته پا تا نباشد پا بیرون نمی‌گذارم". گفتم: "خدای کریم آسان خواهد کرد، اگرچه من هم چیزی ندارم". پا ورق‌های آن نسخهٔ درهم را مطابقِ سر صفحه‌های آینده کرده داد و

---

1. رامپور: همشیره.
2. رامپور: پرسیده.

رفت. از آن روز اکثر ملاقات آن ملک سیرت و آدم صوت، اتّفاق می‌افتاد، و به‌لطف نهایتم زبان می‌داد. یعنی دماغِ خود می‌سوخت و مرا چیزی می‌آموخت. تا مقدور من نیز بالشِ نرم زیرِ سر اُو می‌گذاشتم یعنی صَرفِ اُو بود آن‌چه میسّر داشتم. ناگاه خطّی از وطنِ او، که عظیم‌آباد بود، رسید، و آن مرد رختِ خود، کام و ناکام، به‌آن صوب کشید.

سعادت امروهوی

بعد از چندی[1]، با سعادت علی نام سیّدی، که از امروهه بود، برخوردم. آن عزیز، مرا تکلیفِ موزون کردنِ ریخته که شعری‌ست به‌طور شعر فارسی به‌زبان اردوی معلای بادشاه[2] هندستان و در آن وقت رواج داشت، کرد. خودکشی کردم و مشقِ خود به‌مرتبه‌ای رسانیدم که موزونانِ شهر را مستند[3] شدم. شعرِ من در تمام شهر دوید و به‌گوشِ خورد و بزرگ رسید.

یک روز، خالوی کذایی، بر طعامم طلبید، تلخی ازو شنیدم، بی‌مزه شدم. دست در طعام ناکرده برخاستم. چون پای چراغی نداشتم، شام از خانهٔ او بر آمده راهِ مسجد جامع پیش گرفتم. اتّفاقاً راه غلط شد. بر حوض قاضی که آبگیر خوردی نزدیک به‌حویلی وزیر الممالک اعتمادالدّوله واقع است، رسیدم، و آب کشیدم. آنجا علیم الله نام شخصی پیش آمد و گفت که "شما میر محمّد تقی میر

---

1. رامپور: چندگاه.
2. رامپور: بادشاهان.
3. رامپور: مستفید.

نباشید؟" گفتم: "از چه شناختی؟". گفتا: "طورِ سودائیانهٔ شما مشهور
• است. رعایت خان که پسر عظیم الله خان، یزنهٔ اعتمادالدّوله قمرالدّین خان باشد از روزی که زادهٔ طبع نکته‌انگیز به‌او رسیده است، اشتیاقِ ملاقات بیش از بیش دارد. اگر به‌دست من او را دیده شود، سبب مجرایی من گردد". رفتم و دیدم. آدمیانه بر خورد و باخود رفیقم کرد. تمتّعی از و بستم. و از قیدِ تنگ‌دستی رستم.

• هنگامی‌که شاهِ درّانی به‌لاهور آمد و شاهنواز خان، پسرِ زکریّا خان، که صوبیدارِ آنجا بود، گریخت، وزیر و صفدر جنگ و ایشر سنگه، پسرِ راجا جی‌سنگه، که زمیندارِ کلانی بود، بادشاهزاده احمد شاه را با خود گرفته به‌جنگ او بر آمدند. آن طرفِ سرهند به‌وزیر گوله‌ای رسید، و زمیندارِ مذکور پسِ خم زد، صفدر جنگ و معین‌الملک که پسرِ وزیرِ شهید باشد، احمد شاه را سوار کرده، جنگِ افغانان زدند. من درین سفر با خان مسطور بودم، و خدمت‌ها می‌نمودم. هرگاه شکست فاحشی بر لشکرِ افغانان افتاد، و گریخت، معین‌الملک ناظمِ لاهور شد. خانِ مذکور چون عضو از جا رفته، ترکِ رفاقتِ او گرفته، با صفدر جنگ روانهٔ شهر شد.

قریبِ پانی‌پت، که شهریست مشهور، چهل کروهی شاهجهان‌آباد،
• خبر رسید که محمّد شاه به‌آن جهان خرامید. عالمی لکدِ روزگار خورد. صفدر جنگ لکد برابر زده، چتر و تخت پیشِ احمد شاه آورد. نوبتِ سلطنت به‌او رسید. با کرّ و فر تمام داخلِ شهر شد. این‌جا جاوید خان، که خواجه سرای باشادهِ مرحوم بود، به‌خطابِ «نوّاب بهادر» مخاطب گشت. و اختیارِ سلطنت به‌دستِ او افتاد:

هـر روز اخـتیار جـهان پیـش دیگـریست
دولت مگر گداست، که هر روز بر دریست

وقتی‌که نظام‌الملک آصف جاه در دکّن فوت گشت، منصبِ وزارت به‌صفدر جنگ رسید، و سادات خان ذوالفقار جنگ به‌بخشی‌گری سرفراز گردید. امارت وزیر حال به‌جایی رسید که یال و کوپال او را شاه هم نداشت. بخشی حال، راجا بخت‌سنگه را، که زمیندارِ[1] کلان کارِ نام گرفته بود، و برادرِ کلانش، ابه سنگه، ریاستِ جودهپور داشت، نیابتِ صوبهٔ اجمیر داده، بر روی او دوانید. راجهٔ مذکور خان را سردارِ فوج نمود، با خود برد. در ظاهرِ سانبهر که قصبه‌ایست معروف، بیست کروه این طرفِ اجمیر، هر دو لشکر طرف شدند، و جنگِ توپخانه به‌میان آمد. مردمانِ طرفِ ثانی پاسِ نمک نکرده، چون غیرت به‌حرامان، یک روز هم تن ندادند. تا به‌جان دادن چه رسد! ناچار رئیسِ آن‌طرف ملهار را، که در سرداران دکّن نام برآورده مردی بود، در میان داده سر به‌سر کرد و رفت. من پس از • صلح، برای حصولِ سعادتِ زیارتِ درگاهِ فلک اشتباهِ خواجهٔ بزرگ رفتم، و سیرِ آن نواحی کرده برگشتم.

این‌جا در امری زبانبازی به‌میان آمد. راجا بخت‌سنگه ابرو ترش کرد. صحبتِ خان و او فزونی شد. ستّار قلی خان کشمیری که صورت‌بازی بیش نبود، برو صد دهن خواند. کار به‌نزاع کشید. خان صرفهٔ خود ندیده مرا فرستاد و عذرِ ده زبانی خواست. رفتم، و از جانبِ او مصحف خوراندم که آینده چنین نخواهد شد. امّا دلش آبی

---

1. رامپور: راجه.

نخورد و صرفه نداد. زرِ تنخواهِ مردمانِ رساله همگی فرستاد، و خیرباد کرد. باری به‌خیر گذشت. خان از آن‌جا واسوخته[1] به‌شهر آمد و چندی درخانه نشست.

نقل

شبِ ماه بر مهتابی پسرِ خواننده‌ای رو به‌روی خان نشسته بود و می‌خواند. چون مرا دید گفت که "میر صاحب، دو سه شعرِ ریختهٔ خود به‌این بیاموزید که این طفل در بستهٔ به‌کار درست کرده بخواند". گفتم که "من نقشِ این کار ندارم". گفت: "شما را به‌سرِ من!" چون پای تبعیت در میان بود، ناچار حکمِ او کشیدم و چهار پنج شعرِ ریخته به‌او آموختم. امّا بسیار بر طبعِ نازکِ من گران آمد. آخر بعد از دو سه روز، خانه‌نشین گشتم. هر چند لطف فرمود، نرفتم. و ترکِ آن روزگار گرفتم. مروّت ذاتی آن مرد نگذاشت که فقیر را ناکام گذارد. برادرم میر محمّد رضی را، نظر به‌رفاقتِ من، اسپ از خانهٔ خود داد و نوکر کرد. چون پس از مدّتِ مدید رفته ملاقات نمودم عذر بسیاری نمود. گفتم: "گذشته را صلواة".

هرگاه چندی برین گذشت تلاشِ روزگار به‌خانهٔ نوّاب بهادر • کردم، و نوکر شدم. اسد یار خان بخشی فوجِ او، احوالِ مرا نقل کرده، اسپ و تکلیفِ نوکری معاف کنانید، پاسِ من از حدّ بیشتر می‌کرد، «پهلو» می‌داد. خدایش خیر دهاد.

• ایّامی‌که قایم خان پسرِ محمّد[2] خان بنگش به‌جنگ روهیله‌ها

---

1. رامپور: دل سوخته.
2. رامپور: احمد.

کشته شد، و صفدر جنگ برای ضبط کردنِ خانه او رفت، من به‌تقریبی رخصت گرفته با اسحق خان نجم‌الدّوله، جهتِ سیر آن طرف رفتم. چون با احمد خان برادرِ خوردِ قایم خان، جنگ عظیم رو داد، فوج وزیر شکست خورد، و اسحاق خان کشته افتاد. به‌آن • لشکرِ شکست خورده، باز به‌شهر رسیدم، و تصدیع بی‌حد کشیدم. وزیر بارِ دیگر لشکر کشید، و افغانان را مغلوب ساخته، به‌تسلط تمام • در حضور آمد.

در حینی که ذوالفقار جنگ میر بخشی به‌سبب خصومتِ نوّاب بهادر از پایهٔ خود افتاد، و نوبتِ امیرالامرایی به‌غازی‌الدّین خان فیروز جنگ، پسرِ آصف جاه رسید، او برای نظم و نسقِ صوبهٔ دکّن رفت، • و در راه هیضه کرده در گذشت. خلعت بخشی‌گری عمادالملک پسرش پوشید. بنده ترکِ ملاقات عزیزان گرفته، به‌خواندنِ مطوّل مشغول شدم.

• موسمی که صفدر جنگ، نوّاب بهادر را به‌دغا کشت، روزگارِ عالمی برهم خورد. من نیز بیکار شدم. مها نراین دیوانِ وزیر، به‌دست • داروغهٔ دیوان خانهٔ[1] خود، میر نجم‌الدّین علی سلام تخلّص که پسر میر شرف‌الدّین علی پیام بود، چیزی فرستاد، و به‌اشتیاقِ بسیار[2] مرا طلبید. دست در دامنِ پهلو دارِ او زدم، و چند ماه به‌فراغت گذرانیدم.

هنوز خونِ خواجه سرای مظلوم نخوابیده بود، که روزگار سر پای زده فتنهٔ عجیبی را از خواب بیدار ساخت، و طرحِ هنگامهٔ

---

1. رامپور: توپخانه.
2. رامپور: بیش از بیش.

عظیمی انداخت. یعنی وزیر را توهّمی پیدا شد، سر از فرمانِ بادشاه پیچید. هرچند به‌درِ صلح زدند، امّا سر از غرورِ ثروت فرود نیاورد، ناچار بادشاه از پی او رسن تابید. آخر از شهر بر آمده، آمادهٔ جنگِ • خداوند نعمت شد. این‌جا عمادالملک نبیرهٔ آصف جاه که منصبِ بخشی‌گری داشت، و انتظام‌الدّوله خالوی او، پسرِ اعتمادالدّوله شهید، و دیگر سردارانِ فوجِ بادشاهی به‌حفاظتِ شهر پرداختند. شهر کهنه تمام به‌غارت رفت. تا شش ماه جنگ در میان بود. اگرچه بالقوهٔ خصمانهٔ او نداشتند، لیکن کسانِ فوجِ بادشاه آن‌چنان پا فشردند، که کار را پیش بردند. پای ثباتِ وزیرِ سرکش، از پیش به‌در رفت. ناچار پیغام صلح فرستاد. بادشاه هزیمتِ او را غنیمت دانسته، دستوری • صوبه‌اش داد، وزیر انتظام‌الدّوله شد.

درین ایام، من از نامساعدتِ ایام، همسایگی خالو گذاشته، نظر برین که مرا به‌چشمِ کم خواهد دید، در حویلی امیر خان مرحوم، که امیرِ کلانِ عهدِ محمّد شاهی بود، و صوبه‌داری اله‌آباد، و رگِ خوابِ سلطنت در دست داشت، و انجام تخلّصِ اوست به‌خوش سلیقگی و طلاقتِ[1] لسان زبان زدِ مردم است، و موجبِ مهم علی محمّد روهیله شده، بادشاه را برآورده، او را بگیر آورده بود، انجامِ کار از دست یکی از نوکران خود، بر دروازهٔ دیوان خاص کشته شد، سکونت اختیار کردم، و به‌لطایف الحیل بسر بردم.

عمادالملک در اندک مدّت زور به‌هم رسانیده، سردارانِ دکّن را از خود ساخته، به‌جرم رفاقتِ صفدر جنگ، بر سورج‌مل، که زمیندارِ

---

1. رامپور: لطف.

زورآوری بود، لشکر کشید، و از سرِ تبوی قلعهٔ او محاصره کرده، کار را تنگ گرفت. پسرِ ملهار در همان جنگ کشته افتاد. زمیندارِ مذکور نوشت و خواندی با وزیر داشت. این معنی سببِ نفاقِ طرفین شد. بادشاه برآمده، بست کروه آن طرفِ آبِ جمن، قریبِ سکندرآباد خیمه کرد. روزی شام خبر رسید که سرداران دکّن و عمادالملک با سورج‌مل طرحِ آشتی انداخته، به‌ارادهٔ غارت دایرهٔ لشکرِ بادشاه حاضرِ یراقِ جنگ گردیده، دویده‌اند، قریب است که برسند، بادشاه به‌مصلحت، صمصام‌الدّوله میر آتش، و حرام کوزه‌ای چند، که به‌کار پردازان بخشی‌گری ساخته بودند، ناموس را هم گذاشته، مضطرب و سراسیمه گریخت. آنجا نزدیک به‌صبح، فوجِ دکّن رسید، و لشکر را همگی به‌غارت برده، متعاقب آمدند، و آن روی آبِ جمن خیمه‌ها زدند. نسق شد که از مردمانِ بادشاهی کسی در قلعه نماند. اگرچه آن حرام‌زاده‌ها توشه‌ها پیشتر ازین برخاسته رفته بودند. بعد از بندو بست عمادالملک آمد، و قلمدانِ وزارت گرفت. وزیرِ مغزِ خر خورده، ازغردلی به‌کنجی خزید، و بادشاهِ خرد گم کرده، متوجّه باغ گردید. بعد از ساعتی یاران غدار به‌غدر دستگیر نمودند، و میل در • چشمش کشیدند. نبیرهٔ بهادر شاه را بر تخت نشاندند، و عالگیر ثانیش خواندند. مردمانِ بی‌ته در عرصه در آمدند. هرچه شد بی‌جا شد. صمصام‌الدّوله که از عقل بهره‌ای نداشت، امیرالامرا شد. من درین سفرِ وحشت اثر با احمد شاه بودم، آمده عزلت اختیار نمودم.

• درین حال خبر رسید که صفدر جنگ بساطِ حیات در پیچید. و ریاستِ صوبه به‌شجاع‌الدّوله پسر او قرار یافت. خالوی من بادیه پیمای طمع شد، یعنی در لشکرِ شجاع‌الدّوله به‌این توقع رفت که

برادران اسحاق خان شهید آن‌جا هستند، نظر بر حقوقِ سابق، رعایتی خواهند کرد. جز باد به‌دستش نیامد. لکدِ زمانه خورد، و همانجا مرد.

• مردهٔ او را آوردند، و در حویلی اش به‌خاک سپردند.

• بعد از دو سه ماه راجا جگل‌کشور، که در وقتِ محمّد شاه وکیلِ بنگاله بود، و به‌ثروتِ تمام می‌گذرانید، مرا از خانه برداشته برد و تکلیف اصلاحِ شعر خود کرد. قابلیت اصلاح ندیدم، بر اکثر تصنیفاتِ او خط کشیدم.

• درین هنگام، راجا ناگرمل که در سلطنتِ فردوس آرامگاه به‌دیوانی خالصه و تن[1] ممتاز بود، به‌نیابت وزارت و خطاب مهاراجگی و عمدةالملکی، سرفراز شد. چون مظلومان شهر را در خانهٔ خود جا می‌داد، و به‌داد ایشان می‌رسید، کار آن سرکرده به‌دشمنی کشید. اگر به‌دربار می‌رفت، خودش با حزم تمام، و کمالِ طمطراق. و فوجِ او همه حاضر یراق. فریب یاران بد پرداز نمی‌خورد، به‌بالا چاقی بسر می‌برد.

درین ولا، صمصام‌الدّوله، که عبارت از میر بخشی حال باشد، به‌مرضِ سل درگذشت. پسرش که بی‌حقیقتِ محض است، به‌جای او مقرر شد.

• درین اثناء، شاه درّانی، که هزیمت خورده از سرهند رفته بود، و در سر خیال هندستان داشت، با لشکرِ گران به‌لاهور آمد. وضیع و شریفِ آن‌جا، چه ستم‌ها که نکشیدند و چه جفاها که ندیدند. چون مانعی نبود، از آن‌جا قصدِ شهر نمود. یعنی معین‌الملک پیشتر مغلوب

---

1. رامپور ندارد.

شده، بعد از چندی از اسپ افتاد و رو به‌وادی عدم نهاد. و از آمد آمدِ او بنگ از کلّهٔ یاران پرید. از بادشاه و وزیر هیچ نشد. آخر به‌رسمِ پذیرهٔ او رفته، قید شدند. راجا ناگرمل با بعضی رؤسا مثل سعدالدّین خان خان سامان وغیره، برای حفظِ خود به‌قلعه‌جات سورج‌مل رفت. قریب یک ماه بر شهر سختی مصادره ماند. آن‌گاه شاه به‌عالمگیر سلطنت بخشیده، وزیر را با خود گرفت و انداز اکبرآباد کرد. فوج او دستِ غارت کشاد. متهرا که هژده کروه این • طرف شهری بود باکمالِ رونق و آبادی، قتل شد. چون هوا متعفّن گردید، شاه از خوف طاعون معاملت سورج‌مل ملتوی گذاشته، دفعةً کوچید، و دخترِ محمّد شاه را به‌حبالهٔ نکاح درآورده، بالا بالا رفت. عمادالملک در نواحِ اکبرآباد ماند. نجیب‌الدّوله[1] که در جنگِ صفدر جنگ نوکر وزیر شده بود، ترقی نمایان کرده میر بخشی گردید و مختارِ سلطنت شد.

این‌جا، راجا ناگرمل، باسرداران دکّن بر خورده، وزیر و احمد خان و آن‌ها را بر نجیب‌الدّوله برد. او شهربند گشت. جنگِ توپخانه به‌میان آمد. بعضی از سرداران که برای خویش بودند، به‌اندک غلبه انداز خرابی شهر می‌کردند. راجهٔ مذکور که مدّعایش جز نیکنامیِ وزیر هیچ نبود، برای ممانعت برکار سوار شده، آن‌ها را باز می‌داشت، و می‌گفت که "بر شهر زدنِ شما بر قالب زدن است. فوجِ دکّن ناموسِ عالمی برباد خواهد داد. شما بره بندِ این کار نه اید، نشود که شهر به‌غارت رود، و بدنامی عاید شود. اصلح آنست که روهیله‌ها را

---

1. رامپور: نجیب خان روهیله.

به‌صلح برآریم و شهر را سلامت نگهداریم" پایانِ کار با نجیب‌الدّوله سر بسر کرد، و از شهر برآورد. او به‌سهارن‌پور که در فوجداری خود داشت، رفت. وزیر و اعزّهٔ دیگر داخلِ شهر شده فوجِ دکّن را رخصت نمودند. داروغگی توپخانه برای بهادرسنگه[1] پسرِ کلان راجا تقرّر یافت. و میر بخشی‌گری با احمد خان بنگش شد.

یکی پیشِ راجا جگل‌کشور شکایتِ روزگار کردم. آن عزیز از خجلت سرخ و زرد شده گفت که "من شالِ کهنه دارم، اگر دستی می‌داشتم، چشمی نمی‌پوشیدم" روزی سوار شده به‌خانهٔ ناگرمل رفت و تقریبِ من کرده، طلب داشت. رفتم و به‌دست او ملاقات نمودم، لطفِ بسیاری کرد و گفت: "ضیافتِ شیراز حاضر است". یعنی حصه شما هم خواهد رسید، باری تسلّی شدم و برخاستم. روزِ دیگر که صحبتِ شعر اتّفاق شد، گفت که "هر بیت میر مانا به‌عقد گهر است. طرزِ این جوان مرا بسیار خوش می‌آید" به‌همین وتیره چندی رفتم، امّا چیزی به‌دست نیامد. چون کارد به‌استخوان رسیده بود، اضطراب بسیاری لاحق شد. یکی بعد از نماز صبح بر در ایشان رفتم. جی‌سنگه نام میرده چوبداران پیش آمد، و گفت که "این کدام وقتِ دربار است؟" گفتم که "حالتِ اضطرار است". گفتا: "شما را مردمانِ دروپیش می‌گویند، مگر گوش زد نشده است که: **لاتتحرک ذرّة الا باذن الله**[2]، این جا از علوی مرتبت پروای کسی نیست. صابر و شاکر باید بود، همه چیز در گرو وقت است. این راه اندکی دور

---

1. از نسخهٔ رامپور.
2. ترجمه: چیزی نمی‌تواند بدون اذن خدا حرکت کند.

است. دیدن پسر کلانِ ایشان ضرور است" تر آمدم و بر آمدم.

شبی به‌گفتهٔ او پیشِ پسرِ ایشان رفتم. دربانی ممانعت کرد و گفت: "دیدنِ ایشان این وقت امکان ندارد". ناچار برگشته آمدم. شب دیگر بعد از نمازِ عشا باز رفتم. دیدم که در بی‌دربان است. پرسیدم که دربان کجا رفت؟ گفتند: "امروز دردِ سرش به‌حدّی گرفته بود که نمی‌توانست نشست". دانستم که ارادهٔ حق تعالی متعلّق است. به‌دیوان خانه درآمده دریافتم و صحبتِ شعر داشتم. خواجه غالب که جوانِ زورمندی بود، و با من تعارفی داشت، احوالِ مرا مفصل گفته چیزی مقرّر کنانید. تا یک سال می‌یافتم. شبی به‌خدمت راجا حاضر شدم، ایشان زرِ یک سالهٔ مرا تنخواه نموده، گفتند: "اکثر مرا می‌دیده باشید". ازان روز بعد نماز عشا به‌طریق ملازمان در خانه باغ ایشان می‌رفتم و تا دو پهرِ شب می‌ماندم. گُلِ این خدمت آن بود که به‌شگفتگی خاطر اوقات می‌گذرانیدم.

اکنون خامهٔ زبان دراز طرحِ سخن به‌طور دیگر می‌اندازد.

سانحه

سردارانِ دکّن ملک را از آنِ خود می‌دانستند و خیالِ جنگِ شاه در سر می‌داشتند. تیمور شاه پسرِ شاهِ درّانی و جهان خان سردارِ فوج را با مردم قلیل شنیده، و از دنبالهٔ آن پروا نکرده، یلغر به‌لاهور رفتند. فوجِ کمِ شاهی، تابِ جنگ نیاورده، گریخت. این‌ها تا به‌رود خانهٔ «اتک» متصرّف شده صاحبا نام سرداری را برای ضبطِ آن طرف گذاشته روانهٔ وطن که عبارت از دکّن است، گشتند.

چون نوشتنِ این سانحات بر سبیل اجمال منظور داشتم، اکثر

مقدّمات مثلِ چشم سخت کردنِ عمادالملک بر شجاع‌الدّوله و مسلّح بودنِ راجا، و هنگامهٔ بی‌ادایی بدخشیان، و زبون گشتنِ آن‌ها از جرأتِ وزیر، و راجا و نجیب خان، و رفتنِ وزیر به‌لاهور برای ضبطِ اموالِ معین‌الملک که خسر او بود، و بر آوردنِ زن صوبه‌دارِ مذکور از شهرِ مسطور، و کشتن عاقبت محمود کشمیری، و کشته شدنِ ستار قلی خان کشمیری، و خرابی شهر دهلی، و به‌غارت رفتنِ خانه‌های مردم، از جورِ بی‌تهی چند، که تازه بر روی کار آمده بودند، و غافل بودنِ این خران از چوبِ خدای، و رفتن شهزاده عالی گهر با یکی از سرداران دکّن، که حالا تهمتی بادشاهت است، و به‌دست فرنگیان گرفتار شدن و پس از چندی آمدنِ او به‌شهر برای ملازمت پدر، و برسمِ پذیره رفتنِ راجا، و غدر کردنِ یاران، و زخمی شده جان به‌سلامت بردن او به‌جانب مشرق، و لکد بخت خوردن، و بادشاه شدن، و قید کردن انتظام‌الدّوله خانخانان، و برآوردنِ سلاطین از قلعه به‌گفتهٔ ناکسان، و باز آمدنِ آن‌ها، به‌رسوایی‌ای که نانوشته به است، قلمِ زبان‌آورِ من به‌تفصیل ننگاشت. زیرا که این موجز گنجایی این همه اطناب نداشت.

هنوز روزگار این همه بلاها را به[1] تمام برنچیده بود، که گردشِ آسمانِ حقّه باز فتنه‌ای تازه را به‌عرصهٔ ظهور آورد. آشوب عجیبی برخاست. یعنی سردار چنکو نام بافوج بسیاری از دکّن رسید و گذرِ لشکرش در سوادِ شهر افتاد. دلِ اکثری از جا شد. قیامت برپا شد. رئیسان رنگِ رو باختند، شاه و وزیر به‌او ساختند. یاران دتّا نام

---

1. رامپور: به‌التمام.

سرداری (را) که مدارالمهام آن سردارِ جگر دار و جوانِ چار شانه بود، از خود کرده، به‌نجیب‌الدّوله، که به‌کنار گنگ در جای قلب ثبات قدم ورزیده تمکّن داشت، دوانید. آن‌جا جنگِ عظیم اتّفاق افتاد.

این‌جا عزیزان به‌خانهٔ وزیر انجمن شدند، که اگر این فوجِ سنگین بر گردد و بر ما ریزد، قیامتی برانگیزد که عالم ته و بالا شود، و شهر به‌غارت رود. اگر دست دهد شریک شده کارِ نجیب‌الدّوله بسازیم، وگرنه واسطه گردیده به‌صلح پردازیم.

هرگاه قرار یافت، وزیر برآمد و آن‌طرف آب خیمه کرده، مکلّفِ بادشاه گشت. او تمارض نموده جوابِ صاف داد. یاران چون از بادشاه دل‌جمعی نداشتند، مشورت کردند که به‌شهر بروند، و بادشاه را از میان بردارند، و انتظام‌الدّوله را نیز زنده نگذارند. راجا همان شب آن روی آب رفت. سفیده دم آن سیاه درونان از لشکر به‌شهر آمده، پیشِ بادشاه حاشا زدند که "ما با وزیر بدیم امّا زمانه سازی می‌کنیم. فوزِ عظیمی دست بهم داده است اگر حضرت دریابند". آن ساده لوح فریبِ آن نا سرانجامان خورده، پرسید که "چیست؟" گفتند: "فقیرِ صاحب کمالی دست از دنیا برداشته، از دو سه روز در قلعچهٔ فیروز شاه وارد است. فردا خواهد رفت. آخرِ روز اگر دیده شود غالب است که از دعای این بزرگ ازین بلا رهایی یابیم، و بر وزیر غالب آییم". بادشاه از زبان در ته زبان داشتنِ عزیزانِ عصر غافل بود، وعده داد که البتّه خواهیم دید. آخر نزدیک به‌شام سوار کرده، بردند. چون در قلعچه رسید، به‌زخمِ کارد کارِ آن بی‌گناه ساختند، و مردهٔ او را پایین دیوار انداختند. بعد از شام ازانجا برگشته در نماز رسن به‌گلوی خانخانان افگنده کشیدند، و به‌سختی تمامش

کشته لاشهٔ او را از نظرِ مردم پنهان ربودند و غرقِ دریا نمودند. مردهٔ پادشاه تمام روز به‌رسوایی تمام بر روی خاک افتاده ماند. هرکه می‌دید بر مرتکبانِ این امر ناشایسته لعنت می‌کرد. آخر وارثانِ او جگر از سنگ کرده، شبا شب زیر خاکش پنهان ساختند، و از هراسِ • آن بی‌چشم و رویان ماتم نگرفتند. صبحِ دیگر آن ستم کیشان، در قلعه آمده، شاهجهان نام جوانی را بر تخت نشانیدند و نذرها گذرانیدند. مدّتِ سلطنتِ عالمگیر ثانی هفت سال بود.

هرگاه این زبون‌گیری چند از کشتنِ بادشاه و انتظام‌الدّوله فراغت کردند، وزیر را کوچ به‌کوچ بردند. او بعد از قطع منازل وطی مراحل به‌فوجِ دکّن پیوسته، شریکِ جنگ شد. هفته‌ای برین نرفته بود که خبر رسید که فوج شاهی از اتک گذشته، صاحبا را شکست داد. سرداران دکّن جنگ نجیب‌الدّوله را گذاشته، سراسیمه برای سدّ راه شدن، روانه گشتند و برابرِ پانی‌پت از آبِ جون عبور نموده فرود آمدند. در اثنای راه جهانی سر سخت خورد، ازانجا سنگ به‌سنگ زنان، آن طرفِ کرنال که قصبه‌ایست مشهور، و آستانهٔ شاه شرف بو علی قلندر آن‌جاست، خیمه گاه ساختند. شام شنیده شد که لشکرِ شاهی بر سمتِ دریا سیاهی کرد. ایشان نیز سیاهی فوج نمودند. روز دیگر پیش از تیغ کشیدنِ آفتاب، جوانان جرار کار گذار، قریب هشت هزار سوار، و یکی از سرداران جدا کرده، فرستادند. وقتی‌که رفتند، و به‌روی آن فوج ایستادند، به‌یک تگ تگِ پا بسیاری از پا افتادند. سخت دلانِ کوه پیکر، بر سرِ سنگ نشستند. زنخ زنان را زنخدانها شکستند. خونخوارانِ آن طرف به‌وضعی آویختند که خونِ بساکس به‌یکدم ریختند. چشم لشکریان این جانب ترسید، و دلِ

جوانان به‌خود لرزید. اگر خدا نخواسته آن دسته بر دایرهٔ لشکر می‌زد، همان روز، کار به‌تمامی کشیدی، و از پای مردم یکی به‌شهر سلامت نرسیدی. اینان شاخ از پشیمانی برآورده برگشتند. آنان سرگاوی زده از آب گذشتند.

هرگاه مخیم شاه دوآبه شد، و نجیب‌الدّوله ملحق گشت، دکهنیان وزیر را، جهت محافظتِ لشکر و شهر، دستوری دادند، و خود کنارِ آب گرفته آمدند، و شش کروه آن طرف خیمه‌ها زدند. این‌جا وزیر، شهر را محکم کرده، ملچارها قسمت نمود، و حویلی داراشکوه که بر دریا واقع است، به‌راجا سپرده، بادشاهِ نو را، که شاهجهان باشد، دید.

پس از چار روز، فوجِ شاه و نجیب‌الدّوله، پا جفت دویده، به‌دریا رسید. دلاورانِ پیکار خو و سواران جنگجو، درپی پوزمال گردیدند. پیادگانِ روهیله پیش قدمی نموده هنگامهٔ جنگ را گرم ساختند، و چنان تردّد کردند، که پای‌های شان پوست انداختند. ازین طرف دتّا که سرکردهٔ فوجِ دکّن بود، به‌کار گذارانِ خود پهلو داده، به‌یک پهلو افتاد، و مقابل آن فوجِ سنگین ایستاد. نخستین تفنگی که ازان سو سر داده شد، تیر او به دتّا رسید، و به‌پهلو غلطید. دکهنیان دست و پا گم کرده، لاش او را برداشتند، و کنارِ آب گذاشتند. آنان این طرفِ آب آمده، دستِ جلادت گشادند. اینان سر به‌بیابانِ هزیمت نهادند. وزیر سرداران خود را بر ملچارها گذاشته، با فوجِ دکّن آمیخت، زمانهٔ غدّار رنگ خرابی عالم ریخت. درّانیان دنبالِ گریختگان افتاده، اکثری را علفِ تیغ بی‌دریغ کردند، و برگشته اندازِ تاراجِ شهر نمودند.

راجا شام از شهر برآمده، قصدِ قلعه‌جات سورج‌مل کرد، و سلامت رفت. بنده برای حفظِ ناموسِ خود، به‌شهر ماندم. بعد از

شام، منادی شد که شاه امان داده است، باید که رعایا پریشان دل نگردد. چون لختی از شب گذشت، غارت‌گران دستِ تطاول دراز نموده شهر را آتش داده، خانه‌ها سوختند و بردند. صبح که صبح قیامت بود، تمام فوج شاهی و روهیله‌ها تاختند و به‌قتل و غارت پرداختند. دروازه‌ها شکستند، مردمان گرا بستند، اکثری را سوختند، و سربریدند. عالمی را به‌خاک و خون کشیدند. تا سه شبانروز دستِ از ستم برنداشتند. از خوردنی و پوشیدنی هیچ نگذاشتند. سقف‌ها شگافتند. دیوارها شکستند، جگرها سوختند. سینه‌ها خستند. آن زشت سیرتان بر در و بام. اکابران به‌بی‌سیرتی تمام. شیخانِ شهر به‌حال خراب. بزرگان محتاجِ دمِ آب. گوشه‌نشینان بی‌جا شدند، اعیان همه گدا شدند. وضیع و شریف عریان، کدخدایان بی‌خان و مان. اکثری به‌بلاها گرفتار. رسوای کوچه و بازار. بسیاری خداگیر، زن و بچه اسیر. برسر شهری هجوم، قتل و غارت علی العموم. حالِ عزیزان به‌ابتری کشید. جان بسی به‌لب رسید. زخم می‌زدند. و زبان به‌تلخی می‌کشودند، زر را می‌گرفتند و سلاّخی می‌نمودند. باهر که بر می‌خوردند، تا سترپوش می‌بردند. جهانی از جهان ناشاد رفت. ناموسِ عالمی برباد رفت. شهرِ نو به‌خاک برابر شد. روزِ سوم نسق مقرّر شد. انزلا خان[1] نام نسقچی باشی رسید. کلاه‌ها و نیم تنِ مردم او کشید. باری قدغنچیان غارتگران را از شهر برآورده، به‌احتیاط پرداختند، و آن بی‌رحم مردمان به‌شهر کهنه چسپیده جهانی را هلاک ساختند. هفت هشت روز این هنگامه گرم بود. اسبابِ پوشش و

---

1. رامپور: انزمان خان.

قُوتِ یک روزه در خانهٔ کسی نماند. سرِ مردمان بی‌کلاه، زنان بی‌رومالِ سیاه، جمعی، چون راه‌ها قفل بود، روزی از زخمِ پراگنده خوردند. جماعتی را، از سردی هوا دندان به‌دندان کلید شد و مردند. به‌بی‌حیایی تمام تاختند روها بر زمین انداختند. غلّه‌ها را از گرسنه چشمی می‌اندوختند، و به‌دستِ غربا به‌طرح می‌فروختند. شورِ غارت‌زدگان شهر تا آسمان هفتم می‌رسید. امّا شاه خود را، که فقیر می‌گرفت، به‌سبب استغراق نمی‌شنید. هزاران خانه سیاه، در عینِ آن آتش تیز، با داغ دل جلای وطن کرده سر به‌صحرا زدند، و چون چراغ صبح‌گاهی در راه از هوای سرد، خانه روشن کردند. بی‌شمار بی‌دست و پایان را، آن سیه درونان، در رکاب انداخته، اسیرانه به‌دایرهٔ لشکر خود بردند. دست دست ظالمان بود. دست کجی می‌کردند، دستِ پلشتی[1] می‌نمودند، دستِ چوب[2] برسر می‌کشیدند. دست به‌بازوی زنان می‌رسیدند، تیغ‌ها می‌آختند، دستگاه می‌ساختند. از دستِ شهریان هیچ نمی‌آمد، زیرا که دست و دل ایشان سرد شده بود. کسی دست پاچه می‌شد، و کسی دست به‌زیر سر ستون می‌نمود. بر هر دری درون سیاهی، در هر برزنی بزنگاهی. بازاری و گیر و داری. هر طرف خون‌ریزی، هر سمت بزآویزی. پا تا به‌پیچی می‌کردند بناگوشی می‌زدند. غریبان از خوف خشک بودند، دیده درایان ترب‌ها می‌نمودند. خانه‌ها سیاه. کوچه‌ها داغ‌گاه. صدها از چوب‌کاری هلاک شدند. جامهٔ خون بستهٔ یکی بر سرِ چوب کرده

---

1. رامپور: کشتنی.
2. رامپور: حرب.

نشد، عالمی از زخم ستم جامه در خون کشید، و جان داد. امّا کسی دم نزد. زمینِ شهرِ کهنه، که جهانِ تازه‌اش می‌گفتند، دیوار صورت کاری افتاده را مانا شد. یعنی تا هرجا که نظر می‌رفت، سر و سینه و دست و پای کشتگان بود. خانه‌های آتش زدهٔ سینه سوختگان از نارِ بتخانه‌ها[1] یاد می‌داد. یعنی تا چشم بینندگان کار می‌کرد، سیه می‌نمود. سخت خورده‌ای که خود را به‌کشتن داد، آرامید. چشم خوردهٔ آن‌ها، روی بهبود ندید.

من‌که فقیر بودم، فقیر تر شدم. حالم از بی‌اسبابی و تهی‌دستی ابتر شد. تکیه‌ای که بر سرِ شاهراه داشتم، به‌خاک برابر شد. غرض که آن بی‌مروّتان تمام شهر را بار کرده بردند. عزیزان همه ذلیل شده جان‌ها سپردند.

هنوز از نهیب و غارت دست بر نداشته بودند، مشهور شد که فوجِ هزیمت خوردهٔ دکّن، با فوج دیگر که در نواح میوات بود، • پیوست. ارادهٔ فاسدی دارد. شاه از استماعِ این خبر مهیّای آن طرف گشته، شاهجهان را، که تهمت زدهٔ چند ماههٔ سلطنت بود، به‌دستورِ • سابق در سلاطین فرستاد، و جوان بخت پسرِ عالی گهر را ولی‌عهد او گردانیده، از شهر کوچید و رفت. عمادالملک، همراهی سرداران دکّن گذاشته، به‌قلعه‌جات سورج‌مل آمد و نشست. وقتی‌که شاه در نواح میوات رسید، و دکهنیان دیدند که تیغِ ما نمی‌بُرّد، و چشمِ لشکریان ترسیده است، جنگ گریز کنان، به‌طور قدیمِ خود، تا شاهجهان‌آباد آمده، از دریا عبور کردند. شاه نیز متعاقب در رسید، و شب در سوادِ

---

1. رامپور: تعزیت‌خانه‌ها.

شهر گذرانیده، از راه پایاب گذشت.

آن روی آب جون معسکر شد، جهان خان سردارِ فوج پیش رفته قریب سکندرآباد بافوج ملهار که احوالِ او گزارش یافت، در آویخت. شاه، ازین‌جا با سه هزار غلام سوار شده در عرصهٔ دو پاس شریک او شد. سردار آن طرف تاب مقاومت او نیاورده دمِ خود را به‌یکی از سرداران دکّن سپرده، پنهان[1] گریخت. آن سرکرده دادِ دلاوری داد و کشته افتاد. کسانِ دیگر دندان به‌حرف گذاشته، از رو به‌روی جرّارانِ فوجِ شاهی گریخته، پراگنده شدند. شاه تا کول که قصبه‌ایست معروف، تعاقب کنان رفت. گریختگان به‌قلعه‌جات سورج‌مل پناه برده، بعد از دو سه روز، روانهٔ پیشتر گردیدند. فوجِ شاه با یکی از قلعه‌های او که این طرفِ آب جون بود، چسپید، و کار بر مردم حصار سخت گرفت. زمیندار مسطور امداد آن‌ها بالقوهٔ خود ندیده، به‌درِ تغافل زد. ناچار حصاریان انتهاز فرصت یافته هنگامِ شب گریختند، و به‌میاندار فرستاده صلح نمودند.

سانحه

هنوز لشکر میان دو آب بود، شهرت یافت که فوج سنگینی از دکّن به‌اندازِ جنگ، درنواحِ اکبرآباد رسیده است، و زود می‌رسد. نجیب‌الدّوله سردارانِ سمتِ مشرق مثلِ شجاع‌الدّوله، و احمد خان، و حافظ رحمت وغیره را برای ملازمت آورد و هر یکی را به‌وعدهٔ ملکی خوش دل ساخته، سراپا دهانید و آمادهٔ جنگ گردانید.

---

1. رامپور: تنها.

درین نزدیکی بهاؤ که سرِ سرداران[1] دکّن بود، به‌انبوهِ بیش از پیش از ملکِ سورج‌مل گذشت و وزیر و راجای او را مستمال ساخته با خود آورد، و متصرّف شهر گشت. یعقوب علی خان که قرابتی با شاولی خان[2] وزیر شاهِ درّانی داشت، و در قلعهٔ بادشاهی، به‌توقّعِ آن‌که فوجِ شاه آن‌طرف آب است، کم مددی نخواهدکرد، به‌خود سپرده، به‌دست و دندان در جنگ چسپید. دکهنیان محاصره نموده به‌بادلیجها گرفتند، اکثر مکاناتِ بادشاهی را که نظیر نداشتند، به‌خاک یکسان ساختند. چون دریا به‌سبب برشگال عسیر العبور بود و شاه نمی‌توانست گذشت، خانِ مذکور به‌دست راجا سر بسر کرده، از قلعه برآمد. نظر بر عهد و پیمان کسی مزاحم احوالِ او نشد.

درین ایام من به‌خدمتِ راجا حاضر شدم و التماس کردم که از گرم و سردِ روزگار در آتش و آبم، می‌خواهم که ازین شهر بر آیم و جایی دیگر بروم شاید که آسوده شوم. ایشان رعایتی نمودند و رخصتم فرمودند. لواحقان را همراه گرفته پیاده پا برآمدم. جایی مدّنظر نداشتم، به‌توکل قدم در راه گذاشتم. در تمام روز پس از خرابی بسیار هشت نه کروه راه طِی شد. شب در سرایی زیر درختی بسر کردم. صبح آن، زن راجا جُگل‌کشور که احوالش نگاشته آمد، ازان راه گذشت. ما کم‌مایان را از خاک برداشته همراهِ خود تا برسانه که معبدِ هنود است، و قصبه‌ایست هشت کروهِ این طرفِ قلعه‌جات سورج‌مل برد، و به‌انواعِ مراعات دلدهی کرد.

---

1. رامپور: سرسران.
2. رامپور: شادل خان.

سلخِ ذی‌حجّه[1] او به«کامان» که سه کروهی آن مکان شهریست سرحدی راجا جی‌سنگه رفت. بنده با اهل و عیال در عشره آن‌جا • اقامت نمودم. فردای عاشوره قدم کشیدم و به‌کمهیر رسیدم.

این‌جا بهادرسنگه نام پسرِ لاله رادها کشن که پیشتر خزانچی گری صفدر جنگ داشت، و درین اوقات با راجا بود، شام آمد و سردستی به‌من گرفته، آدمیانه سر کرد. احسانمندِ اویم که غیر از دوست رویی حقّی برو نداشتم. چندی به‌فراغت ماندم، و روز و شب گذراندم.

حکایت

روزی به‌سببِ فقدانِ اسبابِ معیشت، دلتنگ نشسته بودم. به‌خاطر رسید که با اعظم خان پسرِ اعظم خانِ کلان که در عهدِ فردوس آرامگاه امیرِ شش هزاری بود، و دست و دلی داشت، اگر ملاقات کرده شود، یک دو دمِ خوش برآورده شود. رفتم و در طویلهٔ سورج‌مل که تازه اقامتگاهِ خانه خرابان شهرِ دهلی شده بود، برخوردم. آن عزیز، خداش بیامرزاد، لب را به‌خیر پرسشِ من کشاد. سر رفتهٔ خود بر زبان آوردم. سامعان را از هوش بردم. چون قهوه و قلیان به‌میان آمد، این بیتِ بر زبان آمد:

امروز که چشم من و عرفی بهم افتاد
باهم نگـرستیم و گرستیم و گذشتیم

چند شعر ازین قبیل خواندم. دو سه اشک از مژه افشاندم. پس از

---

1. رامپور: محرم.

نفسی چند، خان مذکور را متفکّر دیدم. گفتم: "چه به‌خود فرو رفته ای؟" گفت: "خیر". گفتم: "آخر؟" گفت: "هر گاه شما در شهر می‌آمدید[1]، اقسام شیرینی و انواعِ حلویات می‌آوردیم و باهم می‌خوردیم. امروز عجب اتّفاق است که دست بر شکرِ خام هم نداریم تا کاسهٔ شربتی برای شما بیاریم". گفتم که "مولع این همه نیستم. آن‌هم بر سبیل تفنّن بود. صاحب خوب می‌دانند که گاهی شکم را نان شماط نکرده‌ام. اوقات مختلف است. آن هنگام شربت و شرینی بود، این موسمِ تلخی کشیدن است". همین گفت و شنود بود، • که زنی خوانی بر سر، از در درآمد و گفت: "همشیرهٔ سعدالدّین خان خانسامان دعا گفته است، و قدری حلوای نزاکت و شیرینی شنبه فرستاده". خان چون سرِ خوان کشاد، نگاهش بر گُلِ حلوا افتاد. گل گل شگفت و با من گفت که، "این رو سیاه قدر خود خوب می‌داند. عمریست که به‌فاقه کشی می‌گذراند. گاهی از جایی دمِ آبی و لبِ نانی نرسیده تا به‌حلوا و شیرینی چه رسد. شما مهمانِ عزیزید. این اقامت شماست. حصّهٔ مرا بدهید، و به‌خانهٔ خود فریسید" گفتم: "بسیار است. من چه خواهم کرد". گفتا: "به‌کارِ میر فیض علی پسرِ شما خواهد آمد". غرض‌که مردِ خوشی بود، کاسه بند نموده، قاب حلوا و خوانِ شیرینی به‌خانهٔ من فرستاد و خندان خندان دلم داد. دو روز به‌همان شیرینی گذرانیده شد. روزِ سوم رای بشن‌سنگه پسرِ خوردِ راجا مرا طلبید، و احوال‌گیری کرده گفت: "تا تشریف آوردنِ • راجا صاحب پیشِ من باشید". گفتم که "اسبابِ معیشت مفقود

---

1. رامپور: بر می‌خوردید.

است". گفت: "دل را جمع کیند. انیجا همه چیز موجود است". آن نوگلِ باغِ کرم که همیشه شاداب و خرّم باشد، به‌شگفتگی خاطر، ما یحتاج مرا می‌رسانید.

سانحه

این‌جا چنان مسموع شد که به‌شهر شهرت گرفت که صمد[1] خان فوجدارِ سرهند با چند زمیندار، وفوج بسیار می‌آید، و ارادهٔ لشکرِ شاه دارد. بهاؤ سردارِ دکّن، که جوانِ بر خود پیچیده بود، کسی را پیشِ خود وجود نمی‌گذاشت. اسبابِ زاید در قلعهٔ شاهجهان‌آباد گذاشته به‌مقتضای حرارتِ ذاتی قصدِ حرکتِ آن طرف نمود. به‌خاطر داشت که وزیر جواهر بسیاری دارد، و سورج‌مل زمیندار کلانی است، اگر زمانه فرصت دهد، ازیشان چیزی بگیرد، راجا ناگرمل به‌سبب ملاقات سردران او، ازین معنی خبر بود، روزی به‌راجا پیغام فرستاد که تصدیت[2] ممالک محروسه به‌اختیارِ شما می‌گذارم. این عزیز، نظر بر این معنی گفت که از مدّتی با وزیرم، مناسب نیست که او ناکام باشد و من کارِ خود برم. پس انسب آنست که او را دستوری بهرت‌پور شود. من و سورج‌مل به‌طریق مشایعت رویم و از سرش واکرده موافق گفته کار بند شویم. غرض‌که از چرب زبانی روغنِ قاز مالیده، روز کوچِ دکهنیان، خود و سورج‌مل به‌بهانه‌ای که نگارش یافت، با بهیر و بنه، از لشکرِ آن‌ها، به‌جگرداری تمام، سوار شده، در بلّم‌گرهـ ، که حصاریست محکم، دوازده کروهی شهر، آمده نشستند.

---

1. رامپور: سمند خان.
2. رامپور: نظامت.

وزیر و اسباب و خیمه‌ها روانهٔ پیشتر شدند. وکلای دکهنیان هرچند به‌سماجت گفتند، امّا بشنیدنِ حرفِ آن‌ها نپرداختند، و نسبتِ خود به‌شاه درست ساختند. رئیسِ دکن، که استقلال واقعی داشت، و نظر بر لشکرِ بی‌شمار، و آلات و اسبابِ بی‌حد، جمعیت ایشان را به‌حساب نمی‌گرفت، چون شنید، به‌خود پیچید، و گفت که "اینها چه چیز اند! چراغِ دولتِ اینها به‌پفی در بند است. من به‌اعتمادِ اینان از دکّن نیامده‌ام، در مژگان بهم زدن به‌خاک برابر خواهم کرد". تدارکِ این حرکت، بر وقتِ دیگر موقوف داشته رفت، و قلعهٔ نجابت خان روهیله سرسواری گرفته، صمد خان را کشت، و آن انبوه را پراگنده ساخت. چشمِ دکهنیان از برهم زدنِ این فوج خیره شد. ازانجا برگشته، متّصلِ پانی‌پت سنگر بستند. و آمادهٔ جنگ میدانِ شاه گشتند. وقتی‌که آبِ جون رو به‌کمی آورد، شاه به‌صد جوش و خروش، بر سرداران سمت مشرق، از دریا عبور نموده، دست جلادت کشود. چند روز پیش از جنگ صف، خبر رسید که گوبند پندت با جم غفیر آمده است، و اندازِ پیوستنِ لشکرِ دکهنیان دارد. سرداری با فوج سنگین از لشکرِ شاه جدا شده[1] دوید، و بی‌خبر رسیده، او را به‌خاک و خون کشید. اسبابش همه به‌غارت برد. آن اجماع برهم خورد.

درین‌ولا، راجا در کمهیر، که قلعهٔ سورج‌مل است، باز تشریف داد، من‌که به‌حسب قسمت در آنجا بودم، رفته التماس نمودم، که از چندی انتظارِ قدومِ فرحت لزوم داشتم. اکنون اجازت شود به‌طرفی بروم که با روزگارِ ناساز طرف نمی‌توانم شد. از راهِ عنایتی که به‌حال

---

1. رامپور: گشته.

من می‌داشتند، گفتند، "معلوم شد که قصدِ بیابان مرگ شدن دارید. امّا اگر من هم گذارم" همان روز چیزی جهتِ خرچ فرستادند، و علوفهٔ من به‌دستورِ سابق دستخط کرده دادند.

چون این بزرگوار، به‌سبب آن‌که شاهجهان‌آباد خرابه‌ای بیش نمانده است، و مردمان سالی دو بار خانه‌ها را بر خروش بار می‌کنند، کسی تا کجا خانه بر دوش باشد، و درین سرزمین که به‌حسب ظاهر گوشهٔ عافیتی است، و رئیسِ این‌جا مردِ آرمیده‌ای هست، بر خود نمی‌شکند، توطّن اختیار کرد. ما مردم نیز در سایهٔ دیوار او مقر خود مقرّر ساخته افتادیم.

سانحه

حقیقت هر دو لشکر آن‌که اگر دکهنیان به‌جنگ گریز، که طورِ قدیم آن‌ها بود، می‌جنگیدند، اغلب که غالب می‌گردیدند. ایشان توپخانه را گرد کرده نشستند. فوج شاهی درپی آن شد که رسد نرسد. وقتی‌که کار تنگ شد، سردار دکّن مستعدّ حرب گشت. سران از سنگرو سنگ چین برآمده، میخ دوز ایستادند، و جگر دارانِ شاه میخِ چشمِ آن‌ها بوده، به‌یک پهلو افتادند. کارگذاران میدان کشیدن و بر همدگر زدن آغاز کردند. دلاورانِ پیکار جو، بند بر بندِ قبا بافته، به‌پشتِ کمان گرفتند. نبردآزمایان جنگ‌جو، بندوق‌ها گرفته، به‌دست و دندان چسپیدند. بر روی استادگان، تیغ‌ها آخته، برسرِ هم دویدند. بیدهل رقصانِ معرکهٔ کشت و خون، برکار سوار گشتند. پیش جنگان پیاده شده در آویختند، و از هم گذشتند. زخم‌ها به‌جوانان رسیدند. جامه‌ها در خون کشیدند. جنگ آوران عرصه تنگ آوران، از دو طرف

ریختند و تفنگها گرفته آویختند. سردارِ دکّن ثبات ورزیده پا به‌میدان گذاشت و اکثر دسته‌های فوج شاهی را از پیش برداشت. چون فتح از شاه بود، از تردّد کاری نکشود. هزار هزار بندوق می‌انداختند و به‌یک نفر این طرف نمی رسید، و از دست تفنگ اندازان سهل، مردانِ کار آمده از کار می‌رفتند. چنانچه در اوّل وهله[1] تیرِ و تُفنگ به وسواس راؤ، که ریاست به‌نام او بود، رسید. و به‌خاک و خون غلطید. می‌گویند که بهاؤ جوانِ غیوری بود، و دادِ مردانگی می‌داد، دمی‌که این سانحه را به‌چشم خود دید، بر زبان راند که حالا روی رفتنِ دکّن نماند. دل از جان برداشته، دندان به‌جگر افشرده، بر قلبِ شاه زد. یعنی دیده و دانسته خود را به‌کشتن داد. ملهار پیر گرگِ بغل زن، با دو سه هزار کس ازان مهلکه بیرون رفت، و تمام لشکر غارت شد. سردارانی که زنده برآمده بودند، برهنه به‌حالِ فقیران آواره شدند، و اسپ و سلاح هزار هزار سوارِ فرار نموده را، ده ده زمیندارِ اطرافِ شهر گرفتند. چه نویسیم که چه روزِ سیاه بر این قوم آمد. هزاران عریان، هزاران گریه کنان، از هر راهی که می‌گذشتند باعث عبرت می‌گشتند. مردمِ دیهات حبوب[2] بریان کرده به‌هر نفر یک مشت می‌دادند، و احوالِ آن‌ها را به‌احوالِ خود سنجیده زبان‌ها به‌شکر می‌کشادند. شکستی این چنین کم اتّفاق افتاده باشد. بسیاری از گرسنگی مردند و بسیاری از سردی هوا جان سپردند. فوجی را که در قلعهٔ شهر گذاشته رفته بودند، از خوفِ دست اندازی مردمانِ شاه

---

1. رامپور: حمله.
2. رامپور: جرث.

هنگامِ شب گریخته رفت. جنسِ کرورها به‌دست لشکریان شاه و سرداران مشرق افتاد، و باهم قسمت شد. توپخانه، و آلات دیگر حرب، و فیل و گاو، شتر و اسپ، سوای نقد و جنس شجاع‌الدّوله وغیره به‌پای خود گرفتند. درّانیان که فقیرانِ محض بودند، سوار دولت گردیدند. باهر ده باشی، صد شتر بار، بار یک نفر دو خروار. دولتِ عظیمی دستی بهم داد. هر یک کلاه کج نهاد. شاه بعد ازین گونه فتحی که شاهانِ سلف را هم مَیسّر نیامده باشد با کرّ و فر تمام داخلِ شهر شده، رقم‌ها به‌نام سردارانِ اطراف و جوانب نوشت که بیایند و نوکری نمایند. نوشته‌ای به‌راجا نیز رسید. ایشان به‌گمان آن‌که شاه، بادشاهِ هندستان شد، و ازین ملک زرخیز نخواهد رفت، و ما را نوکری[1] بایَد کرد، رفتند. و نجیب‌الدّوله پیشوا آمده برد. و ملازمت شاه، به‌دست شاولی خان وزیرِ او نمودند. صحبت به‌آن دستورِ دانشور برآر شد. مُهرِ خود حواله کرد، و نیابت وزارت داد. چنانچه موجب رفاهِ امرای عظام گشتند.

وزیر یک‌بار گفت که "پدر شجاع‌الدّوله با شما، ته دلی داشت و این بابا طفل است، وغیرِ بابایی کاری ندارد، و نمی‌فهمد که این شاه است، به‌یک پشتِ چشم نازک کردن جهانی را برباد می‌دهد. خبر شرط است. باد پرّانی این گونه بسیار به‌دماغش می‌خورد. نظر بر رفاقت هیچ نمی‌گوید، لیکن برین غرّه نباید شد:

پادشاهان و نکویان دو گروهِ عجب اند
کـه نبودند و نبـاشـند به‌فـرمانِ کـسی

---

1. رامپور: روزگار.

بهتر آنست که شما و نجیب‌الدّوله رفته، او را معقول کنند، وگرنه فردا جرم از ما نیست. رفتند، و او را با تیغ و کفن آورده، از وزیر رخصت گرفتند. باری صحبت کوک[1] شد، و کدورت به‌صفا انجامید، من درین سفر بایشان بودم.

حکایت

روزی پرست زدم. راهم بر ویرانهٔ تازهٔ شهر افتاد. بر هر قدمی گریستم، و عبرت گرفتم، و چون پیشتر رفتم، حیران تر شدم. مکان‌ها را نشاختم. دیّاری نیافتم، از عمارت آثاری ندیدم، از ساکنان خبر نشنیدم:

از هرکه سخن کردم، گفتند که اینجا نیست
از هر که نشان جستم، گفتند که پیدا نیست

خانه‌ها نشسته، دیوارها شکسته، خانقاه(ها) بی‌صوفی، خرابات بی‌مست. خرابه‌ای بود ازین دست تا به‌آن دست:

هر کجا افتاده دیدم، خشت در ویرانه‌ای
بود فرد دفترِ احوالِ صاحب خانه‌ای

بازارها کجا که بگویم، طفلانِ ته بازار کجا، حسن کو که بپرستم. یارانِ زرد رخسار کو، جوانانِ رعنا رفتند، پیرانِ پارسا گذشتند، محل‌ها خراب، کوچه‌ها نایاب، وحشت هویدا، انس ناپیدا. رباعیِ استادی به‌یادم آمد:

---

1. رامپور: کوچک.

افتاد گذارم چو به‌ویرانهٔ طوس
دیدم چغدی نشسته بر جای خروس
گفتم: "چه خبر داری ازین ویرانه؟"
گفتا: "خبر اینست که «افسوس. افسوس»"

ناگاه در محلّه‌ای رسیدم، که آن‌جا می‌ماندم. صحبت می‌داشتم. شعر می‌خواندم، عاشقانه می‌زیستم، شب‌ها می‌گریستم. عشق باخوش قدان می‌باختم، ایشان را بلند می‌انداختم. با سلسله مویان می‌بودم. پرستشِ نکویان می‌نمودم. اگر دمی بی‌ایشان می‌نشستم، تمنّا بر تمنّا می‌شکستم. بزم می‌آراستم. خوبان را می‌خواستم. مهمانی می‌کردم. زندگانی می‌نمودم. دوست رویی به‌نظر نیامد که به‌او نفسِ خوش برآرم. مخاطبِ صحیحی نیافتم که صحبت دارم. بازار وحشت گاهی، کوچه به‌صحرا راهی، استادم و به‌حیرت دیدم. مکروهِ بسیاری کشیدم. عهد کردم که باز نیایم تا باشم قصد شهر ننمایم.

سانحه

هرگاه قرار یافت که شاولی خان با راجا برآید، و ملک گیری نماید، فوجِ شاه که از غنیمت مالا مال بود، بر درِ خانه هنگامه آرا شده گفتند، که ما به‌وطنِ خود می‌رویم. اگر شاه خواسته باشد، بماند. مدّت است که برای کار بر کار سواریم، از زن و فرزند خبر نداریم، شاه چون فکر نمود، دید که بی‌فوج در ملک بی‌گانه نمی‌توانم بود، ناچار رفتنِ قندهار، که دارالملک اوبود، مقرر گردانید. وزیر خیمهٔ برآمده را باز طلبید، و از روی سرداران این‌جا خجالت کشید. دو روز پیشتر شجاع‌الدّوله و راجا را مرخّص کرد. شهزاده جوان بخت را

ولی‌عهدِ شاه عالم نمود، و شهر را به‌اختیار نجیب‌الدّوله گذاشته، برخاستند. و در راه فوجدارِ سرهند، زین خان نام افغانی را، که از قوم و قبیلهٔ آن‌ها بود، کرده، به‌لاهور رفتند.

چون غرورِ این قوم از حد گذشت، غیرتِ الهی از دستِ سکهان که عبارت از ناکسان، و شَعَر بافان، و ندّافان، و بزّازان، و سمساران و بدّالان، و نجّاران، و قزّاقان، و مزارِعان و کم بغلان، و پاچناریان، و کلل خسپان، و بازاریان، و بی‌تهان، و بی‌مایگان، و تهی‌دستانِ آن نواح باشند، ذلیل ساخت. قریب چهل و پنجاه هزار کس گرد آمده، خود را بر روی آن لشکرِ گران کشیدند. گاهی به‌رنگی چهره می‌شدند که زخم‌ها بر می‌داشتند و رو نمی‌گردانیدند، و گاهی طرف شده، به‌اطراف پریشان گردیده، صد دو صد را به‌دنبال می‌بردند و می‌کشتند. هر صبح گردِ فتنه می‌انگیختند. هر شام از چار سو می‌ریختند. لشکریان را سگانِ روی یخ ساخته بودند. یخ بسیار آب می‌گشت، تا فرار می‌نمودند. گاهی سفید می‌شدند، و بر بهیر و بنه می‌افتادند. گاهی سیاهی می‌نمودند و می‌ایستادند، و به‌شهر می‌ریختند، و سنگ به‌سنگ می‌زدند. مو پریشان و سر پیچدار، در اردو می‌شدند. شب شروشور. روز عرو کور. پیادهٔ آن‌ها شمشیر بر سوار زدی، و قدحِ زین را خونریز کردی. دست‌کشِ شان قدر انداز را گرفته بردی و شست آویز نمودی. غرض که این بی‌ناموسان بی‌دولت، آن بی‌حقیقتان را آن قدر رسوا ساختند که سردارانِ اطراف این صحبت را شنیده از نظرها انداختند. مقاومت به‌واقعی نتوانستند.، سلامت رفتن خود غنیمت دانستند. آخر سراپای نظامتِ آن شهر به‌هندویی داده، راهِ پیش گرفتند. این ابنوه دنباله گردان غارت کنان،

سر گله زنان، تا آب اتک رفت و شست و شوی خوبی داده، متصرّف آن صوبه، که دو کرور روپیه حاصل داشت، شد. بعد از چندی، آن هندوی خون گرفتهٔ شهر نشین را کشته، مالک گشتند. چون وارثی در میان نبود، آن عوام کالانعام، ملک را باهم قسمت نمودند، و بر روی رعایا درِ احسان کشودند. یعنی آگاهِ رسمِ ملک داری نبودند، هرچه مزارِعان دست برداشته می‌دادند، مفتِ خود[1] شمرده می‌گرفتند.

سانحه

در همین سال، سورج‌مل، که زمیندارِ زور آوری است، آبا و اجدادِ او، همیشه موردِ عنایات بادشاهان اولوالعزم مانده‌اند، در حالتی که خبر بود، راهداری مابین اکبرآباد و شاهجهان‌آباد به‌او تعلّق داشت. درین ایام، از سستی رؤسای اسلام، سری کشید و متصرّف اکثر

• محالات گردید. به‌سبب حرام توشگی قلعه دارِ سیه روزگار، حصن حصین اکبرآباد گرفت. شاه عالم به‌تحریکِ شجاع‌الدّوله که حالا وزیرِ اوست، با لشکرِ بی‌شمار حرکت کرد. زبان زد خلق شد که برای اخراجِ سورج‌مل می‌آید. زمیندارِ مذکور، جهتِ محافظت شهر و حصارِ مسطور، از قلعه‌جات خود رفته، به‌ارادهٔ پرخاش نشست، و به‌راجا نوشت که آمدنِ شما مناسب تر است. ایشان، که آشنا از چوب خشک می‌تراشیدند، میاندار فرستاده آن انبوه را باز گردانیدند.

• من به‌این تقریب، بعد سی سال، به‌اکبرآباد رفتم، و زیارتِ مزاراتِ پدر و عمّ بزرگوار کردم. شعرای آن‌جا، مرا سرآمدِ این فن دانسته اکثر ملاقات می‌کردند.

---

1. رامپور: منت برخود شمرده.

حکایت

آوازهٔ عالمی شنیدم. رفتم و دیدم، ملای قشری برآمد. یعنی به‌مغز سخن نمی‌رسید. هنوز نفس درست نکرده بودم، که از بی‌تهی سخن سرکرد که اکثر جوانانِ این عهد رافضی می‌باشند، و در حق بزرگان، • از سقیفه‌سازی، چهاکه نمی‌تراشند. این تسبیح خاکِ امامِ شما که موجبِ غبارِ خاطرِ ما صفا پیشگان است، دلیل است که شما میل به‌رفض دارید. اگر در واقع چنین است، مرا به‌حال من واگزارید. گفتم که "مرا نیز همین تردّد بود. الحمدِ لله که صاحب سنی برآمدند". مغزِ خر خورده، کنایه نفهمید و بسیار خوش گردید. چون مرا موافق یافت، پر و پوچِ چندی بافت. بی‌مزه تر شدم، و برخاسته آمدم.

حکایت

صبح و شام بر لبِ دریا که بسیار به‌خوبی واقع است، آن طرف باغات و این طرف قلعه، و حویلی‌های امرای عظام، گویی که نهر بهشتی است، می‌رفتم و چشم آب می‌دادم. شور بکر تراشی من آفاق را گرفته بود، بکر[1] نگاهان، مژگان سیاهان، خوش‌ترکیبان، جامه‌زیبان، پاکیزه‌طینتان، موزون‌طبیعتان، مرا نمی‌گذاشتند، و به‌عزت می‌داشتند، دو سه بار سراسرِ شهر رفتم. علما، فقرا و شعرای آن‌جا را دیدم. مخاطبی که ازو دل بی‌تاب تسلّی شود نیافتم. گفتم: "سبحان الله. این همان شهریست که هر برزن او عارفی، کاملی، فاضلی، شاعری، منشی، دانشمندی، فقیهی، متکلّمی، حکیمی، صوفی، محدّثی،

---

1. رامپور: تیز.

مدرسی، درویشی، متوکّلی، شیخی، ملایی، حافظی، قاری‌ای، امامی، مؤذّنی، مدرسه‌ای، مسجدی، خانقاهی، تکیه‌ای، مهمان سرایی، مکانی، باغی داشت، اکنون جایی نمی‌بینم که درو شاد کام نشینم. آدمی بهم نمی‌رسد، که با او صحبت گزینم. خرابهٔ وحشت ناکی دیدم. رنجی کشیدم و برگردیدم. مدّت چار ماه ازین قرار در وطنِ مالوف گذرانیده، وقت رفتن آب حسرت به‌چشم گردانیدم[1]، و به‌قلعه‌جات سورج‌مل رسیدم.

سانحه

آن‌جا آمده شنیدم که مابین قاسم علی خان ناظم بنگاله، و نصرانیانِ • تجارت پیشه که آن‌جا از مدّت سکونت داشتند، جنگ واقع شد، رعایا و زمینداران آن ملک که از ستم و جورِ بی‌نهایتش به‌جان آمده بودند، جانبِ او نگرفتند. پایانِ کار هزیمت خورده، با لشکرِ شکسته و زر و جواهر و اقمشه و امتعه بسیار، به‌عظیم‌آباد که این صوبه هم به‌او بود، آمد. فرنگیان نیز در رسیدند. خواست که شهر بند شود، و به‌جنگد، لشکرش پشت داد. باز شکست افتاد. مال و اسبابِ خود را بار نموده، با نه ده هزار کس به‌سرحد شجاع‌الدّوله رسید. آن‌ها بالفعل دست برداشتند، و قدم پیش نگذاشتند. وقتی‌که متّصل بنارس رسید، خیمه کرده، به‌وزیر نوشت که من به‌امّید اعانت شما آمده‌ام. اگر سر دستی به‌من بگیرند، و به‌جنگ نصرانیانِ مخالف مذهب در آیند، خرچ سپاه و ملازمان حضور متصدّیان من سرانجام نمایند" ایشان

---

1. رامپور: گذرانیدم.

نوشتند که "اوّل شما بیایید و ملازمتِ بادشاه نمایید. آن‌چه به‌حضور قرار خواهد یافت، موافقِ آن به‌عملِ خواهد آمد" آن فلک کردهٔ آسمانِ غدّار، ناآگاه از ته کار، مع اسباب و آلات و پانصد فیل، به‌اعتمادِ خام دستانی چند، که واسطه بودند، از آب آن رودخانه که زیرِ شهر مذکور واقع است، گذشته، داخلِ لشکر شد، و دایره کرد. نظر تنگ چشمانِ این طرف بر اسباب بادشاهانهٔ او افتاد. چشم سیاه کردند، و کهنه فعله‌ای چند فرستاده به‌فریب و عذر محبوسش ساختند. بعد از دو سه روز از زرِ بسته و خرده و جواهر و اجناسِ دیگر و اسپ و فیل و گاو و شتر و خیمه و فرش هرچه داشت، وزیر به‌گفتهٔ آن نامآل اندیشان پیش او هیچ نگذاشت. بدعهدان که در میان بودند، نظر به‌عهدنامه نداشتند. چون خامهٔ سیه رو دندان به‌حرف خود گذاشتند. آمده بود که کسی دست او خواهد گرفت، این‌جا انگشترِ پا شد. چون انگشت از ستم روزگار بر آورد، و حلقه بر درِ وزیر زد، یومیه از سرکار بیگم، که عبارت از مادرِ شجاع‌الدّوله باشد، برای او مقرر شد. باقی داستان به‌فردا شب می‌گذارم که افسانه‌ای دیگر بر زبان دارم.

سانحه

جواهرسنگه پسرِ کلانِ سورج‌مل، که سردارِ جگر داریست، از مدّت خیال ریاست در سر دارد. چنانچه پیش ازین با پدر در آویخته خون بسیاری را ریخته بود، و دو سه زخم دامن دار برداشت. درین ایام به‌فرخ‌نگر که سه منزلی شاهجهان‌آباد شهریست به‌سمت مغرب، و سرحد آن به‌سرحد ملکِ پدرِ او پیوسته است، رفت، و با زمیندارِ

آن‌جا که پدرش فوجداری گردِ شهرِ دهلی[1] می‌کرد، آویزشی نمود، و طول داد. او نیز سرفرود نیاورده، در افتاد. چون دو ماه برین گذشت، سورج‌مل با فوج سنگین قصد آن طرف نمود. به‌خانهٔ راجا برای رخصت آمد. ایشان گفتند که "شما زینهار نروید. مبادا باعث فتنه و هنگامه شوید. آن‌جا نجیب‌الدّوله هم قریب است، اگر مراعاتِ اسلام کند، جنگ به‌میان آید. مع‌هذا طرفِ ثانی قلعه دارد، و صاحب الوش است. اگر سماجت نماید، و دیر شود عظم شان شما نماند. در آداب ریاست نوشته‌اند که تا کار از نفر برآید، باید که به‌پسر نفرماید. و تا از پسر شود، خود نرود". خاصهٔ انسان است که چون وعده قریب می‌شود، حرفِ معقول نمی‌شنود. گوش بر حرفِ ایشان نینداخت. رفت و رئیسِ آن‌جا را اسیر ساخت. سپاهیان دستِ تعدّی دراز نموده، خانه‌های شرفای آن‌جا را به‌غارت بردند. برادرانش که با نجیب‌الدّوله بودند، دستارها بر زمین زدند. و بی‌طاقتی نمودند. او برای خاطرِ آن‌ها ملتجی شد که ایشان به‌سزای کردهٔ خود رسیدند، اکنون از سرِ تقصیر باید گذشت". نشنید و دلیرانه به‌شاهجهان‌آباد رفت. او به‌در تغافل زده، دروازه‌های شهر را بند نمود، و سر بر نکرد. این بر خود چیده متکبّر از آب دریا گذشته بر سرش دوید و موجبِ آشوب گردید. در آدمی‌گیری[2] او شبه نیست. صد بار پیغام داد، که من با شما سر پرخاش ندارم، لهذا فوج خود را بر نمی‌آرم. غربای شهر تصدیع می‌کشند. دایره کردن این‌جا مناسب نیست". یک جوابِ

---

1. رامپور: مذکور.
2. رامپور: آدم‌گری.

آدمیانه نداد، و به‌سفاهت گفته فرستاد که "من فوجِ نوآب را دیده خواهم رفت. اگر زود برآیند احسان است که کارهای دیگر در پیش دارم، وگرنه فوجی که در اختیارِ من نیست صبح و شام به‌شهر می‌تازد". آن سردار گفت که "البته صبح بر می‌آیم و شانِ فوج خود می‌نمایم".

نقل

شخصی که در میان بود، به‌من می‌گفت که دلِ شب فوج را رخصتِ عبورِ دریا داد، و خود واکشید، و بعد از ساعتی چشم کشاد و گفت که: "عجب واقعه‌ای دیده ام". گفتند: "چطور است؟" گفت "کلاغی بر درختی نشسته است، و زاغان بسیار برو گرد آمده، شوری دارند. من‌که ازان راه گذشتم، به‌یک تیرش بر خاک انداختم. زاغان کشتهٔ او را دیده همه یک‌بارگی پریدند. غالب که فتح از من است. ان‌شاء الله صبح سوار می‌شوم و این سیاه درونان را می‌کشم".

چون صبح دمید، آسمان تیغ حادثه به‌چرخ کشید. جارچیان جار زدند. خود بر فیل نشسته، از آب گذشت و به‌استقلالِ تمام مقابل گشت. حریف چون گاو چهار پهلو بر خود شکسته، و خرِ خود را دراز بسته، صفوفِ فوج بر روی ایشان کشید. تفنگچیان گرمِ انداختن تفنگ، آزموده‌کاران نظر بر اسلوبِ جنگ. سردارِ این طرف آمادهٔ کین استاده بود، و پا از وضع خود بیرون نمی‌گذاشت. رئیس آن طرف دامن بالا زده، خودکشی می‌نمود، و دست از شوخی بر نمی‌داشت.

هرگاه روهیله‌ها سرگرم دو تیغه‌بازی شدند، او در دسته خود را پنهان ساخت و بالا بالا رفته، غافل ازین که اجلِ چیره دست در

کمین است، بر سپاهی که به‌سمت شهر بود، زد. شوری برخاست. روداران قلب به‌مدد آن‌ها شتافته، این بلا را بر چیدند. در همان گرد و غبار، آن اجل رسیده زخمی برداشت که از اسپ بر خاک افتاد، و جامه گذاشت. امّا کسی ندانست که این سورج‌مل است. باهم می‌گفتند: "وقتی‌که اوسمند را جلو خواهد داد، قیامت در جلوِ او خواهد بود". ندانستند که جماعت دراز بست از پیش جنگی خود را به‌کشتن داده است. ازان وقت تا شام باز جنگ به‌میان نیامد. آن‌جا کار تمام شد، و این‌جا هراسان که شب افتاده است، مبادا شب خون زند، و مارا بر خاکِ هلاک افگند. بعدِ شام فوجی که روبه‌رو شده بود، پراگنده شد، و رفت. تا نصف شب مهیای کار، بر اسپ و فیل سوار استاده ماندند. امّا همه متأمل که چه بلاست، ازان طرف صدایی بر نمی‌خیزد. نشود که فوجِ حریف غافل بریزد، و قیامت برانگیزد. جاسوسان از لشکر برآمده دو سه کروه این طرف آن طرف کافتند. احدی را نیافتند. قریب به‌شکستنِ شب آمده گفتند که از مردمِ دیهات شنیده شد که جماعتی به‌سراسیمگی می‌رفت و می‌گفت: "افسوس سرداری چون سورج‌مل کشته شود و ما بی‌مروّتان لاشِ او را بر خاکِ میدان گذاشته از ترس جان برویم". ازینجا به‌ظهور می‌پیوندد که او در شورشِ آخر روز که به‌فوج التمش بود، کشته شد و لشکرش گریخته رفت.

درین گفتگو بودند که صبح سفید شد، و سواری دستِ بریده‌ای آورد و گفت که "این دست، آن دستِ خشک شدهٔ اوست که جراحت داشت". دیگران نیز شناختند و کوسِ شادی نواختند. و چون به‌یقین پیوست، قدم به‌تعاقب کشادند و دنبالِ گریختگان

افتادند. اگر از دریا می‌گذشتند، باعث خرابی جهانی می‌گشتند. امّا راجا نوشت که نوّاب این دولت را، که عبارت از چنین فتح است، از صحرا یافته، باید که غنیمت بدانند، و عنان بگردانند. این‌جا انبوهِ بسیار است، اگر ایستادگی نمایند، باز کار دشوار است" رای درستی و قلبِ سلیمی داشت. نوشتهٔ ایشان را دید و برگردید.

جواهرسنگه که از استماعِ این خبر به‌فرخ‌نگر جان در تن نداشت، و به‌ظاهر خود را به‌مسمار دوخته قایم بود، آمد و بر مسندِ ریاست نشسته در فکرِ گرد آوردنِ لشکر افتاد. در همت و شجاعت و مروّت صد مرتبه از پدرِ خود بهتر است.

دولت ندهد خدای کس را به‌غلط

حقیقتِ حال لشکرِ بادشاه و وزیر

سانحه

حال آن‌که شجاع‌الدّوله، به‌گفتهٔ ناکسان و ناتجربه‌کارانی چند، که در مزاجش تصرّف داشتند، به‌طمعِ صوبهٔ عظیم‌آباد، که اگر به‌یک تگ تگِ پا به‌دست بیاید، مفت است، شاه عالم را با خود گرفته، لشکر به‌آن صوب کشید. کشیشِ عیسائیان، یعنی سردارِ فرنگیان، شهر را محکم کرده، نوشت که "سر بر سر کسی‌که داشتیم، او را زدیم، و ازین ملک بر آوردیم. با نوّاب و بادشاه کاری نداریم. سبب این حرکت معلوم نمی‌شود که چیست. و محرّک سلسلهٔ فتنه و فساد کیست؟ اگر انقیاد منظور است، ما مطیع و منقادیم، حاجت به‌کشیدنِ این رنجِ بی‌فایده نیست. وگر استیصالِ ما به‌گفتهٔ نوکیسگانِ نا فهم، مقصود است، گذر نداریم. مزاج بزرگان حکم سیل تند دارد. به‌هر

جانب که رومی آرد، می‌آرد. ما خسان را چه سر و سامان که سدّ راه توانیم شد. طبیعتِ سرداران را بباد صر صر نسبت می‌کنند. ما که مشتِ خاکیم. چه ساز و برگ داریم که راه برو توانیم گرفت".

نامعامله‌فهمان حضور که بی‌بهره از شعور بودند، نوشتن بازیگری آن‌ها را، محمول بر بددلی نموده، به‌اصرار باعثِ کوچ شدند.

هرگاه تلاقی فریقین در ظاهرِ آن شهر دست بهم داد، فرنگیان بندوق‌ها گرفته در آویختند. مغلانِ غیرت به‌حرام، بر خزانهٔ آقا ریختند. نصرانیان قدم جرأت پیش گذاشتند. عیسی نام چیلهٔ نواب، جسارتی کرد و جان داد. بادشاه چون تماشاییان ایستاده ماند. شکست افتاد. نوّاب که به‌طرفی از اطراف می‌جنگید، توقّف مصلحت ندیده، با معدودی راهِ صوبه پیش گرفت. مسافتِ بعید را به‌یک نیم روزی طی نموده، به‌مقرّ خود رسید. از آنجا نقد و جنس و ناموس به‌ضرورت برآورده، روانهٔ فرّخ‌آباد شد.

اگرچه این عالم دارالجزا نیست، امّا گاهی چنین هم اتّفاق می‌افتد که این شکست فاحش بر این چنین لشکرِ گران، کیفرِ آن بود که به‌قاسم علی خان کرده بودند.

آن‌جا نصرانیان متصرّف خیمه‌ها و آلاتِ حرب وغیره گشته، بادشاه را با خود گرفتند، و به‌آرمیدگی عازم این طرف شدند. در عرصهٔ هشت هفت روز به«اودها» که دارالقرار شجاع‌الدّوله باشد، آمده، شکرانهٔ این فتح که فوق تصوّر آن‌ها بود، مجوّزِ آزارِ احدی نگشتند. بعد از هفته‌ای، بادشاه را دو لک روپیه ماهیانه کرده، به اله‌آباد رخصت کردند که حضرت به‌طور خود باشند. ما دانیم و ملک.

سانحه

در خلالِ همین حال، جواهرسنگه با لشکر جرار، و ملهار که احوالِ او نوشته آمد، به‌دعوی خونِ پدر، بر نجیب‌الدّوله رفته، به‌دهلی چسپیده بود. خلقی از گرانی غلّه به‌جان آمد. قتل و قتال، جنگ و جدال، قریب دو ماه ماند. عمادالملک که در فکر کناره کردن بود، مع ناموس از قلعه[1] برآمده، مردمان زاید را به‌فرّخ‌آباد فرستاد، و خود شریک جواهرسنگه شد. آخر از آمد آمدِ شاه که درین سال تا شاه‌آباد آمد، و از تشویشِ سکهانِ بی‌سروپا برگشت، مسوده‌ها همه باطل شدند، و آن جنگ به‌صلح انجامید. عمادالملک با ملهار پیشِ احمد خان بنگش، که ربطِ درستی داشت، رفت و جواهرسنگه به‌ملک خود آمده، به‌کارهای دیگر پرداخت. سرداران عهد پدر، که به‌خاطرش نمی‌آوردند، بعضی را کشت، و بعضی را مقید ساخت.

• نوّاب عمادالملک به‌این سن کم یگانهٔ عصر است. اوصاف بسیار دارد. چنانچه پنج شش خط به‌خوبی می‌نویسد. شعرِ ریخته و فارسی هر دو با مزه می‌گوید. به‌حال فقیر عنایتی بیش از بیش می‌کند. هرگاه به‌خدمت شریفِ او حاضر شده‌ام، حظّی برداشته‌ام.

سانحه

تبیینِ مقال احوالِ شجاع‌الدّوله آن‌که به‌امّید حمایتِ کسانی که به‌فرّخ‌آباد رحلِ اقامت افگنده بودند، از آن‌ها غیر شماتت و بی‌مروّتی ندید. و ذلّت بسیاری کشید. ناچار با ملهار که احوالِ او سابق مذکور

---

1. رامپور: بهرت‌پور.

شد، طرح سلوک انداخته انبوهی گرد آورد، و به‌جنگ فرنگیان برد. چون مقابلهٔ فِئَتَین شد، بادلیجها از طرفین انداختن گرفتند. دسته‌های فوج دکّن، برای نمود جرأت خود، به‌روی توپخانه رفته، نیزه‌بازی نمودند، و دستِ خونریز کشودند، عیسائیان از سنگر به‌آهستگی برآمده، توپ‌اندازان به‌وضعی در آمدند که چشم دکهنیان ترسید، و ترکی تمام گردید. آن‌چنان دست و پاگم کرده گریختند که گویی در میان نبودند. در دو سه روز به‌گوالیار، که سه منزلی اکبرآباد شهریست حاکم‌نشین، و در تصرّف آن‌ها بود، رسیدند. و حالِ شکسته خود را در چند روز درست کرده آمادهٔ جنگ جواهرسنگه شدند. آن‌جا دعوی شجاع‌الدّوله قطع شد راضی به‌مرگ بوده، تنِ تنها پیش فرنگیان رفت. آن‌ها رو ازو گرفته، دست از همه چیز برداشتند، و صوبجات را به‌طور او گذاشته، به‌عظیم‌آباد رفتند.

هرگاه رفعِ حجاب[1] شد، باز خلعتِ وزارت پوشیده، خلع‌العذار، به‌دارالقرار خود، که اودھ باشد، آمد و نشست.

سانحه

این‌جا دکهنیان تیره روزگار، بافوج بسیار، به‌سرحد جواهرسنگه آمده اکثر دیهات را تاختند و خراب ساختند. جواهرسنگه که دلاورِ مقرریست، از قلعه‌جات برآمده، هشت نه هزار سوار سکهان، که دران ایام دران ضلع آمده بودند، نوکر کرده، رفت و چهره شد. هنگامی‌که جنگ بهم پیوست، آن مدبّران رو باختند، و ایشان با سر و

---

1. رامپور: حجاب بادشاه او.

نهیب پرداختند. چنانچه قریب پانصد کس با سرداری اسیر کرده آوردند، و عرض سپاهی گری آن‌ها بردند، چون ملهار مردِ روداری بود، شکست برشکست خورد، از فرطِ اندوه و غم سه چار منزل رفته، مرد.

به‌همین نزدیکی، رگهناتھ راو که سردارِ مقرری دکهنیان است، با فوج کثیر رسیده، به‌یکی از زمینداران آن طرف سرحد جواهرسنگه چسپید. و موجب فتنهٔ آن ملک گردید. زمیندار مذکور، به‌ایشان رفتگی داشت، نوشت که اگر دکهینان مرا پایمال ساختند، یقین خاطر باشد که به‌ملک شما هم دستِ تصرّف دراز خواهند کرد. آمدن به‌سرحد خود من از واجبات است، و صرفهٔ من نیز درین است. این جوانِ فراخ دامان، با لشکرِ بی‌پایان رفته، این طرفِ چنبل که رودخانه‌ای مشهور است، دایره کرد. دکهنیان دو دِله شده، طرح یکدلی انداختند. هنوز هر دو لشکر محاذی بودند که خبرِ آمدنِ شاه شایع گشت. سرانِ دکّن، که از نام او آب می‌تاختند، جگر در باخته ره گرای اوطانِ خود گشتند. و به‌شکستن قیدِ اساری که در جنگ ملهار بگیر آمده بودند، صلح نمودند. این عزیز بعضی نمک به‌حرامان را، که با دکهنیان در ساخته چها که نمی‌گفتند، گوشمال به‌واجبی داده به‌اکبرآباد آمد.

راجا از قلعه‌جات برای ملاقات او رفت. مرا زیارت مشت خاک پدر و عم بزرگوار، به‌این تقریب باز میسّر آمد. همگی پانزده روز آن‌جا مانده، عنان به‌این طرف بگرداندند.

این بار هم، شاه درّانی تا این طرف ستلج، که رود معروف است، از دستِ سکهانِ پا در هوا، خرابی‌ها کشید و برگشت.

سانحه

• درین‌ولا، جواهرسنگه را، با راجا مادهوسنگه پسر جی‌سنگه، بر امری از امورات زمینداری ناخوشی شد، و رفته رفته به‌نزاع کشید. این جوان جری به‌خرابی ملک او کمر بسته، در ظاهر به‌بهانهٔ ملاقات راجا بجی‌سنگه، پسرِ بخت‌سنگه که احوالِ او رقم زدهٔ کلکِ سحر طراز گردیده، بر بهکر که آبگیرکلانیست، غیرت بحیره، و هنودان غسلِ آن‌جا را عبادت می‌دانند، رفت و در راه اکثر قریات را به‌خاک برابر ساخت. بجی‌سنگه اگرچه جوان بود لیکن رای صایبی داشت، آمده برخورد، و واسطه صلح شد. عهد و پیمان به‌میان آمد رای بهادرسنگه پسرِ کلانِ راجا که جوانِ به‌جرأت و همّت آشناست، درین سفر به‌جواهرسنگه به‌تقریبِ غسل آن آب‌گیر رفته بود. چون جواهرسنگه برگشت، سرداران راجا مادهوسنگه نقصِ عهد نموده، آمادهٔ پیکار شدند. تا دو پهر جنگِ تیر و تفنگ ماند، آخر راجپوتانِ جهالت کیش • از اسپان فرود آمده، دست به‌شمشیرها زدند. پای ثبات اکثری از جا رفت. این جوانِ دلاور دادِ جوان مردی داده، این چنین بلای صعب را برچیده، چون شام افتد، بر هر دو لشکر شکست افتاد. آتش تیز کین از هردو سو زبانه کش است، و رعایا مثل خس و خاشاک می‌سوزد. باید دید که از پردهٔ غیب چه به‌ظهور می‌رسد.

سانحه

چون جواهرسنگه به‌قلعه‌جات آمد و نشست، فوجِ راجپوتان به‌خیرگی تمام دست تاراج به‌دیهات نواح دراز کردند، و به‌استظهارِ دکهنیان آبادی‌ها را خراب نمودند. درین ایام انبوهی از سکّهان،

آن‌طرف آبِ جون بود. رئیس این‌طرف به‌آن‌ها مستظهر شده طرف گشت. کشت و خون به‌میان آمد. عالمی تلف گشت. آخر فوج حریف را از ملکِ خود بدر کرده، سرداران سکّهان را بر روی او دوانید، و رفتن خود مصلحت ندید. این قوم دغل به‌آن‌ها در ساخت و به‌این سردار بدباخت. هرگاه بدعهدی این بِی‌سر و پایان دید، کار بسیار به‌بی‌مزگی کشید. در همین حال، اقبال یاوری کرد، که راجا مادهوسنگه به‌سبب بیماری که داشت، درگذشت. سر کردگان آن فوج ناچار سربه‌سر کرده، برگشتند، و سکّهان بی‌ته از همان راه گذشتند.

سانحهٔ عظیمی

آن‌که درین نزدیکی جواهرسنگه به‌اکبرآباد رفت، و از دست ناکسی به‌یک زخمِ شمشیر جهان فانی را بدرود نمود. ریاست به راؤرتن‌سنگه، برادرِ او رسید. این سیه‌کار مدام شراب می‌خورد، و بر خلق خدا جفا از حد می‌برد. چنانچه در ریاستِ ده ماه با کس و
• ناکس بدباخت. آخر مهوّسی به‌زخم کارد کارِ او ساخت. سرداری
• به‌نامِ پسرِ او کهیری‌سنگه مقرّر شد. اختیار به‌دست نوکران افتاد. کار ابتر شد.

اکنون کار پردازان نول‌سنگه پسر چارمینِ سورج‌مل را، که در
• عرصه نبود، به‌نیابتِ آن طفل برداشته‌اند. اگر از آب خوب برمی‌آید،
• خوب است، وگرنه کار بسیار بی‌اسلوب است. وقتی‌که نفاقِ این قوم به‌طول کشید، و نوبتِ کارپردازی ملک به‌سفها رسید، نول‌سنگه و برادر خورد رنجیت‌سنگه که قلعه کمهیر به‌او تعلّق دارد، هر دو

به‌جنگ برخاستند. قریب پانزده شبانروز جنگِ توپ و بان و تیر و
• تفنگ در میان آمد[1]. چون قلعه استحکامِ واقعی داشت، ناچار
نول‌سنگه به‌درِ صلح زد و گذاشت. هر چند در میان هر دو برادر
• به‌ظاهر صلح و صفا شد، امّا کینهٔ باطنی را چه علاج؟ جیارام که
سرکردهٔ فوج رنجیت‌سنگه و مدارالمهام بود، در لشکرِ دکهنیان که
• دران ایام چار پنج منزلِ آن‌طرف می‌گشتند، رفت. سرداران را ترغیب
• نموده، در ملکِ خود راه داد. همین که حالا کله گوشه به‌آسمان هفتم
• می‌رسانند، به‌حال خراب به‌او آمده زیرِ دیوارِ قلعهٔ کمهیر دایره
کردند. آن قدر دل باخته بودند، که از هر کس می‌پرسیدند: "فوج
نول‌سنگ چقدر است؟ و چه قسم می‌جنگد؟" اگر نول‌سنگه از جای
خود حرکت نمی‌کرد، کار او به‌این خرابی نمی‌کشید، و دکهنیان هم
به‌طریق ضیافت چیزی گرفته می‌رفتند. چنانچه حرکت به‌جانب متهرا
• کرده بودند، که هنگام شب نا آزموده‌کاران نول‌سنگه قریب
• "گوردهن" که آن هم معبدِ هنودان است، آمده پریشان جنگیدند.
صد[2] این‌جا و دو صد آن‌جا، هزاری این‌جا و پانصدی آن‌جا، ازین
جهت هرکه هر جا بود، همان تنها بود. کسی به‌دادِ کسی نمی‌رسید.
نسیم فتح و ظفر بر پرچم علمهای دکهنیان وزید. اسپان و فیلان و
• شتران و آلاتِ حرب بسیار این‌طرف، به‌دست قلعچیانِ آن‌طرف افتاد.
• بر چنین شکست هم نتوانستند که به‌قلع‌جات نول‌سنگه بچسپند.
غنیمت شمرده از رودخانهٔ جون گذشتند و میان دو آب را خیمه آرا[3]

---

1. رامپور: ماند.
2. رامپور: صد و پنجاه دو صد آنجا هزاری این‌جا پانصدی آنجا.
3. رامپور: میان دو آب خیمه‌گاه ساختند.

ساختند، چون اقامتِ ایشان به‌امتداد کشید، نجیب‌الدّوله که از حزم بهرهٔ وافی داشت، باخود سنجید که این بلا بالا بالا نخواهد رفت. مبادا که آسیبی به‌شهر رسد. با پسر و برادر[1] و فوجی که همراه بود، توکّل کرده، پیش سرداران آمد. تا جان در تن داشت نگذاشت که دکهنیان رو به‌سوی شهر کنند. وقتی‌که او از مرض مزمنی که داشت، • از میان رفت، سرداران بر امری از امورات سهل ناخوشی به ضابطه خان پسرِ او در میان آوردند. آخرالامر او واسوخته به"سکّرتال" رفت. ایشان قریب شهر آمده خیمه‌ها زدند.

چون بد پردازی و ناسازی جاتان از حد گذشت و لطف باش و بود بالکلیه رفت، راجا ناگرمل با بست هزار خانه مردم دهلی[2]، که به‌سبب این مرد آباد شده بودند، و اکثر وابستگی به‌دامن دولت این داشتند، برخاستن مقرّر کرد، و اجازت از سردارانِ آن‌جا خواست. مگر آن بی‌چشم و رویان، که هنوز در کمی آزارِ مردم‌اند، چند روز به بلیت و لعل گذرانیده، خواستند که در بنای عزم این سرکرده، خلل انداز شوند، و به‌آهستگی دستِ تطاول کشایند. هرگاه به‌یقین پیوست که اینها نمی‌گذارند، بلکه سدّ راه می‌شوند، راجا نظر بر خدا کرده، آن‌چه لازمهٔ سرداریست، به‌کار برده، با هر دو پسر، به‌جرأت تمام، سوار شد و بیرون قلعه آمده، چنان همت به‌امدادِ غربا گماشت که ناموس نفری هم آن‌جا نگذاشت. از لطفِ دادارِ بی‌همال، و به‌یمن نیت خوب در دو سه روز، مع این قافلهٔ گران، داخلِ کامان که شهرِ

---

1. رامپور: با سه برادر.
2. از رامپور گرفته شد.

سرحدی راجا پرتهی‌سنگه پسرِ مادهوسنگه است، که حالا رئیس او را قرار داده‌اند، گشت. ما تلخ کامان نیز به‌سبب علاقهٔ نوکری و وابستگی درین شهر اقامت گزیده ایم، و می‌بینیم که آبخور چندی • این‌جا نگاه می‌دارد، یا جایی دیگر می‌برد.

سانحه

درین ایام مشهور است که رایات اقبالِ پادشاهی به‌فرّخ‌آباد سایه افگن • گشت. راجا مرا پیشِ حسام‌الدّین خان، که در مزاج پادشاه تصرّف • داشت، فرستاد. رفتم و عهد و پیمان درست کرده آمدم. این‌جا پسر خورد او، که با من خوب نبود، ازان سبب که من با برادرانِ کلانش • ربطِ گونه داشتم، علی‌الرغم به‌پدر فهمانید که پیشِ دکهنیان رفتن اولی است چنانچه به‌لشکر پادشاه نرفتند، و عازم شهر گشتند. ناچار من نیز مع لواحقان خود، به‌رسوایی تمام با ایشان شدم. چون به‌شهر رسیدم. زن و فرزند را در سرای عرب گذاشته، از درِ ایشان برخاستم. • بعد از دو سه روز، با رای بهادرسنگه بر خورده، حقیقتِ حال همه بیان نمودم. آن بابا موافق مقدورِ خود در پرداختِ احوال شکسته‌ام تقصیری نکرد.

درین‌ولا سیندهیا، که یکی از سردارانِ کلانِ دکّن است، پیشوا • رفته پادشاه را با خود آورد، و داخلِ شهر کرد. چندی برین نرفته بود، که سرداران باهم قرار دادند که پادشاه را با خود گرفته بر ضابطه خان، پسرِ نجیب‌الدّوله مرحوم، باید رفت. هرچند پادشاه تعلّل به‌میان • آورد، فایده نکرد. به‌این تقریب من هم، با رای بهادرسنگه همراه لشکر پادشاه روانهٔ آن‌طرف گشتم، رفتند، و ضابطه خان را بی‌جنگ

• گریزانیده، اموال و اسباب و خانه و ناموسِ او به‌تصرّف در آوردند. پادشاه را غیر از دو صد اسپان لاغر و چند خیمهٔ کهنه ندادند پادشاه
• ازین حرکت بسیار بی‌مزه ماند. امّا چه فایده، که دکهنیان مغتر و این‌جا زور نه زر. چون زور به‌آن‌ها نرسید، متصدّیان حضور به‌ضبطِ جاگیرات اعزهٔ این‌جا پرداختند، و بسا عزیزان را ذلیل و خوار ساختند. ازین جهت رای بهادر را نیز دستی نماند.

من به‌گدایی برخاسته، بر در هرِ سر کردهٔ لشکرِ شاهی رفتم. چون به‌سبب شعر شهرتِ من بسیار بود، مردمان رعایتِ گونه به‌حال من مبذول داشتند. باری به‌حال سنگ و گربه زنده ماندم، و با وجیه‌الدّین خان[1] برادرِ خوردِ حسام‌الدّوله ملاقات نمودم. آن مرد، نظر بر شهرتِ من، و اهلیت خود، قدر قلیلی معین کرد، و دلدهی بسیار نمود.

القصّه چون پادشاه از سرکشی رئیسان دکّن دل خوشی نداشت، بی‌مرضی آن‌ها روانهٔ شهر شده، داخل قلعه گشت. این‌جا آمده نجف خان، که خود را در لشکرِ پادشاهی سپاهی می‌گرفت، پادشاه را نا سنجیده، نافهمیده، برین پلّه آورد که محالات متعینهٔ جات را متصرّف باید شد. آخر به‌اصرار تمام اجازتِ این امرِ عظیم بی‌مشورتِ حسام‌الدّوله که با سرداران دکّن ربطِ تمام داشت، گرفته، ده پانزده
• هزار مردمِ مفلوکِ شهر، و بیرونجات گرد آورد، و در شروعِ آن مهم نموده دوازده محالاتِ نزدیکِ شهر را متصرّف شده طرفِ کلاه بر شکست. چون کم سن و نادیده روزگار بود، به‌گفتهٔ سفیهانِ نامآل

---

1. رامپور: وجیه‌الدّوله.

اندیش، از جای رفته، مستعدّ حربِ دکهنیان شد. آن‌ها مشورت کردند که هنوز پادشاه مانا به‌گداست. به‌این زور و طاقت ارادهٔ مقابلهٔ ما کرده است. اگر زور واقعی بهم خواهد رسانید، کار برما تنگ خواهد کرد. بهتر آنست که از دوآبه کوچ به‌طرف شهر نماییم، و فرصت نداده کارِ او بسازیم. اگر در جنگ از میان برود، رفته باشد. وگرنه سر چنگی زده، انبوهِ کذایی را پراگنده سازیم، و خودش را به‌حال فقیران نگاه داریم که به‌نان و نمک معاش می‌کرده باشد و دست نگرِ ما باشد.

هرگاه این مشوره قرار یافت، ضابطه خان را، به‌وعدهٔ بخشی‌گری و سهارن‌پور که از تصرّف او برآورده، به‌بادشاه داده بودند، خوشدل ساخته رفیق نمودند. فوج جات را نیز برین منوال همراه گرفته، از میانِ دو آب به‌تری‌های[1] تمام، در عرصهٔ یک هفته، برابرِ فریدآباد آمده عبورِ دریای پایاب کردند. دو سه روز زد و خوردی ماند. آخر
• روزی جنگ به‌میان آمد. ازین طرف هم نجف خان و بلوچان و
• موسی مدک فرنگی که به‌اغوای نجف خان از نوکری‌جات دست برداشته ملحق این فوج فلک زده گشته بودند، پای جلادت به‌میدان معرکه فشردند. چون سیاهی فوج دکهنیان دیدند، مغلانِ حرام توشه پشت داده، روسیاهی گزیدند، اجل رسیدگانی چند، که جامه هم بر
• تن نداشتند، مفت زخم‌های دامن دار برداشته، به‌وادی عدم شتافتند. دسته‌ای آن طرف میدان را خالی یافته، بی‌محابا به‌شهر درآمد. فیلانِ پادشاهی و یراق بسیاری را بر سرِ گریختگان گذاشته با خود برد.

---

1. رامپور: تیزی‌های.

پریشانی چند، که جمع شده بودند، به‌یک چشمک زدن از میان رفتند. تایک پاس شب گذشته حسام‌الدّین خان با معدودی چند در ریتی استاده ماند، و باز برخاسته، پیشِ بادشاه رفت. قریب نصفِ شب نجف خان نیز مظلومانی چند را بکشتن داده، داخلِ حویلی خود شد. شهر کهنه که جسته جسته آبادی داشت، درین سانحه از سر نو به‌غارت رفت. ما غربا را حافظ حقیقی در حفظِ خود نگاهداشت. صبح جرّارانِ این‌طرف، تابِ مقاومت نداشتند که به‌میدان برآیند. مورچال برابرِ دیوارِ شهر پناه درست کرده، به‌جنگ بادلیجها آن روز گذرانیدند. اقبال پادشاهی کار کرد، وگرنه قلعهٔ مبارک را هم می‌پرّانیدند. سلیقهٔ جنگ و استعداد این طرف همان روز معلوم شده بود، که چون آمد آمدِ فوج دکهنیان شنیده، هوش اکثری رفت، و مردم توپخانه برای تیاری آلات حرب مثل توپ و رهکله و جزایر افتاده، و سرب و باروت و بان، وغیره عرضی به‌حضور اقدس کردند. متصدّیان صد روپیه به‌میر آتش، که از برف خنک تر است، تنخواه کردند. هیئت او، و سبلت او، اگر بینی، دانی که مردان چنین می‌باشند، آن‌چنان در کنجی خزید، که تا جنگ در میان بود، او را کسی ندید. آخر روز سوم، حسام‌الدّوله سوار شده رفت، و صلح دلخواهِ آن‌ها کرده آمد. باری شهر نو سلامت ماند. اکنون به‌اشارهٔ مختار دکهنیان درپی برآوردنِ نجف خان و مغلان حرام[1] کوزه اند. به‌بینم که چسان صورت می‌گردد. این ادبار زدگان چطور از شهر برون می‌آیند و به‌کجا می‌روند.

---

1. رامپور: مغلان و نجف خان حرام کوزه.

القصّه، سیندهیا، که سردار سومین دکهنیان بود، به‌طرف جی‌پور رفت. سرداران دیگر ارادهٔ آن طرف آب دارند. غالب که از راه فرّخ‌آباد به‌جهانسی بروند، ازانجا سببِ آشوبِ مُلکِ شجاع‌الدّوله شوند.

سانحه

چون زبان زدِ مردمِ شهر بود که نجف خان وغیره سرداران، و مغلانِ شوره[1] پشت دعوی تنخواه در سردارند، هرگاه دکهنیان کوچیده می‌روند، این جمّ غفیر بر در پادشه نشسته، متصدّیان را تنگ کرده، زرِ طلب خواهند خواست. لهذا حسام‌الدّوله به‌دکهنیان گفت که "اینها نمک به‌حرام و هنگامه پردازند، به‌هر طوری‌که دانید همّت بر اخراج ایشان بر گمارید" حالا حسب الاشارهٔ او، سرداران جنوب درپی آنند که آن قوم را از شهر برآرند. چنانچه قدغن است که مغلی در شهر نماند.

وقتی‌که این گفتگو به‌طول کشید، و متصدّیان حضور در قلعه رفته نشستند، و مردمِ شهر را بند کردند، در ظاهر آن گروهِ بی‌شکوه تا لاهوری دروازه ملچارها بسته، آتشِ فتنه و فساد برکردند، و به‌باطن با دکهنیان، که بالقوه روکشی آن‌ها نداشتند، در ساختند. چون از هنگامه آرایی کار پیش نرفت، و دیدند که در استادگی کشته خواهیم شد، ناچار مهیای برآمدن شده، با جنوبیان عهد و پیمان • نمودند. بعد از دو سه روز، نجف خان و دیگر سرکرده‌های مغلان، با همه یارانِ خود، در لشکرِ آن‌ها رفته، اهلِ دکّن که صاحب سلوک اند، و مراعاتِ ظاهر را در هیچ وقت نمی‌گذارند، در عزّتِ این ازدحامِ

---

1. رامپور: شوریده.

نافرجام، تقصیری نکردند. امّا آن عزّت که در نوکری پادشاه بود، معلوم! در چند روز این جماعتِ بی‌حقیقت پراگنده می‌شود. هرکس به‌طرفی خواهد رفت. و همین مشهور است که بالفعل دکهنیان این هیئت مجموعی را تا اکبرآباد به‌خود می‌برند، و ازانجا اجازت • خواهند داد، که هرکس هرجا که خواسته باشد برود.

الحاصل، مغلانِ شرارت بنیاد، و جنوبیانِ سراپا فساد، قریب است که بروند، و حضرت ظلّ سبحانی به‌ذات قدسی صفات، با دو سه محرّر، در قلعهٔ مبارک، بی‌تشویش آینده و رونده تشریف دارند. اگر روزی صد بار بر کنگرهٔ حصار جهت سیر برآیند، کیست که حجاب او مانع شود؟ و گر به‌بازا پیاده پا بر آیند، حاجب کوکه «دورباش» نماید؟ اسلوب چنین به‌نظر می‌آید که اهلِ حرفه سر به‌صحرا زنند، و سپاهی پیشگان به‌گدایی دست دراز کنند. هر کسی راهِ خود گیرد، • شهر رونق بسیار پذیرد.

سانحه

تازه آن‌که چون جنوبیان نجف خان را همراه گرفته، رو به‌آن روی آب آوردند، وزیر حال از صوبهٔ خود، به‌استظهارِ نصرانیان یلغار • کرده، به‌فرّخ‌آباد رسید، و روکش گردید. چون سردارانِ جنوب، خود را دران مرتبه نیافتند، که حریفِ آن‌ها شوند، قریب سه ماه به‌قیل و قال گذرانده، خواهان صلح شدند. چون وزیر هم دلاورِ مقرّری بود، غنیمت دانسته قبول این معنی نمود. آخرالامر، نجف خان را مختار کارِ حضور کرده، روانهٔ صوبهٔ خود شد. دکهنیان و مشرقیان هم جواب و سوالِ خود به‌او سپرده، به‌مکان‌های متصرّفه خود رفتند.

• چون نجف خان داخلِ شهر گردید، رنگ از روی حسام‌الدّوله پرید. دو سه روز در خانه نشست. بعد ازان پادشاه در قلعه طلب داشته کاغذ حسابِ چند سالهٔ خود را طلب کرد، و همانجا نگاهداشت. مجدالدّوله[1] عبد الاحد خان، پسرِ عبد المجید خان مغفور، که از کار پردازان مقرّر پادشاهی بود، از تغیر راجا ناگرمل خلعت دیوانی • خالصه پوشیده و به‌کار پادشاهی پرداخت. آخرِ کار[2]، پادشاه حسام‌الدّین خان را که مختارالملک بود، مجبور ساخته، بابت زرِ • پادشاهی و تنخواهِ مغلان، به‌عوض هشت صد لک روپیه، حوالهٔ فتح • علی خان درّانی وغیره نمود (که) او را از قلعه به‌خانهٔ خود برد. حالا مغلان مختار آند. خواه بکشند و خواه بگذارند:

این شامت اعمال قیامت بسر آورد

آن‌چه ظاهر است، حسام‌الدّین خان در حقیقت از میان رفت، چرا که به‌دست دشمنانِ جانی افتاده است، تا مقدور زنده نخواهند • گذاشت، پیشتر اختیارِ خداست که او بر همه چیز قادر است.

احوالِ فقیر از سه سال آن‌که چون قدر دانی در میان نیست، و عرصهٔ روزگار بسیار تنگ است، توکّل به‌خدای کریم که او رزّاقِ ذی القوة المتین است، کرده، به‌خانه نشسته‌ام. ظاهر اسباب با اعزّه‌ای چند، مثل ابوالقاسم خان، برادرِ خورد عبد الاحد خان مجدالدّوله، و وجیه‌الدّین خان برادر حسام‌الدّین خان، و بیرم خان خلف الصدق بهرام خان کلان که در آدمی روشی یکتای روزگار خود اند و

---

1. رامپور: مخبرالدّوله.
2. رامپور: پایان کار.

قطب‌الدّین خان، پسرِ سعدالدّین خان خانسامان، اگرچه سنش کم است، امّا فهم درستی دارد، و خالی از سعادتمندی نیست، و قاضی لطفِ علی خان که آدمیانه می‌زید، گاه گاه ملاقات کرده می‌آید، خواه از دستِ ایشان انتفاعی برسد، یا نرسد، مایهٔ توکّل همین صاحبانند. و گاهی هم این چنین اتّفاق می‌شود که کسی فقیر و شاعر و متوکّل دانسته، به‌طریق نذر چیزی بفرستد، محلّ شکر است. اکثر قرضدار می‌باشم و به‌عسرت تمام بسر می‌کنم"[1].

سانحه

عبد الاحد خان که دیوانِ خالصه شده بود، و در مزاج بادشاه دخلِ تمامی کرد، مختار گشت، و هرچه می‌خواست می‌کرد، کسی را یارای دم زدن نبود، فوج بادشاهی با حالِ تباه، پادشاه بی‌دستگاه، بر سایر شهر و چند ده گذران معلوم. جات که عبارت از اولادِ سورج‌مل باشد، تا درگاهِ حضرت خواجه قطب‌الدّین بختیارِ کاکی که از شهر سه چهار کروه است، متصرّف بود، نجف خان پیش بادشاه عرض می‌کرد که: "حضرت زندگانی به‌این قسم ظاهر است، اگر این ملکی که در تصرّف جات است، به‌دست بیاید نصف دل خوش بسر می‌توان کرد". پادشاه می‌گفت: "مگر خواب می‌بینید. سخن که از دهنِ خود زیاده باشد، چرا باید گفت؟". او می‌گفت: "اگر چنین اتّفاق شود، حضرت مراچه می‌دهند؟". پادشاه گفت: "سوم حصّه از ملک من بگیرم، باقی بخش شماست" چون ادبارِ آن قوم نزیک شد،

---

1. نسخهٔ خطّی رامپور این‌جا به‌پایان می‌رسد.

• روزی فوج آن‌ها به‌میدانِ «گرهی» که قریبِ درگاه حضرت خواجهٔ مسطور علیه الرحمه است، آمد و آغازِ شوخی کرد. نجف خان، با مردمی که یراق هم نداشتند، حرکتِ مذبوحی کرده، به‌روی آن‌ها دوید. آن‌ها که مغرور بودند به‌خاطر نیاورده، زود بردی نمودند. چون جنگ به‌میان آمد، صورتی که متصوّر نبود، جلوه گر شد. یعنی تا شام آن جنگ زدند. مردمانِ پادشاه شب به‌زرعتِ خام معاش کرده، هم آن‌جا اقامت انداختند، و کوسِ شادی نواختند. صبح آن قدم پیش
• گذاشته به‌بلّم‌گرهٔ که حصارِ مضبوطِ آن‌ها بود، به‌فاصلهٔ دوازده کروه از شهر، رفته چسپیدند. چند روز جنگِ توپ و رهکله در میان ماند.
• سردارِ آن‌جا گفت: "از گرفتنِ حصار، جنگِ جاتان تمام نمی‌شود، پیشتر بروید. جنگی که با سرداران است، آن جنگ را بزنید. این حصار را من بی‌جنگ خالی کرده خواهم داد". نجف خان به‌این سن کم، سردارِ سخن شنو بود، دست ازان حصار برداشته، همان سردار را آن‌جا گذاشته، ارادهٔ پیشتر نمود. چون قریبِ هودل، که قصبهٔ متصرّفه جاتان بود، رسید، کار به‌دشواری کشید. یعنی فوج سنگین ازان طرف آمده بر رو ایستاد. کارِ کلانی بر سر افتاد. سردارِ جاتان، که نول‌سنگه نام داشت، با لشکرِ گران و توپخانهٔ بسیار آمد و چهره شد. هنگامهٔ جنگ گردید. فلک جامه‌های بسا کس به‌خون کشید، رفته رفته زمین به‌تنگی گرایید. پرخاش به‌یراق کوته انجامید. مردمان پادشاهی از کثرت فاقه‌ها، و تباهی، دست از جان‌ها برداشته، پای ثبات افشردند، و سخت خوردند، و مردند. چون فتح به‌ادبارِ آن قوم بود، سرداران
• پیاده شده، کار را پیش بردند. آن فوج گران، هزیمت خورده برگشت.
• سمرو نام فرنگی که با توپ و رهکله آن طرف به‌جرأت تمام

دیری ایستاده ماند، آخرِ روز آن هم رو به‌فرار نهاد. نجف خان که این کارِ بزرگ به‌سرداری او سر انجام یافت، کلاه کج کرد. هرکه این ماجرا شنید خیلی متعجب گردید. سردارِ جاتان به‌حصار خود رفت، و بر بستر افتاد. این جا بر نجف خان مردم بسیاری گرد آمدند. رئیس کلانی شد. چون زر پیش خود نداشت، مردمان را به‌زبان نگاه‌داشته، هر کسی‌که می‌آمد، نوکر می‌شد. در چند روز لشکر حکم دریای بیکران پیدا کرد. اگرچه کنارِ خشک داشت، امّا به‌تر زبانی خود کار می‌کرد. چون دید که به‌سخن‌های دروغ فوج نمی‌ماند، جگر کرد، و سرداران را به‌محالات جات فرستادن آغاز کرد. آخر این نقش درست • نشست. خودش رفته به حصارِ دیگ که از آنجا دوازده کروه بود، چسپید. سردارِ آن طرف که بیمار بود، قضا را درگذشت. آن‌ها رنجیت پسرِ چهارم سورج‌مل را برداشته، همّت بر جنگ گماشتند. داروغهٔ توپخانهٔ آن قلعه، به‌سردارانِ این طرف سازشی کرده، راهِ درآمد حصار نشان داد. مردمان یورش نموده درآمدند، و به‌غارت شهر منتفع شدند. هرکم بغل دو بغل تاش بادله آورد. اسبابِ بسیار، و • توپخانهٔ بی‌شمار به‌دست نجف خان هم آمد. قلعچیان این فوج مالدار شدند. بعدِ غارت هفت هشت روز آن قلعه را حوالهٔ سرداری کرده، قدم پیش کشاد. کمهیر که حصارِ دیگرش بود، قصدِ آن‌جا نمود. رنجیت که سردارِ آن قوم شده بود، آن قلعه را خالی گذاشته، و آلاتِ جنگ یک شاخ افگنده، به بهرت‌پور، که حصارِ محکمی است، رفت. ایشان متصرّف این شهر نیز شدند، و مالِ بسیاری به‌دست سپاهیان آمد. ناچار جاتان پیغام صلح دادند، و کشوری که مادرِ رنجیت باشد، • و از شعور بهره‌ای داشت، آمد و آشتی خواست. نجف خان،

بهرت‌پور را به‌اینها داده، و کار بر وقتِ دیگر گذاشته، به‌اکبرآباد، که دارالسلطنتِ مقرّریست، و جاتان متصرّف بودند رفته، مهیای جنگ آن قلعه شد. چون اقبال یاور بود، در اندک فرصت نقب داده، به‌دست آورد. سرداری را که از طرفِ جاتان دران تمکّن داشت، به‌وعده و وعید به‌در کرد. با مردمان آن‌جا سر کرد، و تمامِ آن صوبه را متصرّف گشت. به‌هرکه می‌خواست، محالات آن‌جا تنخواه می‌کرد. در چندی مالک تمامِ آن ملک شد. راجه‌ها و زمینداران همه سر حساب شدند. اگر جاتان حرکت مذبوحی می‌کردند، به‌یک سیلی زدن باز روی این طرف نمی‌آوردند.

• هرگاه نجف خان مالک این همه ملک شد و کار او بالا گرفت، و در حضور با عبد الاحد خان لکد برابر زد، یعنی مدارِ سلطنت بران قرار گرفت. پادشاه از نجف خان موافق وعده، سوالِ سوم حصّهٔ ملک نمود. او در حضور آمده گفت که: "این همه فوج که بامن است، ملک تنخواه مردمان کرده، داده‌ام. حضرت زرِ سوم حصّه ملک از من می‌گرفته باشند" پادشاه از زبان زیر زبان داشتنِ او اطمینان نداشت. گفت: "این قدر ملک باید گذاشت کش زدنِ مردانهٔ او، پیش زورآوری عبد الاحد خان پیش رفت نشد. ناچار محالاتِ سوم حصّه ملک، به‌طور مختار جدا کرده داد. و خلعت میر بخشی‌گری عطا شد. امیرالامرا شد. بعد از چندی از حضور رخصت خواسته به‌اکبرآباد رفت.

این‌جا عبد الاحد خان سکّهان را از خود کرده، هرچه بالقوه • داشت به‌آن‌ها داد. به‌اعتمادِ آن جمّ غفیر، پادشاهزادهٔ فرخنده اختر را گرفته، به‌راجهٔ پتیاله لشکر کشید. ته دلش این‌که اگر اتّفاق شود

سکهان را به‌روی نجف خان باید دوانید. آن طرف می‌رفت و خیال این طرف داشت. رفته رفته کار به‌آن‌جا کشید که مردم بسیاری از • لشکر امیرالامرا جدا شده ملازم مختار گردیدند. چون ملک دار نبود، و تدبیر ریاست خوب نمی‌دانست، کارها را ناتمام می‌گذاشت. چندی بسر کرد، و به‌مشورت سکّهان با راجا سر بسر کرد. زری که داشت به‌خرچ آمد. چیزی از پادشاه خواست. شاه از طلب کردنِ زر بیمزه شد، و نوشت که به‌هر طوری‌که باشد آن‌جا باشید. من زر ندارم".

سانحه

وزیر اعظم، امیرِ معظّم، نوّاب شجاع‌الدّوله که سر به‌فلک داشت، • به‌جنگ حافظ رحمت روهیله، که با او دم همسری می‌زد و خصومت می‌کرد، برآمد. حریف از راه خصومت به‌فرنگیان می‌نوشت "وزیر که این همه فوج نگه می‌دارد سر بر سرِ شما دارد". چنانچه گورنر بهادر که صاحب است، به‌ارادهٔ پرخاش پیشتر آمده بود. نوّاب وزیر که مراعاتِ این قومِ غالب بیش از بیش می‌نمود، تنها پیش آن‌ها رفت و گفت: "من پاس شما می‌کنم، و از کسی دیگر فروتنی نخواهم کشید. درین هرچه خواسته باشد، بشود. یا مرا همراه به‌کلکته ببرند، یا ملک را به‌طور من گذارند.. فرنگیان سلوک وزیر دیده، دست از همه چیز کشیده، کرا و اله‌آباد را هم حواله کرده، رفتند. سپهر کا سه باز چرخ زدن آغاز کرد، و زمانه دیگر گشت.

هرگاه وزیر از آنجا برگشت، اکثری از فرنگیان مقدّمة الجیش وزیر شده، جنگ را به‌طور خود مقرّر کردند. چون چشم روهیله‌ها

ازین لشکر، آن که حکم دریای بیکران داشت، ترسیده بود، ضابطه خان و سردارانی چند به‌جمعّیت ده دوازده هزار کس، الف بر زمین کشیده اظهار این معنی نمودند که ما مردم دولت خواهانیم، سرتابی نمی‌توانیم کرد. وزیر اعظم نظر بر فضلِ نا متناهی الهی گفت که: "پس پشتِ فوج استاده باشند". اگرچه بعضی از سرکرده‌ها گفتند که "این قوم غدّار است. رو نباید داد. مبادا در وقتِ جنگ موجبِ تشویش شوند" و چون وزیر جگر دار واقعی بود، پشت چشمی نازک کرده گفت که: "زورِ این‌ها را در نظر دارم. به‌یک تگ تگِ پا به‌خاک درآرم".

صاحبزاده آصف‌الدّوله بهادر، که حالا وزیر اعظم است، در تردّد کارزار سر گرم بسیار. به‌هر طرف که رومی آورد، گرد می‌انگیخت. زنجیرهٔ توپخانه به‌زورِ تیغ می‌گسیخت. وقتی‌که هنگامهٔ جنگ گرم ترشد، حریف که غرقِ آهن بود، از موم نرم تر شد. گوله‌ها به‌این بسیاری می‌رسیدند که بسیاری را به‌خاک و خون می‌کشیدند. چون زمین تنگ شد، حریف دید که گذر و گریز نیست ناچار جگر از سنگ کرده، درمیدان به‌ایستاد، و دل از جهان برداشته، تن به‌مردن داد. زود بردی به‌میان آمد، و انبوهِ آن طرف به‌جان آمد. هوش از سر دِلاوران پرید. گوله به‌سینه‌اش رسید. صفوف‌ها برهم خوردند. سرِ دشمن چون گوی بردند. هرگاه درین لشکرِ ظفر اثر آوردند و نمودند، روهیله‌ها زبان به‌تصدیق کشودندکه هر عمل را جزایی، و هر کرده را سزایی است. چون یقین شد که او کشته افتاد شکرانهٔ این فتح، وزیر سر به‌سجده نهاد. لشکرش به‌غارت رفت و ناموس بگیر آمد. ملک سیر حاصل او همه در تصرّف وزیر آمد.

نجف خان، که درین جنگ از اکبرآباد آمده ملحقِ لشکرِ وزیر شده بود، رخصت شده باز به‌اکبرآباد رفت.

فقیر دران ایام خانه‌نشین بود. پادشاه اکثر تکلیف کرد، نرفتم.

• ابو القاسم خان پسر ابو البرکات خان که صوبه‌دار کشمیر بود، و بنی عمّ عبدالاحد خان مختار است، مراعاتِ گونه به‌کار می‌برد. گاه گاه به‌او ملاقات می‌شد. گاهی پادشاه هم چیزی به‌چیزی می‌فرستاد:

مصرعـه‌ای گاه گاه می‌گویـم
کارِ دنیای من همین قدر است

بعد این فتحِ عظیم، وزیر اعظم امیر معظّم، به‌شکوهِ تمام داخلِ صوبه شد. چون چشم سپهر به‌دنبالِ اهل روزگار می‌باشد، گویی که چشمی به‌این ابنوه پرشکوه رسید. یعنی دستورِ جگردار، کلان کار،

• به‌سبب آبگردش بیماری بهم رسانید که تدارکش دشوار به‌نظر می‌آمد. هرچند اطبّا و فرنگیان به‌معالجه سعی نمودند، امّا فایده‌ای مترتب نشد. از هشیار سری چون دید که بیماری به‌طول کشید، خلف الصدق آصف‌الدّوله بهادر را، که شایسته کار، و جرّار، و عالم مدار، و مدورِ فیض و احسان است، بر مسندِ وزارت نشاند، و از جهانِ فانی دامن افشاند. در ماتم آن امیرِ بزرگ عالمی سیاه پوش گردید. عجب سانحه به‌ظهور رسید. اگر هزار سال چرخ چرخ می‌زند، تا این چنین جوان سرداری همه تن جرأت، سراپا مروّت بهم می‌رسد.

بعد از چندی، مختارالدّوله، که اختیارِ کاروبارِ وزارت و صوبه‌داری داشت، زمانه‌اش فرصت نداد، و نگذاشت. از دستِ

• خواجه سرایی بسنت نام، کشته افتاد، و سر به‌وادیِ عدم نهاد. نوبتِ

نیابت به حسن‌رضا خان سرفرازالدّوله بهادر رسید. و این سرداریست با تمکین، متواضع، متّصف به حسن خلق، صفتِ کرم بر صفتهای حمیده‌اش غالب. دلجویی وضیع و شریف را به‌حسن سلوک طالب، الطاف عمیمش مرا چه، اکثری را دریابد. خداش سلامت دارد.

سانحه

پادشاه از طلب کردنِ زرِ مختار بی‌مزه شده، به نجف خان ذوالفقارالدّوله نوشت که خود را به‌هر طوری‌که داند، این‌جا رساند. او به‌ایمای پادشاه شیرانه و دلیرانه روانه حضور گردید. از استماعِ این خبر که امیرالامرا می‌آید، سرکن پرکن به‌انبوهِ سکهان مع پادشاهزاده، عبد الاحد خان به‌آهو سوار شده، دو روز پیشتر از نجف خانِ مسطور، داخل شهر گشت و در قلعه بند و بست کرده نشست. شوری برخاست که ذوالفقارالدّوله آمد. بادشاه همین مختار را برای • پذیرا شدن گفت. به‌تزکِ تمام رفت و ملاقات کرد. وقتِ سوار شدن هردو بریک فیل نشستند. نجف خان، عبد الاحد خان را دو رو و منافق دانسته به‌زبان داشته، تا دروازهٔ قلعه به‌نرمی تمام آمد. ازین جا اشارتی به‌مردمانِ خود کرد که (با) توپ و رهکله و فوج من بلاتحاشا اندرونِ قلعه بروند و جابجا ایستاده شوند. هر چند تفاوت میان هر دو یک پشتِ کارد بود، اگر می‌خواست کارِ مختار می‌ساخت. امّا نظر بربندگی بادشاه، که این هم بنده است، مرضی بادشاه را اوّل دریافت کنم، بعد ازان هرچه خواهد شد، خواهد شد. چون به‌این هنگامه پیش بادشاه آمد و ملازمت کرد، دید که آقا دل پُری دارد، می‌خواهد که این را نگذارد. از آنجا برگشته در میان بازار

ایستاد و عرضی فرستاد که من از لحاظ حضور دست انداز نشدم، اکنون تا ازین‌جا عبد الاحد خان را با خود نبرم، نخواهم رفت. پادشاه در ظاهر گفت و شنود به‌میان آورد، و به‌باطن گفت که به‌هر • طوری‌که باشد این را باید برد. چونِ مردمان مختار مجبور شده رفته بودند، و سکّهان یکسو شدند، ناچار قول و قسم به‌میان آورده، که نجف خان با من بد نکند، و خواهان عزّتِ من نباشد. پادشاه گفت: من ضامن، شما بی‌اندیشه روید" چون چاره‌ای ندید، و زمانه را • به‌طور دیگر یافت، آخرِ روز بریک فیل سوار شده، از قلعه برآمد. امیرالامرا که در بازار انتظار می‌کشید، خود هم سوار شده، فیل این را • برابر فیلِ خود کرده، به‌خانه برد و آن‌جا نگهداشت. چند روز به‌لیت و لعل گذرانید که امرزو پیشِ بادشاه می‌روم، فردا می‌برم بعد از آن گفته که آن‌جا رفته چه خواهند کرد، بهتر این است که پیش من باشند. لیکن بر مال و اموالِ او دست انداز نشد. بیست روپیه روز از خانهٔ خود کرده، و چند خدمتگار پیشِ او گذاشته خود به‌امورات ملکی و مالی حضور مشغول شد. رفته رفته کار به‌جایی کشید که سر به‌فلک رسانید، به‌سبب مرجعیت و علوء مرتبت، امیران را وقت مجرا به‌دست نمی‌آمد. روزی که به‌حضور می‌آمد، دربار می‌شد، وگرنه بادشاه با چند مصاحب بسر می‌کرد. چون جوان بود، و شاهجهان‌آباد • طلسم خانه، یاران به‌عیش و عشرتش مایل کردند. به‌استعمالِ منهیات • و تماشای زنان چنان پرداخت که قوّت از بدن زایل شد. آخر به‌مرضِ سل گرفتار شد. اطبّاء کوشش بسیاری در علاجِ او به‌کار بردند، امّا فایده‌ای مرتّب نشد. چون مایوس شد، به‌حسرت می‌گفت که "من هیچ نمی‌خواهم، جز این قدر که زنده بمانم". در بیماری او

زمانه رنگِ دیگر گرفت.

فقیر که خانه‌نشین بود، خواست که از شهر بدر زند. از جهت بی‌اسبابی حرکت متعذر بود. برای نگهداشتنِ عزّت من، در خاطر نوّاب وزیر الممالک، آصف‌الدّوله بهادر آصف الملک گذشت که میر پیش من نیاید، به‌طلبم. نوّاب سالار جنگ پسرِ اسحاق خان • مؤتمن‌الدّوله و برادر خرد نوّاب اسحاق خان نجم‌الدّوله، که خالوی وزیر اعظم می‌شوند، نظر بر ربطِ قدیم که خالوی مرا به‌ایشان بود، گفتند: "اگر نوّاب صاحب از راه عنایت، جهتِ زادِ راه، چیزی عنایت نمایند، میر البتّه بیاید" اشارتی رفت که چنین باشد. ایشان چیزی از سرکار گرفته، خطّی به‌من بنوشتند که "نوّاب والا جناب شما را می‌خواهد، باید که به‌هر طوری که دانند، خود را درین جا برسانند". من که دل برداشته نشسته بودم، به‌مجرد دیدنِ خط، برخاستم و روانهٔ لکهنؤ شدم. چون ارادهٔ الهی متعلّق بود، بی‌یار و یاور، و بی‌قافله و رهبر، در چند روز، از راهِ فرّخ‌آباد گذر افتاد.

مظفّر جنگ که رئیس آن‌جا بود، هر چند خواست که چندی پیش من بمانند، دلِ من آن‌جا آب نخورد. بعد از یک دو روز، روانه گردیده، به‌منزل مقصود رسیدم. اوّل به‌خانهٔ سالار جنگ رفتم. ایشان، خدا سلامت دارد، عزّت بسیاری نمودند، و آن‌چه می‌بایست به‌جناب بندگانِ عالی گفته فرستادند.

پس از پنج چار روز، اتّفاقا نوّابِ عالی جناب، به‌تقریبِ جنگانیدنِ خروس تشریف آوردند، من که آن‌جا حاضر بودم، ملازمت حاصل نمودم. از فراست در یافته فرمودند، که "میر محمّد تقی است". به‌عنایتِ تمام بغل گیر شده، با خود در نشینه بردند و

شعرهای خود مخاطب نموده خواندند. گفتم «**سبحان الله.کلام الملوک ملک الکلام**». از فرطِ مهربانی مکلّف من هم گردیدند. آن روز چند شعرِ غزل التماس نمودم. وقتِ برخاستن نوّاب سالار جنگ گفتند که: "حالا میر حسب الطلب آمده است، بندگانِ عالی مختار اند، جای برای ایشان نمایند، و هر وقتی‌که خواسته باشند، طلب داشته صحبت • دارند". فرمودند: "من چیزی معین کرده پیشِ صاحب می‌فرستم". بعد از دو سه روز، یاد فرمودند. حاضر شدم. و قصیده‌ای که در مدح گفته بودم، خواندم. شنیدند و به‌لطف تمام در سلک بندگان منسلک گردانیدند، و عنایت و مهربانی به‌حال من مبذول دارند.

بعد از آمدنِ من این‌طرف، آن‌جا که نجف خان بر بستر افتاده • بود، فوت کرد. کار و بارِ حضور درهمی پذیرفت. غلامانِ او مثلِ • نجف قلی خان و افراسیاب خان و دیگر سرداران هر کسی به‌طرف خود کشید. چندی کشاکش در میان ماند، آخر مرزا شفیع که از برادران او بود، و برای تنبیه سکّهان فوج کشی می‌کرد، به‌اشارهٔ حضور حاضر شد، و عبد الاحد خان را عموی خود قرار داده، از قید رها کرد و دیوانی خالصه دهانید، و خود بر مسندِ ریاست نشست.

سانحه

چون سفّاک و جرّار بود، هر یکی ازو خطرمند می‌ماند. از سرکشی غلامان نجف خان بی‌مزه شد. در شهر طرحِ جنگ انداخت، و نجف قلی خان را اسیر ساخت. افراسیاب خان آمده، در ظاهر به‌مرزای مذکور پیوست. چون دولتِ این بابا مستعجل بود، چند روز نکشید • که لطافت خواجه سرایی، که از طرف وزیر الممالک به‌حضور

• می‌بود، و فی الجمله زوری هم داشت، و فرنگی از اقربای سمرو فرنگی، باهم ساخته، هیچ گاه او را یافتند، درد از بر تافتند. پادشاه را نیز فهمانیدند که این عزیز بی‌تمیز است. چون آش او پختند، و او هم خبر شد، یک آش پختن صبر نکرده، از شهر بدر زد، و
• عبدالاحد خان را با خود برد تا خبردار شدند، خبر او نیافتند. پادشاه شقّه‌ها به‌مردمان شهر و اطراف نوشت که هر جا که بیابند نگذارند و به‌حضور بیارند. نوشته‌ای به‌سردارِ بلَم‌گرِه نیز رسید. اتّفاقاً این آن‌جا رفته فرود آمده بود. سرداری آن قطعهٔ نوشته را نمود. مضطرب گردید. عبد الاحد خان را پیشِ او گذاشت، و خود راه گریز اختیار کرد. یک منزل، دو منزل، پیش رفته متوقّف گشت. در اکبرآباد که
• احمد بیگ همدانی تسلّط داشت، به‌او عهد و پیمان درست نموده، به‌جنگ یاران حضور مستعد ساخت. او با بست هزار کس همراهِ او
• شده روانه گشت. این‌جا فرنگی، و خواجه سرا، و دیگر اعزّهٔ بادشاه را از شهر برآورده، خیمه بر لب دریا ایستاده کردند. غافل از ریسمان تابیدنِ او که تا قتل همراه است، به‌طنطنهٔ تمام قریب رسیدند. پادشاه چون دید که کارِ او بالاست، لطافت علی خان خواجه سرا، و فرنگی را بری آوردنِ او پیش فرستادند. آن‌ها دویدند. خواجه سرا را گرفتند، و فرنگی را کشتند. پادشاه به‌جرأت تمام خود را نگهداشت. زورِ آن‌ها نیز پیش نرفت. به‌جواب و سوال پرداخته، بسیار کسان را به‌وعده و وعید از خود ساختند. هرگاه دیدند، که پادشاه بی‌جنگ و جدل به‌دست نمی‌آید، عبد الاحد خان را در میان داده، قول و قسم
• به‌کار بردند، و اظهارِ رسوخ و بندگی نموده، از خیمه به‌قلعه آوردند.
• نجف قلی خان و افراسیاب خان و عبد الاحد خان یکدل شده به‌کارِ

• پادشاهی دخل کردن آغاز نهادند. با همدانی، که مرزا شفیع وعده و وعید داشت، هیچ نداد. او چند توپ و رهکله گرفته روانهٔ اکبرآباد گردید. این‌جا بعدِ چند روز افراسیاب خان به‌محالاتِ خود رفت، و
• مرزای مذکور با نجف قلی خان در شهر جنگیده، او را به‌دست آورده
• پیش بیگم که همشیرهٔ نجف خان است، فرستاد. و عبد الاحد خان از
• خانهٔ خود آمده، به‌چرب زبانی بازکارِ خود را پیش برد. بیگم مسطور شفیع شده، نجف قلی خان را وارهانید، و به‌جایداد روانه ساخت.
• رفته رفته تسلّط مرزا شفیع خوب شد. بیرونِ شهر آمده متوجهِ ملک‌گیری گشت. چون همه‌ها ازو دل‌جمعی نداشتند، افراسیاب آمده، همدانی را آورد، و مقرّر کرد که مرزا برای دل‌دهی همدانی به‌خیمهٔ او بیاید. آوردند، و به‌غدر او را کشتند. بعد کشته شدنِ او دورِ
• افراسیاب خان شد. کارِ ریاست به‌او رسید. همدانی باز به‌مکان‌های خود رفت. ایشان در حضور امیرالامرا شده، به‌کارِ پادشاهی مختار گشتند.

سانحه

این‌جا وزیر اعظم امیرِ مکرّم، برای پذیرا شدنِ گورنر بهادر، که از
• کلکتّه حسب الارشاد می‌آمد، و غالبِ این تمام ملک او بود، روانه شدند. گَرد فوج تا آسمان می‌رسید. این سفر تا اله‌آباد کشید. از آمد آمدِ صاحبِ مسطور، سرداران این ضلع همه سرِ حساب شده، مهیای دیدنِ او شدند. یک منزل پیشتر با نوّابِ گردون جناب، ملاقات شد. از آنجا با خود در لکهنؤ که محل سکونت است، آوردند. و در هر منزل ضیافتی جدایی اتّفاق می‌افتاد، و خیمه‌های نو و طعام‌های
• خوب، و اسپانِ ترکی و تازی، و فیلانِ کوه پیکر، کشتی‌های پوشاک،

و جواهر بیش بها، و شربت‌های خوشگوار، میوه‌جات لاتحصی، تحفه‌های نغز این‌جا، شمشیرهای جنوبی و مغربی، و کمان‌های چاچی هرگاه در دار القرار لکهنؤ آمدند، و داخلِ دولت خانه شدند، فرش بوقلمون هر روز، در گوشه‌هایش طلای لخلخه سوز. اطراف مکان گلاب پاشیده، بستر خواب مالیده، لباس بوی خوش برداشته، فروش مخمل پاگذاشته، دیوارهای سیم گل کرده، ایوان‌های مرتّب بخچی و پرده. بهارِ عنبر طرفه بساطی گسترده، مکان گوی از بهار بند برده. پسته و بادام بو داده. نُقلِ فرنگی برای تنقّل نهاده. شب‌ها رقص زنانِ پری‌وش. نی نی از حورانِ بهشتی هم دلکش. گلدان‌های شیشیه و چینی به‌سلیقه چیده. طاق‌ها پر از میوه‌های رسیده. رقصِ فرنگچی. تماشای خوشی، خانه جای خوشی. هوای خوشی. شام سیم بندی کرده، آتش‌بازی می‌آوردند. ستاره و هوایی سر به‌فلک می‌زدند. تماشای چراغان دل از دست ربودی. مهتابی شب را روز می‌نمودی. سایبانِ زر بفت به‌این خوبی کشیده که دیدهٔ خورشید مثلَ او ندیده. امیران سرگرم پاسداری. راجه‌ها در خدمت گذاری. مدح خوان شاعران مربوط. جوانانِ مضبوط. در هرخانه دار بست خوب ظل ممدود و ماءِ مسکوب. نرگس دانها برابر، جلوه‌پرداز چون باغ به‌نظر. برف به از سیم مذاب. خوب برآمد از آب. گل‌های فالوده الوان. شربتِ آن شیرهٔ جان. اقسام نان در وقتِ طعام. نانِ بادام به‌نزاکت تمام. شیرمال، باقر خانی، بر خورشید گرم نواخوانی. نان جوان به‌آن گرمی و خوبی بود، که پیر از خوردِ آن پیر افشانی می‌نمود. نان ورقی چنان که اگر وصفش کنم دفتر شود. نانِ زنجبیلی که ذایقه از دَرکش محظوظ تر شود. انواعِ قلیه و دو پیازه در میان

نهاده. نان مهمانان همه به‌روغن افتاده. اقسام کباب بر دستار خوان کشیده. کبابِ گل به‌خوبی و تازگی رسیده. کبابِ خوش نمک هندی، دل‌های را از دست می‌برد. کبابِ قندهاری امزجه سوی خود می‌آورد. کبابِ‌سنگ از سختی کشیدگان راه کوفت زایل می‌کرد. کبابِ ورق عجب نسخهٔ برشته بود که طبایع را مایل می‌کرد. کبابهای متعارِف همه با مزه و با نمک. قاب‌ها ده ده گذاشته پیش یک یک. پلاؤها انواع و آشها اقسام. عجب آش در کاسه.

مهمانی به‌این وفور، میزبانی همچو دستور، مهمانی به‌این شوکت، میزبانی به‌این دولت، مهمانی به‌این حسن اخلاق، میزبانی به‌این ریاستِ آفاق، مهمانی به‌این خوبی و خوش معاشی، میزبانی چون خورشید به‌این زر پاشی. مهمانی به‌این عقلِ کامل، میزبانی به‌این لطفِ شامل، چشم روزگار ندیده، و گوشِ عقلا نشنیده. بدین گونه روز و شب تا شش ماه گفت و شنود و باهم معاش و مشورت و صحبت بود.

هرگاه این خبر به‌حضور رسید، هر یکی از امرایان آن‌جا به‌فکر خویش افتاد. عبد الاحد خان کسان را این‌جا فرستاد، با فرنگیان ساخت. افراسیاب خان وغیره را گمان شد که فرنگی این‌جا خواهد آمد. چون زبردست است، بادشاه را به‌طور خود نگاهداشته آشِ ما
• خواهد پخت، بهتر آنست که پادشاه را به اکبرآباد ببریم، ومردمان را
• گرد آوریم، و مرهته که متصرّف رانای گوهدواله است، از آن خود کرده پیغام با فرنگی کنیم. اگر جنگ اتّفاق افتد، افتد. وگرنه ازین دبدبه همانجا باشند. چنانچه پادشاه را برآورده، به‌اکبرآباد رفتند و در
• راه عبدالاحد خان را محبوس ساختند.

سانحه

وقتی‌که به‌شهر مسطور رسیدند، پادشاهزادهٔ جوان بخت از آنجا • گریخته، پیشِ نوّاب وزیر و فرنگی آمد. مضطرب با مرهته عهد و پیمان درست کردند. او جانب ایشان گرفته، گفت و شنود فرستادنِ شهزاده در میان آوردند. این‌جا فرهنگی به‌زبان داشته، کار ملکِ خود که کلکتّه باشد، مدِ نظر داشت.

بعد چندی، پادشاهزاده را همراه گرفته، از وزیر الممالک رخصت شد و رفت. هنگامِ وداع، به‌مردمان صاحبِ نوّاب والا جناب، چنان انعام بی‌احصا مبذول داشت که در قیاس نگذرد. به‌هر کس اسپ و فیل و قبایی. به‌هر بی‌سر و پا سراپایی.

چون صاحب از راهِ دریا متوجّه شد، و وزیر به‌دارالقرار خود آمد، مرهته و افراسیاب خان با محمّد بیگ همدانی ارادهٔ پرخاش کردند. او هم سر فرود نیاورده، به‌جنگ اینها ایستاد و در همین اثنا کسِ میر زین العابدین، برادرِ مرزا شفیع، خنجری به‌افراسیاب خان • حواله کرد. بعد از دوچار روز مرد. حالا سرداری در حضور نیست. • پادشاه بی‌زور است. غالب که دور دورِ مرهته شود.

بعدِ این سانحات، فوجِ مرهته، و محمّد بیگ همدانی، با هم • جنگیدند. چون دست برو نیافتند، غدر کرده همدانی مذکور را بگیر • آوردند. این‌جا صاحب که پادشاهزاده را باخود برده بود، رخصت کرد. چنانچه برگشته آمده‌اند. یا در اطرف می‌مانند، یا پیش پادشاه می‌رسانند. بالفعل سایهٔ دولتِ نوّابِ عالی جناب می‌گیرند. آن‌چه ایشان می‌گویند، می‌پذیرند.

این‌جا فقیر با نوّابِ عالی منزلت است. در دعا گویی ایشان بسر

می‌کند. بندگانِ عالی برای شکار تا بهرایچ رفتند. من در رکاب بودم.
• شکار نامه‌ای موزون نمودم. بارِ دیگر باز برای شکار سوار شدند، تا دامنِ کوهِ شمالی تشریف بردند. اگرچه مردمان از نشیب و فراز این سفرِ دور و دراز سخت خوردند، لیکن شکاری چنین، و فضایی چنین، و هوایی چنین ندیده بودند. بعد از سه ماه به‌دار القرارِ خود آمدند. فقیر شکار نامه‌ای دیگر گفته به‌حضور خواند. دو غزل از غزلهای شکار نامه انتخاب زده، خود به‌دولت مخمّس کردند. به‌خوبی‌ای که می‌بایست. و در زمینِ غزل پسند افتاد، غزل دیگر فرمایش نمودند. آن‌هم از فضل الهی گفته شد. زبانِ مبارک به‌تحسین کشادند، و دادِ سخنوری داند.

درین ایام به‌سبب آبگردش بعدِ عشرهٔ محرّم الحرام (خللی) در مزاجِ عالی شد استعلاج نمودند. نصیبِ اعدا به‌طول کشید. عالمی از خیر و خیرات بهره‌اندوز شد و هر کسی دست به‌دعا افراشت. حکیم مطلق، و شافی برحق، شفا داد. برما و بر عالمیان منت نهاد:

الهی تا جهان باشد تو باشی

سانحه

چون در حضور پادشاه از غلامانِ نجف خان که مسلّط بودند، کسی
• نماند، مرهته که قریب بود، تسلّط بهم رسانیده کوسِ لمن‌الملک زد. پادشاه مرهته را مختار ساخت و روهای مردمان نجف خانی به‌خاک انداخت. اکثر مشوره به‌او دارند. و امورات را به‌طور او می‌گذارند. فوج مرهته به‌شاهجهان‌آباد هم رفت. زبان زد است که تسلّط یافت. سکّهان که اطراف شهر را می‌تاختند، حالا سر حساب شده‌اند. چراکه

کمان دکهنیان نمی‌توانند کشید و به‌گرد میدان داری اینان نخواهند رسید. پادشاه، بیرون شهر اکبرآباد خیمه داشته، پس از چند روز روانهٔ دهلی شدند. عبد الاحد خان را در علی‌گره، که در تصرّف همشیرهٔ نجف خان است، اکثر مردمان نجف خان دران قلعه جمع‌اند، فرستاده مقیّد ساختند، مرهته مالک‌الملک است. هرچه می‌خواهد، می‌کند.

• پادشاه را چیزی دست برداشته می‌دهد، و هرجا که می‌خواهد، می‌برد. چنانچه در شهر یک ماه ماند، و به‌علی‌گره برد. ده پانزده روز به‌جنگ کشید. آخر به‌عهد و پیمان بیگم را برآورده، از و چیزی از

• مالِ نجف خان گرفت و گذاشت.

• از آنجا پادشاه را بر راجپوتان برد. آن‌ها استادگی کرده‌اند. بعد از چند روز صلح از راجپوتان نموده، پادشاه به‌شهر دهلی آمد و مرهته در شهر اکبرآباد ماند. چون خیالِ راجپوتان در سرداشت، باز فوج کشی کرده، به‌آن طرف رفت. راجه‌ها همدانی را که سردار نجف خانی بود، طلب داشته رفیقِ خود کردند. جنگ به‌میان آمد.

• همدانی جرأت نمود و کشته شد. سرداری به‌جای او مرزا اسماعیل، که همشیر زادهٔ او بود، یافت. این بابا یه جسارتِ تمام جنگید، بلای مرهته را برچید. شکستِ فاحشی شد. آلات جنگ و اسبابِ مرهته

• بالکل رفت. جانِ خود را غنیمت دانسته گریخت و به‌اکبرآباد آمد. آن‌جا هم مرزا اسماعیل رسیده، ازان شهر برآورد. و قلعه را خود چسپید. جنگ قلعه به‌طول کشید. مرهته صرفهٔ خود به‌طرف دیگر

• دید. پادشاه از شهر برآمده، به‌نجف قلی خان که جانب حصار بود، رفت. آن‌جا جنگ بسیار شد. آخرالامر از نجف قلی خان چیزی گرفته به‌شهر رسید.

• درین حال، پسرِ ضابطه خان، که غلام قادر نام داشت، بعد از پدرِ خود متصرّف سهارنپور وغیره بود، زوری بهم رسانیده. و فوج سکهان را همراه گرفته آمد. اکثر محالات پادشاهی که میان دوآبه بودند، ضبط کرد. قریب رسیده، از بادشاه چیزی خواست پادشاه • جواب داد. او آن روی آب مورچال بسته، مهیای جنگ شد. چنانچه یک ماه کسری زیاده جنگید. بادشاه اگرچه فوج و زوری نداشت، به‌دندان چسپیده آن بلا را برچید. از آنجا برخاسته تا گرد اکبرآباد تسلّط کرد. این‌جا که مرزا اسماعیل بیگ در شهر به‌قلعه چسپیده بود، زورِ آن را دیده دستار بدل شد، و عهد و پیمان به‌میان آمد که با مرهته ما و شما بالاتّفاق خواهیم جنگید. بعد از چند روز، مرهته که ارادهٔ آن‌طرف چنبل داشت، یلغار کرده رسید. درین روزها این‌جا شاهزادهٔ صاحب عالم بود، لیکن تغافل کرد. تنها جنگ بر سرِ مرزا اسماعیل افتاد. آن بابا پای جسارت فشرده این جنگ را هم زد. مرهته گریخته آن طرف گوالیار، که در تصرّفِ او بود، اقامت کرد. بعد از چندی فوجِ دیگر طلب داشته، سرگرم پرخاش شد، ده پانزده روز، • در ظاهرِ اکبرآباد جنگ شد. آخر شکستِ مرزا اسماعیل اتّفاق افتاد. غلام قادر خان تماشایی ماند. مرزای مذکور فرار کرده، پیش غلام قادر آمد. این را دید که در احتیاط خود است، و به‌کارِ من نمی‌پردازد، ناچار پیشِ او ماند، و بعد از چند روز ارادهٔ ملک خود نموده روانه شد.

• ناظرِ پادشاه که غلام قادر را پسر خوانده بود، نوشت که شما این‌جا بیایید، گفتهٔ من پادشاه نمی‌شنود، یعنی طرف مرهته • نمی‌گذارد. ایشان هر دو به‌شهر رفتند. پادشاه خود زوری نداشت،

به‌مشورتِ ناظرِ نمک به‌حرام، بندوبست در قلعه کرده، بادشاه را برداشت، و سلوکی که نمی‌بایست، کرد. و تمام قلعه را غارت کرد، و با پادشاهزادها آنچه نکردن بود کرد. زرِ بسیاری به‌دستش آمد. چشم • بادشاه برآورد، و پادشاهِ دیگر کرد، چون تسلّط کلی یافت، ناظر را • نیز قید نمود، و بر شهر هم کار تنگ گرفت. چون غلبه از حد فزون • گشت، از مرزا اسماعیل بی‌هیچ بیمزه شد، و در چیزی دادن کوتاهی کرد. آن عزیز با مرهته صلح کرد. درین هنگام فوج مرهته قریب • رسید. بعضی از سرداران داخلِ شهر شدند. روهیله قلعه بند گشت و • هنگام شب از راهِ خضری دروازه، مع فوج و اسباب و زر و مالِ خود، و پادشاه‌زاده‌ها را و ناظر را و لواحقانِ او را نیز همراه برد. نزد شاهدره با فوج سنگر بسته استادگی کرد. آخرالامر مرهته‌ها بی‌حیایی • او دیده آن روی آب رفته، مقید جنگ شدند. گاهی ایشان غالب • می‌آمدند، و گاهی آن ملعون. چون قریب یک ماه کشید، علی‌بهادر نام سرداری از دکن آمد و گرم جنگ روهیله شد. بعد از دو سه جنگ به‌جرأت تمام او را اسیر کردند. مال و اسباب مع پادشاه‌زاده‌ها ازو گرفتند، و قید داشتند. و پادشاه همان شاه عالم کور را مقرر • داشتند و قلعه را حوالهٔ جاتان نمودند، و صد روپیه روز به‌بادشاه می‌دهند، و بر تمام ملک متصرّف اند، آن ملعون را به‌خواری تمام • کشتند، حالا پادشاه مرهته است. هرچه می‌خواهد می‌کند. باید دید که چنین تا کجا خواهد بود.

القصّه[1]: جهان عجب حادثه گاهیست. چه مکان‌ها خراب گشتند،

---

1. از اینجا تا پایان در نسخهٔ رامپور آمده است.

و چه جوانان از هم گذشتند. چه باغها ویرانه شدند. چه بزم‌ها افسانه شدند. چه گل‌ها افسردند، چه خوبان مردند. چه مجلس‌ها بر شکستند. چه قافله‌ها رخت بستند. چه عزیزان ذلّت کشیدند، چه مردمان به‌جان رسیدند. این چشم عبرت بین چهادید، و این گوش شنوا چها شنید:

• هر کاسهٔ سر ز افسری[1] می‌گوید
هر کهنه خـرابه از دری می‌گـوید
دنیاسبتِ فسـانه، پاره‌ای مـا گفتیم
وان پاره که ماند، دیگری می‌گوید

درین مدّت کم، این یک قطرهٔ خون که دلش نامند، انواعِ ستم کشید، و همه خون گردید. مزاج ناسازی داشتم، ملاقات همه کس گذاشتم. از فاقه‌ها به‌جان رسیدم. مرزایی از کسی نکشیدم. اکنون که پیری رسید، یعنی عمرِ عزیز به‌شصت[2] سالگی کشید، اکثر اوقات بیمار می‌باشم. چندی دردِ چشم کشیدم. ضعفِ بصر به‌چشمِ خود دیدم. عینک خواستم و دست بهم سودم. نظر برین شعر ترکِ نظربازی نمودم:

• دیده چون محتاجِ عینک گشت، فکرِ خویش کن
بـر نفـس دارنـد، روز واپسـین آیـینه را

از وجعِ اَسنانِ خود چه گویم. حیران[3] بودم که چاره تا کجا جویم. آخر دل برکَندم. و یک یک را از بیخ برکندم:

---

1. رامپور: ز سری.
2. رامپور: به‌پنجاه کشید.
3. رامپور: حیرانم.

روزی خود را برنج، از دردِ دندان می‌خورم
نان بخون تر می‌شود، تا پارهٔ نان می‌خـورم

غرض که، از ضعفِ قوی، و بی‌دماغی و ناتوانی و دل شکستگی، و آزرده خاطری، معلوم می‌شود که دیر نخواهم ماند. زمانه هم قابلِ ماندن نمانده است. دامن باید افشاند. اگر خاتمه به‌خیر شود، آرزوست. وگرنه اختیار در دست اوست[1].

---

1. بعد از این نسخهٔ رامپور مطالب دیگر و شوخی‌های ادبی در چند صفحه دارد و آن با این عبارت شروع می‌شوند: "حالیا خامه لطایفی چند بر زبان دارد، برای خاطر دوستان می‌نگارد". این مطالب با این جمله به‌پایان می‌رسند: من هیچ مدان این چند فقره از زور طبیعت نگاشتم و بر جریدهٔ عالم یاد بودی گذاشتم. بر این امّید که اگر بدست صاحبدلی درآید، او در حق من دعای خیر نماید.

فرهنگ ذکر میر

آب از گلو بریدن — یعنی پانی پینے سے روکنا یا باز رہنا۔ بچے کا دودھ چھڑایا جائے تو اس موقع پر بھی کہتے ہیں "فلانی طفل را از شیر برید"

گلو بریده درین بحر هم چو ماهی باش (محمد قلی سلیم)

آب به دست کسی ریختن — خدمت کرنا، تواضع کرنا، کسی شخص کا نوکر یا ملازم ہونا۔ عجز و الحاح کے اظہار کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ (بہار عجم)

آب بر آیینه ریختن و آب بر آیینه زدن — یہ ایک ایرانی رسم ہے کہ جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کے جانے کے وقت آیینے پر ہرے پتے رکھ کر پانی بہاتے ہیں اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ مسافر جلد اور بخیریت سفر سے واپس آئے گا۔ (بہار)

آب بردن ماجری — نہایت مشکل، انوکھے اور انہونے کام کے رونما ہونے پر بولا جاتا ہے: غیر از برای یار می ناب می برد

این ماجرا ببین چقدر آب می برد

(محسن تاثیر)

آب تاختن — پیشاب کرنا۔ یہ لفظ ذخیرۂ خوارزم شاہی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔(بہار)

آب چشم از کسی گرفتن — آب چشم میں اضافت ہے۔ ڈرانے کے معنوں میں آتا ہے۔صرف ''آب چشم گرفتن'' بھی مستعمل ہے۔(بہار)

آب حسرت به چشم گردانیدن — یہ لفظ دیدہ ودہان وحلق کے ساتھ بھی آتا ہے۔صائب:

خیال روی تو تا در کدامین سینه می گردد
که آب حسرت اندر دیدۂ آیینه می گردد

آب حکیمانه خوردن — بہت احتیاط اور سوجھ بوجھ سے کام کرنا۔

آب خور — خوش ہونا، قسمت وروزی۔(بہار)

آب را با ریسمان بستن — امر محال، فضول کام کرنے کی کوشش کرنا، بعض نے اس کا مفہوم 'غلبہ حاصل کرنا' بھی لکھا ہے۔(بہار)

آب کشیدن — پانی پینا، کنوئیں وغیرہ سے پانی نکالنا۔(بہار)

آب گردش — ''تغیر آب و هوا و جای بیمار۔وہ بیماری جو آب وہوا کی تبدیلی سے پیدا ہو۔ نیز بہ معنی قسمت و روزی و گردش زمانہ''۔(بہار، وارستہ) حوض کے معنوں میں: آب گیری تیغ وخنجر پر دھار چڑھانے کو کہتے ہیں۔

آتش جوع زبانه می کشد — زبانه کشیدن آتش کا مطلب ہے آگ کا بھڑکنا اور تیز شعلے نکالنا۔ یہاں شدید بھوک سے کنایہ ہے۔ میرؔ نے ایک شعر میں بھوک کے لیے ''دوں لگنا'' بھی باندھا ہے جو جنگل کی بے قابو آگ کے لیے بولا جاتا ہے۔

آتش بَر کردن — آگ بھڑکانا۔(بہار)

آجام — شیر کی کچھار، اور قلعہ

آخر — ختم ہونے کے قریب ہونا۔

آدمی رَوِشی — انسانیت

آدمی گیری — بہار میں آدم گری و آدمی گری آیا ہے:

گفتی ز رہ لطف کہ میلی سگ ماست
شرمندۂ آدمی گری ہای توام

آرزو گرفتن — کوئی خواہش پیدا ہونا۔ کسی خواہش سے مغلوب ہونا۔

آستین افشاندن — از چیزی و بر چیزی بہ معنی روگردانی و ترک کرنا۔ کنایہ از رقص و سماع۔ میرؔ نے ذرا مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ (بہار)

آستینِ کہنہ داشتن — بے سروسامان اور مفلس ہونے کے لیے بولا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ''شال کہنہ داشتن'' آرزو نے لکھا ہے کہ این از اہل زبان بہ تحقیق پیوستہ اور وارستہ (مصطلحات الشعرا 10-11) نے مثال میں سعید اشرف اور اسمٰعیل ایماء کے اشعار پیش کیے ہیں۔ (بہار)

آسمان دو رنگ — مراد بے مہر، ناقابل اعتبار، منافق جس کا ظاہر و باطن مختلف ہو (بہار)

آفتابہ — پانی استعمال کرنے کا معروف ظرف ہے۔ یہ دراصل آب اور تابہ (تاب بہ معنی گرمی) تھا۔ جس برتن میں پانی گرم کیا جائے اسے کہتے ہیں۔ تابہ کی ب یہاں ف سے بدل گئی ہے۔ (دیکھو بہار عجم تحت: آفتاب)

آفتابی — یہ لفظ لنگی کے لئے بولا جاتا ہے۔ قدیم لغات میں نہیں ملے گا بہار نے اسے محاورۂ لوطیاں بتایا ہے آرزو نے لکھا ہے۔

''لنگی کہ در حمام بہ کمر بندند..... این معنی بہ تحقیق پیوست'' اور دوسری جگہ اس کی وجہ تسمیہ بتائی ہے

کہ"..... لنگ را گویند زیرا که اکثر آن را آفتاب داده می شود از جهت تر شدن. مثلاً شخصی به حمام رود ولنگ نداشته باشد به حمّامی گوید که آفتابی بیار و این معنی از اهل زبان به تحقیق رسیدہ"

آفتابی از سایۂ شان دمیدہ — کنایہ از غایت بزرگی وجلال

آماس بهم رساندن — سُوج جانا، ورم پیدا کرلینا

آن سیّال — گزرتا ہوا، ناپائدار وقت

آن طرف ترِ آسمان — آسمان کے بھی اُس پار

آویزش نمودن — لٹکانا، جھگڑا کرنا

آیینه پیش نفس [و بر نفَس] داشتن — "نزع کے وقت مریض کا سانس دیکھنے کے لیے نتھنوں کے سامنے آئینہ رکھتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ مردہ ہے یا سکتہ کے عالم میں ہے"۔ میر نے محمد سعید اشرف کا یہ شعر لکھا ہے:

دیدہ چون محتاج عینک گشت فکر خویش کن
بر نفَس دارند روز واپسین آیینه را

ابرو ترش کردن/ابرو تنک کردن — غصہ کرنا، بے دماغ ہونا

احسان بهشت کردن — بڑا احسان کرنا، غیر معمولی سلوک (بہار)

احوال گیری کردن/احوال کسی گرفتن — حال دریافت کرنا، بیمار پرسی کے لیے جانا

اختیار دل به دست کسی دادن — کسی کا ہو جانا، عشق کرنا

اراک — پیلو کا درخت

از آب بد برآمدن — "از آب برآمدن کا مطلب ہے ظاہر ہونا، تنزّل سے ترقی کی طرف جانا، نیچے سے اوپر اٹھنا، یہ 'خوب' اور 'بد' دونوں لفظوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً خوب از آب برآمد

(اچھی طرح کسی کام سے عہدہ برآ ہونا) یا از آب بد برآمد (کام کا حق ادا نہ کرسکا) یہاں آب پر اضافت نہیں ہے، آرزو نے یہ محاورہ بھی ذاتی تحقیق سے لکھا ہے قدیم لغات میں نہیں ملے گا"۔ (بہار)

از آب خوب برآمدن — دیکھو تحت "از آب بد برآمدن"

از پا افتادن — گر پڑنا، ایک حالت سے دوسری حالت میں آ جانا، اکھڑ جانا

از پیش بد رفتن — پانو اکھڑ جانا، ہمت ہار جانا

از پیش برداشتن — بھگا دینا، شکست دینا

از پی کسی رَسن تافتن (و ریسمان تافتن) — کسی کا برا چاہنا، کسی کو پھنسانے یا نقصان پہنچانے کے کام کرنا

از جہانی به جهانی آمدم — ایک دنیا سے دوسری دنیا میں آ گیا (فاصلے کے علاوہ احوال و ظروف کا فرق بھی ظاہر کرتا ہے)

از چوب خشک تراشیدن — جہاں بہ ظاہر امکان نہ ہو وہاں مواقع پیدا کر لینا۔ (بہار)

از خود رمیدن — تیاگ اور تجرید مراد ہے۔ فنائے نفس

از خود کردن — ساتھ ملانا، موافق بنالینا

از سایۂ خود هم گریزان — انتہائی خلوت پسند، گوشہ نشین

از سرِ تَبوی — کسی مقام کو مستقر بنالینا، پڑاؤ ڈالنا

از سر سوزن برون شدن — "کسی مشکل مرحلہ سے بکمال سہولت گذر جانا" (بہار)

از سر وا کردن — جدا کرنا، دور ہٹانا

از سنگر و سنگ چین برآمدن — سنگ چین جھوٹا احاطہ، دیوار سنگی، مراد ہے اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آنا۔

از صحرا یافتن — مفت ہاتھ آ جانا، بے محنت و طلب مل جانا۔

از طاقِ دل افتادن — دل سے اتر جانا، خوار و بے اعتبار ہونا۔

از فکر افتادن	کسی چیز کا دھیان نہ آنا، خیال سے اتر جانا۔ (بہار)
از کار رفتن	ناکارہ و معطل ہو جانا۔
از گردِ راہ رسیدن	سفر سے تھکے ماندے آنا۔ (بہار)
از ما چه می کشاید	ہم کس قابل ہیں: ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
از نگاه گرم رنگ باختن	ذرا سی تیز نگاہ کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔
از هم گذشتن	اپنے آپ سے گذر جانا، بے نفس، مجازاً مرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔
از هم گذشتن کار	کسی کام کا درہم برہم ہو جانا یا نقصان ہونا۔ اور
از هم گذشتن	معاملہ کسی کام کا نپٹ جانا ہے۔ (بہار)
ازین دست تا به آن دست	میر نے اس سرے سے اس سرے تک کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فارسی میں ازین دست کا مفہوم ازین وضع بھی ہے۔ (بہار)
استحاله	تبدیل ماہیت، ایک شکل یا حالت سے دوسری میں پہنچ جانا۔
استخوان شکستن	کنایہ ہے کمال محنت و مشقت سے۔ (بہار)
استظهار	پشت پناہی کرنا۔
افسون دمیدن	جادو کرنا، مکر و حیلہ کرنا۔
اقامت	بمعنی در جای بودن و تمکّن گرفتن و با لفظ کردن و به معنی ضیافت شخصی که از جای وارد شود، با لفظِ فرستادن. (بہار)
اَقران	ہم عصر، ہم رتبہ لوگ
اَقمِشه	قماش کی جمع، لباس
اگر صد کوزه بسازد یکی دسته ندارد	کنایہ ہے کہ فلاں شخص اگر سو باتیں کہتا ہے تو ایک بھی سچ نہیں ہوتی۔ نرا دروغ باف ہے۔

التماس — وہ کاغذ جس پر چھوٹے اپنا احوال لکھ کر بزرگوں کے سامنے پیش کریں، عرضی درخواست۔ شفاعت اور شفارش کے معنوں میں بھی آتا ہے۔(بہار)

الف بر زمین کشیدن

الف بر خاک کشیدن — خجالت اور شرمندگی اٹھانا۔ مذہبِ امامیہ میں رسم ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد سات بار سورۂ اِنّا اَنزَلنَاہ پڑھتے ہیں اور ہر بار قبر پر ایک لکیر کھینچتے جاتے ہیں۔(بہار)

الف ها بر سینه بریدن — ''الف بر سینه کشیدن محاورہ ہے، جس کے معنی ہیں رنج اٹھانا، صدمہ برداشت کرنا، اکبر کی تاریخ وفات کا مصرع ہے:

''الف کشیده ملائک ز فوتِ اکبر شاہ'' اگر ذکر میر کے متن میں غلط نقل نہیں ہوا ہے تو میر نے اس محاورے میں تصرف کیا ہے۔ یہ ایران کی رسم ہے کہ عاشق، قلندر اور ماتمی لوگ سینے پر الف کھینچ لیتے ہیں، کبھی نعل یا داغ بھی لگا لیتے ہیں۔(بہار)

اُلوس — قوم وقبیلہ۔ برادری۔ یہ ترکی لفظ اُلوش ہے۔

انجمن شدن — جمع ہونا۔ فراہم کرنا۔

انداز کردن/انداز نمودن — ڈھونڈنا۔ قصد کرنا۔ رونما ہونا۔ ظاہر ہونا۔ ارادہ کرنا۔

اندیشه — بمعنی ہراس۔ خوف۔ فکر و تامّل۔

انگشت برآوردن — پناہ طلب کرنا۔

انگشتر — یعنی چیزی قلیل مجازاً۔

انگشترِ پا — چیزی بے اعتبار۔(بہار)

اهلِ بخیه — ہم مشرب۔ راز دار۔ بعض نے رِند اور خراباتی کے لیے استعمال کیا ہے۔

این راہ دور دست بہ دست است — یہ راستہ نزدیک ہو جاتا ہے۔

ب

با تیغ و کفن آوردن — کمال عاجزی اور عذر خواہی کے ساتھ آنا۔ غالب:
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

باد پرّانی — ڈینگ مارنا، ہرزہ گوئی۔

بادلیج — توپ کی ایک قسم۔ (یہ بادلیش کا معرّب ہے، ترکی زبان میں توپ کو کہتے ہیں)

باد مَکری — جو مقصود ہو اس کے خلاف کہنا، مکاری

باربَستن — رخصت ہونا، باربستنِ زبان، عدم طاقت گفتار (چراغ ہدایت)

با کسی در یک پیرھن بودن — ایک جیسا ہونا، کسی کے مثل ہونا۔

بالاچاقی — بالادستی، اقتدار، غلبہ، ہوشیاری

بالای چشمت ابرو گفتن — ٹوکنا، تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ ادنیٰ التفات

بالش نرم زیر سر گذاشتن — خاطر مدارات کرنا، خوشامد کرنا، خدمت کرنا۔

بالقوہ خصمانہ داشتن — مقابلہ کرنے کی قوت، ٹکر لینے کی صلاحیت

بجا افتادن — کسی جگہ رہ جانا، کہیں جا کر فوت ہو جانا۔

بہ حال خود — اپنے آپ میں مگن

بہ خود فرو رفتن — سوچ میں پڑ جانا، متفکر ہونا

بَدّال — بنیا، دکاندار، بقّال

بدباختن — برا سلوک کرنا، برا کھیل کھیلنا

بدنمو — دیکھنے میں برا، بے ڈھنگا ہونا

برادر اندر — برادرِ علّاتی، وہ بھائی جس کی ماں دوسری ہو باپ ایک ہو۔

برپلّه آوردن	کسی بات پر راضی کر لینا
برخاک انداختن	ذلیل ورسوا کرنا، شکست دینا، عاجز کرنا
برخود پیچیدن	مغرور ومتکبر ہونا
برخود چیدن	غرور، تفاخر، خود کو کچھ سمجھنا
برخود نسپردہ	مغرور نہ ہونا
برخوردن	ملاقات کرنا، نفع یاب ہونا، فائدہ اٹھانا۔
بر روی کار آوردن	کسی کام کے لیے تیار کرنا
بر زبان می دھد	یاد می دھد، تعلیم می کند سکھانا
برزن	کوچہ، گلی (غیاث اللغات، فرہنگ رشیدی)
بر سرِ سنگ نشستن	تکلیف اٹھانا، عذاب جھیلنا
بر سرِ کسی دوانیدن	ایسی بات یا کام کرنا جس سے کسی کو غصہ آئے
بر قالب زدن	بیہودہ کام، ہرزہ گوئی (چراغ) مہیا کرنا، سرانجام دینا (وارستہ)
بر کاربستن	کسی کام پر متعین کرنا
بر کار سوار شدن	کسی کام میں سخت محنت کرنا، کسی کام پر متعین ہونا
برگ بند	درویش، بے سروسامان
برّہ بندِ کاربودن	کسی کام کے لائق ہونا، ماہر فن ہونا
بُزآویزی	ظلم، ایذادہی، الٹا لٹکا کر تکلیف دینا
بَزنگاہ	قتل گاہ، جہاں سزا دی جائے، چوروں اور ڈاکوؤں کا علاقہ
بستۂ نگار	ایک راگ کا نام
بغل کشیدن	گلے لگانا
بِکر تراشی	تازہ گوئی، معنی آفرینی
بِکر نگاہ	شرمیلی آنکھوں والے
بلند انداختن کسی	خوب پذیرائی کرنا، بہت تعریف کرنا

بنا گوشی زدن	کنپٹی پر تھپڑ مارنا
بند بر بند قبا بافتن	اکٹھا ہونا، یک جا ہونا
بنگ از کلّه پریدن	سٹی گم ہونا، ہوش اڑ جانا
بوی فتیله آمدن	کسی بات کا وہم ہونا، شبہ ہونا (ہرن کو جب بندوق کی بو محسوس ہوتی ہے تو بھاگنے لگتا ہے)
به آهو سوار شدن	ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا، عجلت کرنا
بهاربند	بہارستان، چمن (اس گھر کی نسبت سے جہاں موسم سرما میں مویشیوں کو باندھتے ہیں)
به پشت کمان گرفتن	تیروں کی بارش کر دینا
به پفی در بند است	ذرا سے اشارے پر موقوف ہے
چشم خوردن	نظر لگانا، حسد سے دیکھنا
به خود سپردن	مغرور ہونا، خود کو بہت بڑا سمجھنا، گھمنڈ
به خود فرورفتن	اپنے آپ میں کھو جانا، فکر کرنا
به درِ تغافل زدن	غافل ہونا، غافل کرنا
به دست کم برداشتن	کسی کو حقیر اور عاجز سمجھنا
به دست و دندان چشیدن	پسند آنا، دل کو بھانا
به دماغ خوردن	ناگوار ہونا
به دهن ها افتادن	شہرۂ عام ہونا، موضوع گفتگو بن جانا
به زبان نگاه داشتن	چاپلوسی کرنا، جھوٹے وعدے کرنا
به سر پا نشستن	سفر کے لیے آمادہ ہونا
به سر خانه رسیدن	کسی منزل تک پہنچ جانا، مقصود حاصل کر لینا
به سر دست آمدن	تمام ہونا، ختم ہونا
بر سر وقت افتادن	اچانک وارد ہونا

به طرح فروختن — زبردستی کسی کے ہاتھ فروخت کرنا، یا کسی دکان پر مال ڈال دینا بعد کو قیمت وصول کرنا

به عصا راه رفتن — پھونک پھونک کر قدم رکھنا، احتیاط سے چلنا، راستے کا دشوار ہونا

به مسمار دوختن — سنبھالے رکھنا، ضبط کرنا، کسی چیز کو احتیاط سے رکھنا، مضبوط باندھنا

بهیر و بنه — فوج کے ساتھ رہنے والا، غیر جنگجو معاون عملہ جیسے لوہار، نعلبند وغیرہ

بیابان مرگ شدن — بے کسی کی موت مرنا

بی چشم و روی نادرست — بے مروت، بے حیا

بی حضور — بیہوش، بیمار

بی حِفاظ — بے شرم، بے غیرت، بے حیا

بی دهل رقص — دلاور، کامل فن، شوخ، پہلوان

بی طاقتی کردن — حوصلہ نہ دکھانا

به یک پهلو افتادن — کسی کام میں نہایت کوشش کرنا

بیمار من گران است — میرا مرض بہت سخت ہے

به یک پر کار گذاشتن — ایک حالت پر چھوڑ دینا

بی گاه — وقت شام (غیاث)

پ

پا به دامن کشیدن — کنارہ کشی، عزلت گزینی

پا به راه گذاشتن — روانہ ہونا، آمادۂ سفر ہونا

پاتا به پیچی کردن — عیاری کرنا، فتنہ و فساد پھیلانا

پا جفت دویدن — نہایت تیزی سے جانا

پاچناریان	بے حیثیت لوگ، اجلاف [پاچناریان ایران میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں کے لوگ عموماً بے قید اور فرومایہ ہیں اس لیے ہر بے قدر انسان کو پاچناری کہتے ہیں] مصطلحات الشعرا
پا در دامن کشیدن	رک: پا به دامن کشیدن
پا دکانی	دکان کے نیچے ذیلی دکان لگانے والا، دلال
پارۂ رو بر زمین مالیدن	اظہار عجز کرنا، عقیدت ظاہر کرنا
پاسنز	رہنما، راستہ دکھانے والا
پاییز	موسم خزان، فصل خریف
پای چراغی داشتن	کسی نفع کی امید رکھنا (بازاری زبان ہے)
پدرود نمودن	خیر باد کہنا، وداع کہنا
پر برآورد	نشو ونما پائی، بڑا ہوا
پرست زدن	ٹہلتے ہوئے نکلنا، گردش
پُرس گاه (پُرسه گاه)	ماتم خانہ، تعزیت کی جگہ
پرو پوچ بافتن	بیہودہ بے تکی باتیں کرنا
پری دار	آسیب زدہ، دیوانہ
پسِ خم زدن	فرار ہونا، بھاگ جانا
پسِ سر شدن	بھولی بسری ہونا
پشت چشم نازک کردن	اظہار ناخوشی کرنا، تغافل کرنا، آنکھ بچانا
پشتِ دست گزیدن	افسوس کرنا
پلاس پوش	ٹاٹ کا لباس پہننے والا، گھٹیا قسم کی اون کا لباس، کم قیمت (غیاث)
پنبه دهانی	خاموشی
پوزمال	تنبیہ، گوشمالی کرنا

پوست انداختن	کسی کام سے تنگ آ جانا، نقصان اٹھانا
پهلو دادن	عزت سے بٹھانا، مدد کرنا
پیر افشانی	بڑھاپے میں جوانی جیسی حرکات کرنا
پیش خود برپا بودن	گھمنڈ کرنا، مغرور ہونا

ت

تاش بادله	زربفت، سونے کا کام کیا ہوا کپڑا
تب استخوانی	تپ دق
تب بستن	بخار کو دوا کے بغیر کسی افسون یا جھاڑ پھونک سے اتارنا
تب بندی شدن	باری کا بخار، پابندی سے آنا والا بخار
ترآمدن	شرمانا، خجل ہونا
ترسّل	نظم و نثر کی کچھ عبارتیں مختلف خطوں میں لکھ کر بچوں سے پڑھوائی جاتی ہیں تا کہ انہیں ہر طرح کے خط کی شناخت ہو جائے۔ اسے ملاطفہ بھی کہتے ہیں۔
تصدیع کشیدن	تکلیف اٹھانا
تعلّل	بیماری کا بہانہ کرنا
تک تکِ پا	ادنی اشارہ، ٹٹکاری، چلنے کی آواز، ڈرانے کے معنوں میں بھی آتا ہے
تکلیف کردن	کسی کو کوئی چیز دینا، کسی کام کے لیے تیار کرنا، ترغیب
تمارض نمودن	بیماری کا بہانہ کرنا
تمام اجزا	کامل، پورا
تمنّا بر تمنّا شکستن	ساری خواہشوں کو ختم کر دینا، ترک لذّات۔ میر نے بے چین ہونے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔
تَه بازار	سڑک پر لگنے والا بازار، پینٹھ، کبابی نان بائی پالان دوز وغیرہ

تَه دلی	خلوص
تَه شیشه	دُردِتَہِ جام، تلچھٹ
تَه کار	مقصد

ث

ثمرهٔ شاخ	نتیجہ، انجام

ج

جا برای کسی کشودن	کسی کی تعظیم کے لیے جگہ چھوڑنا
جار زدن	فریاد کرنا
جام بر سر کشیدن	بیک بار شراب پی جانا
جامه در خون کشیدن	خون میں لت پت ہونا
جامهٔ کسی بر سر چوب کردن	فریاد کرنا
جامه گذاشتن	مرجانا
جگر از سنگ کردن	جی کڑا کرنا
جِلودار	بڑے حاکموں کے آگے چلنے والا عملہ، پائلٹ
جوانِ چار شانه	چوڑے چکلے ہاڑ کا جوان
جوانِ چرب	جوانِ رعنا و دولت مند
جهان آب و گل را دعا گفتن	خیر باد کہنا، انتقال کر جانا

چ

چادر یزدی	ایک قسم کی نفیس چادر جو یزد (ایران) میں بنی جاتی ہے
چار چار زدن	بُرا بھلا کہنا
چار شانه	بہت فربہ، تنومند
چانه بیجا زدن	بیہودہ گفتگو، ہرزہ سرائی، اَول فول بکنا
چراغ به پفی در بند است	چراغ ایک پھونک مارنے کا ہے، ادنی اشارے پر منحصر ہے

چرخ دولایی	آسمان
چشم آب دادن	تماشا کرنا، سیر کرنا
چشم به دنبال کسی بودن	کسی کا برا چاہنا، پیچھے پڑ جانا
چشم چراندن	نظر بھر کر دیکھنا
چوبِ خدایی	انتقام خداوندی
چهار پهلو شکستن	فراغت سے بیٹھنا
چهره شدن	مقابلے پر آنا

ح

حاجب	پاسبان، دربان
حاشا زدن	قسم کھانا، کسی کام کے نہ کرنے کا اظہار کرنا
حاضر یراق	تیار، کسی کام پر آمادہ
حرام توشه	نمک حرام، حرام خور
حرام کوزه	حرام خور
حرف به سر زلف زدن	اِترانا، نخرے کرنا
حرف سر کردن	بات چیت کا آغاز کرنا
حرکتِ عنیفی	تکلیف دہ سفر
حلوای نزاکت	ایک قسم کا نفیس حلوہ جو ایران سے مخصوص ہے
حیران کار	متحیر
حیف گرفتن	انتقام، بدلہ لینا

خ

خام دست	لالچی
خانمان بر سر غربت نهادن	مطبوعہ نسخے میں غیرت ہے مگر غربت صحیح ہوگا۔ وطن چھوڑنا، پردیس نکل جانا

خانه بر خروس بار کردن — گھر کو اور سب مال واسباب کو برباد کر دینا۔ مطبوعہ میں خروش غلط چھپا ہے۔

خانه روشن کردن — مرجانا، نزع کا عالم

خانه سیاه — تباہ حال، بد بخت، جلا ہوا، لٹا ہوا گھر

خدا خوانان — اللہ کو ماننے والے، مذہب کے پیرو

خدا گیر — آسمانی بلا میں، عذاب میں مبتلا ہونے والا

خرجِ راه شدن — شدائد سفر سے مرجانا، راستے میں کام آجانا

خرِ خود را دراز بستن — دون کی لینا، اپنی شان اور بڑائی کا اظہار کرنا، فراغتِ عیش

خشک شدن دست و پا — ہمت ہار جانا، بیکار ہو کر بیٹھ رہنا، پست حوصلہ

خصمانه — شفقت سے غور و پرداخت احوال، ترس کھانا، تربیت میں سختی سے نظر رکھنا، لطف و مہربانی، دشمنی، حریف ہونا، خصم پر الف نون نسبت کا اضافہ کیا ہے۔

خط از بینی کشیدن — ناک سے لکیر کھینچنا، اظہار عاجزی

خلوت با صفا — یزد (ایران) کے قریب ایک جگہ کا نام، درویشوں کے لباس کو بھی خلوتِ باصفا کہا گیا ہے۔

خم تُنک — تنگ ظرف، فرومایہ

خمیازه کشیدن — انگڑائی لینا، کسی غلط کام کا نتیجہ بھگتنا، یاد میں تڑپنا

خندیدن شام — جُھٹپٹا، شام کا آغاز

خواننده — گویّا، موسیقار

خود کشی — کسی کام میں سخت محنت، مجاہدہ، جہد بلیغ

خورشید سوار — روشن چہرے والا

خوش پر کار — اچھے قد و قامت والا، خوبصورت

خون ایشان شیرین بسیار است — بہت لذیذ ہے

خیمۂ شب بازی	کٹھ پتلی
د	
دراز بستن	رعایت سے کام لینا، ڈھیل دینا
دارو دسته	قوم وقبیلہ
دامن بالا زدن	کمر کسنا، سواری وغیرہ کے لیے تیار ہونا، دامن جھٹک کر الگ ہو جانا
دامن پهلودار	ایسا شخص جس سے بہت سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں، دامن فراخ
در آتش و آب بودن	بہت رنج اور تکلیف اٹھانا
در به روی کشیدن	دروازہ بند کر لینا
در جناح سفر	آمادۂ سفر
در گردیدن	اُجڑ جانا، برباد ہو جانا
در گیر شدن صحبت	بات چیت ہونا
دریای لنگردار	بڑا دریا جس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو
دست به دست بودن راه	راستے کا آسان اور نزدیک ہونا
دست به سر کردن	رخصت کرنا، وداع کرنا
دست پا چه شدن	مضطرب ہونا
دست پیچ	پروانہ، دستاویز
دست پلشتی	ظلم وتعدّی
دست دستِ اوست	اسی کا دور دورہ ہے، قدرت واقتدار ہونا
دست کجی کردن	ظلم کرنا، دست درازی
دست کش	خادم، نوکر
دست و پا خشک شدن	بیکار بیٹھنا، ہمت ہار جانا

دعا گفت، ترک گفت	فوت ہو جانا
دکان گردیدن	گرمی بازار، دکان کا خوب چلنا
دل باخته	عاشق
دل به دریا افگندن	ہلاک ہونے پر آمادہ ہونا
دل شب	آدھی رات
دم و پوست	سرمایہ، پونجی
دم و دود	مختصر سرمایہ، تھوڑی پونجی
دنباله	متن کے حاشیہ میں ہے "دنبالہ داشتن از عقب داشتنِ چیزی و این در محل نفرین استعمال کنند" یہاں حوالہ نہیں ہے مگر یہ عبارت چراغ ہدایت سے ماخوذ ہے اور خان آرزو نے دنباله داشتن کے معنوں کی وضاحت میں لکھی ہے۔ میر نے یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مفہوم یہ نہیں۔ وہ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہان خاں کو کمزور سمجھ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی کمک کے لیے جو ابدالی فوج موجود تھی اسے ذہن میں نہ رکھا۔
دنباله گرد	متعاقب، پیچھا کرنے والا، دنبالہ دو کمک
دندان به جگر افشردن	مکروہات کا برداشت کرنا، جی توڑ کوشش
دندان به حرف گذاشتن	عہد و پیمان پر قائم رہنا، بات کی پاسداری کرنا (وارستہ) "فلانی دندان به حرف خود گذاشت" یعنی بات چبا گیا نیم گفتہ چھوڑ دی (بہار) خلاف وعدہ کرنے اور مکرنے کو بھی کہتے ہیں۔ میر نے عاجز ہو جانے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔
دندان به دندان کلید شدن	بتیسی بند ہو جانا (مثلاً بے ہوشی میں)

دو به دو	آمنے سامنے
دو بغل	دونوں بغلوں میں بھر کر، کولی بھر کر
دو تیغه بازی	دونوں فریقوں سے ملے رہنا، سانٹھ گانٹھ۔ ایران میں رسم ہے کہ سپاہی دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر گھماتا ہے جسے ہندستان میں پٹے بازی کہتے ہیں۔ (چراغ)
دو دله شدن	شش و پنج میں ہونا، پراگندہ خاطر
دور گردان	دور دور پھرنے والا، کم آمیز
دوست رویی	جان پہچان، شناسائی
دوش بر تابوت گذاشتن	جنازے کو کندھا دینا
دو گاه	نام راگ جسے ہندی میں رام کلی کہتے ہیں
ده باشی	فوجی اصطلاح۔ دس سپاہیوں کے جمعدار یا میر دہ کو کہتے ہیں [ولیم اروین: آرمی آف دی مغلز]
ده زبانی	اپنی بات پر قائم نہ رہنا، ہر بار بیان بدلنا
دهن چیزی نداشتن	کسی بات یا شی کی لیاقت و قابلیت نہ ہونا۔ یہ محاورہ اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے ''میرا کیا منھ ہے'' مجھے اس بات کا منھ نہیں (بہار)
دیده دیده برو	ہوشیار ہونا
دیر ماندن	ٹھہرنا، زیادہ قیام کرنا
دیوار صورت کار	مصور کا کینوس، ایسی دیوار جس پر تصویر بنی ہو
ر	
راه بریدن	بٹ ماری، راہ زنی کرنا
راه خوابیده	بہ معنی راہِ دور، از کلام اساتذہ مستفادی شود و در شعر:

سعدالدّین راقم 'جادۂ خوابیدہ'

دیدہ شد و خالی از نازکی نیست

(چراغ)

راہ قفل بودن ''راہ دریا قفل بود'' کا مطلب ہے برسات میں ندی نالے چڑھ جانے کی وجہ سے دریا کا سفر بند تھا۔

رخت کشیدن سفر کرنا

رفتۂ آن باش والہ وعاشق

رفتگی عشق، رفتہ کسبی بودن، رفتگی داشتن، والہانہ محبت

رگ خواب (..... کسی بہ دست آوردن و آمدن و داشتن) عنانِ اختیار کا ہاتھ میں لینا۔ کسی کی دکھتی رگ پکڑنا۔ کمزوری کا فائدہ اٹھانا (بہار)

رگِ گردن دعوی، غرور، سرکشی

رنجِ باریک تپ دق، مرض دق

رنگ از رو پریدن ہوش اڑ جانا، چہرے کا رنگ فق ہونا

رنگِ تازہ ریختن نیا کام کرنا، جدّت پیدا کرنا

رنگین رفتن خرام ناز، خوش رفتاری

رنگ مہتابی رنگ سفید مائل بہ زردی مثل ماہتاب (بہار و چراغ)

رو از آہن داشتن یا رو از سنگ

داشتن دونوں علیحدہ محاورے ہیں میر نے دونوں کا مرکب بنا دیا ہے۔

رو از کسی گرفتن محجوب ہونا، شرمندہ ہونا

رو انداختن سوال کرنا، التماس کرنا

روباختن شرمندہ ہونا، بے آبرو ہونا

رو با روی خود مقابل، آمنے سامنے

رو بر زمین انداختن (بر خاک انداختن) کسی کی آبرو کا پاس نہ کرنا، شرم ولحاظ نہ کرنا، بے عزت کرنا

رو تافتن بے دماغ ہونا، منھ موڑنا، التفات نہ کرنا

رو داری آنکھوں کی شرم، مروت، لحاظ

رو دخانہ بہ معنی دریا، رود کا مزید علیہ

روزی از زخم پراگندہ خوردن اِدھر اُدھر سے بدشواری تمام روزی حاصل کرنا

رو سفید نیک، خوش اقبال، دولت مند (روسیاہ کی ضد)

روغنِ قاز مالیدن تملّق اور خوشامد کرنا، فریب دینا

رومالِ سیاہ پردہ مشکین و پردہ نیلوفری جو آنکھیں دکھنے (آشوب چشم) میں آنکھ پر باندھا جاتا ہے

روی تازہ داشتن معتبر ہونا، لوگوں کی نظر میں

روی دل دیدن کسی کی جانب سے التفات اور توجہ پانا

روی کسی دیدن کسی کی رواداری، لحاظ کرنا، جانب داری کرنا

روی نا درست بے حیا، بے مروت

رھکلہ چھوٹی توپ

ریتی جمنا کا کنارہ

ریختن بھار موسم بہار کا آخری زمانہ، اختتام

ریسمان برای کسی تافتن کسی کو ہلاک یا برباد کرنے کا منصوبہ

ز

زال بی حفاظ بے شرم بڑھیا، بے حیا فاحشہ (کنایہ دنیا)

زبان بازی گفتگو، مکالمہ، دوبدو کی چوٹ

زبان دادن عہد و پیمان کرنا، کسی بات کا اقرار و اعتراف

زبان در تہِ زبان داشتن (در زیر زبان داشتن) اپنی بات بار بار بدلنا

زبانه کشیدن آتش	آگ کا بھڑکنا، لپٹیں اٹھنا
زبان مغزدار	فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والا، تہ دار بات کہنے والا
زبون گشتن	مغلوب ہونا
زبون گیر	کمزوروں اور ضعیفوں کو آزار پہنچانے والا، بے رحم
زخم دامن دار	بڑا اور گہرا زخم
زربستہ	وہ سکہ جو ابھی بھنایا نہ گیا ہو، سونا
زر توفیقی	راہ خدا میں یا بزرگوں کو نذر کے طور پر خرچ کیا جانے والا روپیہ، فتوح، نذرانہ
زرعتِ خام	کچا اناج، دانے
زنجیر سر	وہ زنجیر جو ولایتی قلندر اپنے سر پر لپیٹے رکھتے ہیں (بہار)
زنخ زن	ہرزہ گو، بکواس کرنے والا
زنگ و زنجیر	فقرا اور قلندروں کے کمر میں باندھنے کی چیزیں (بہار)
زود خوردی	جھڑپ
زیادہ سر	اپنی حد سے باہر قدم رکھنے والا، اپنے آگے کسی کو نہ گردانے والا، مغرور، گھمنڈی، یہ لفظ خان آرزو نے اہل ایران سے تحقیق کر کے لکھا ہے۔ ذکر میر میں غلطی سے 'زیادہ پر' چھپا ہے
زیر پیچ دستار	عمامہ کے نیچے کی چھوٹی دستار یا رومال اسے ہندستان میں تہ پیچ کہتے ہیں، مگر میر نے وہ لفظ استعمال کیا ہے جو اہل ایران کی بولی ہے۔
زینتِ قلندری	آرایش قلندری، قلندرانہ وضع

س

سادہ رو	جوان بے ریش، امرد
ساز و برگ	اسباب، سروسامان

سان فوج	سلاح وسامان لشکر
سایۂ دست کسی گرفتن	کسی سے فیض پانا
سبک پا	شخص بے تمکین، متلون مزاج (چراغ) تیز رفتار (غیاث)
سبلت	مونچھ
ستارہ نداشتن	قسمت کا کھوٹا ہونا، اردو میں کہتے ہیں 'لہنا نہیں ہے'
ستر پوش	لباس
سجّادۂ محرابی	جانماز جو محراب کی شکل کی بنی ہو
سخت باز	قمار بازی میں ماہر، پرانا جواری
سخت خوردن	بہت تکلیف اٹھانا
سراپا	خلعت، جامہ و دستار وغیرہ
سر از یک گریبان برآوردن	کسی شخص کے بالکل ہم شکل ہونا۔ آرزو کہتے ہیں کہ جو اس کے معنی ہمسری اور برابری کرنا بتاتا ہے وہ غلطی پر ہے (چراغ)
سرب	سیسا جس سے بندوق کی گولی بناتے ہیں، (قدیم اصطلاح میں صرف گولی کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے سرب و بارود یا باروت)
سربر کردن	صلح کر لینا، موافقت کرنا
سر به سر کسی داشتن	کسی سے جھگڑا کرنا، عداوت رکھنا
سر به گریبان فرو بردن	غور و فکر کرنا
سر پای زدن	ٹھوکر مارنا
سر پیچ دار	لمبے بالوں کو باندھ کر جٹا بنا لینا جیسے سادھو وغیرہ کرتے ہیں
سر پیچ زدن	اونگھنا، نیند میں جھونٹے لینا
سر توقع خاریدن	کسی سے کچھ امید یا توقع رکھنا

سر حساب شدن	واقف وآ گاہ ہونا
سرخ و زرد شدن	شرمندہ ہونا
سرِ داستان کشادن	حکایت بیان کرنا، داستان سنانا
سر زدہ آمدن	بےخبر و ناگاہ آنا
سر زخم مالیدن	ترس کھانا، تدبیر سوچنا۔ یہ بھی آرزو نے اہل زبان سے پوچھ کر لکھا ہے
سر سخت خوردن	بھاری، صدمہ اٹھانا، سخت بلا میں گرفتار ہونا (وارستہ)
سرشخ	سرکش
سر صفحہ	کسی صفحہ کا ابتدائی حصہ، شروع کی عبارت
سر کردن	سلوک کرنا، کسی کام کا شروع کرنا اور اسے تکمیل تک پہنچانا، زندگی بسر کرنا (غیاث)
سرِ کُلافہ	"سرِ کُلافہ گم کردن" سررشتہ کار کا ہاتھ سے نکل جانا کسی معاملے کا قابو سے باہر ہو جانا
سر کُن	سردار فوج (وارستہ) کسی کام کی ابتدا کرنے والا، دوسری جگہ آرزو نے اس کا مطلب مفسد و فتنہ انگیز لکھا ہے
سَر کن پَر کن	مضطرب 'سر کند و پر کند' بھی بولا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا مترادف ہے "بوکھلایا ہوا"
سرِ کلّہ زدن	جنگ کرنا، ٹکر لینا، مقابلہ اور برابری کرنا
سرِ گاؤ زدن	فائدہ حاصل کرنا، نفع اٹھانا
سرمۂ خفا در چشم کشیدن	یہ محاورہ علم نیرنجات و طلسم سے آیا ہے اور اس علم کی اصل ہندستانی ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک طلسماتی سرمہ (الوپ انجن) ایسا ہوتا ہے کہ اسے کوئی آنکھوں میں لگا لے تو وہ سب کو دیکھ سکتا ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھے گا یہاں میر کی مراد روپوش

ہو جانے سے ہے۔

سفید شدن — ظاہر و نمودار ہونا، نمایاں ہونا، معزز ہونا (چراغ، غیاث)

سفید گفتن — کھری کھری سنانا

سفیدہ دم — علی الصباح، تڑکے میں

سفیدۂ صبح — صبح کا نمودار ہونا

سقف منقّش — آسمان

سقیفہ سازی — بہتان تراشی، جھوٹ بات کہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحاب رسول نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی تھی اس محاورے میں یہی تلمیح ہے اور اس لفظ کا استعمال میر نے اپنے تشیع کے اظہار کے لیے کیا ہے۔

سگہ بہ زر زدن — کسی کام کو بہ حسن و خوبی انجام دینا، جو کہنا وہ کر دکھانا

سگہ درست — معاملے کا کھرا انسان

سگِ پا سوختہ — بہت مضطرب اور حیران کار شخص۔ مثل و مانند کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اردو میں اس کا مرادف ہے 'جلے پانو کی بلی'

سگِ روی یخ — ایسا آدمی کہ اسے جدھر دوڑا دیں دوڑ جائے اور جس کام کو کہیں اسے کرنے میں لگ جائے۔ خان آرزو نے یہ محاورہ اہل زبان سے تصدیق کر کے لکھا ہے (چراغ، بہار) چراغ میں 'سنگ روی' بہ معنی مطیع و فرماں بردار

سلّاخی کردن و نمودن — لفظی مطلب ہے 'کھال کھینچنا' مگر کنایۃً سخت و سست باتیں کہنا ڈانٹ پھٹکار۔ اعتراض۔ یہ محاورہ بھی اہل زبان سے پوچھ کر لکھا ہے (چراغ و بہار)

سلسلہ مو — لمبے گھونگھریالے بالوں والا

سمسار — بہ کسر اول۔ دوکاندار اور خریدار کے درمیان معاملہ طے کرانے والا دلال۔ کمیشن ایجنٹ۔ مختلف اشیاء مثلاً سپر، شمشیر، زین، لگام وغیرہ، پرانی اشیا

سنگ بہ سنگ زدن — کسی معمولی کام کے کرنے میں زیادہ اودھم مچانا نیز بہ معنی رنج دینا۔ خراب کرنا۔ (اردو میں اینٹ سے اینٹ بجانا) مکمل تباہ کر دینا۔

سنگ داغ — جسے پتھر گرم کر کے اس سے داغا جاتا ہے اسے بھی سنگ داغ کہتے ہیں (چراغ و بہار)

سنگر بستن — بروزن لنگر۔ لشکر کے یا گھروں کے چاروں طرف حفاظت کے لیے گھراؤ کرنا، توپیں رکھ کر کانٹے بچھا کر۔ مورچال

سنگ رو سنگ چین — مورچال اور چھوٹی دیواریں

سنگ روی یخ — دیکھو سگ روی یخ

سنگ زیر سر گذاشتن — صبر کرنا، توکل کرنا

سنگ قناعت — بے نوا یا مجاہدہ کرنے والے درویش بھوک کی ایذا سے بچنے کے لیے پیٹ سے پتھر باندھ لیتے ہیں

سوار دولت — صاحب دولت، بااختیار و اقتدار

سودا کردن — جنون ہو جانا

سوزہ بال (سوزن بال) — ''پہلے پہل جب کسی پرندے کے بچے کے پر نکلتے ہیں تو وہ سوئی یا کانٹے کی شکل کے ہوتے ہیں۔ یہاں سوزہ بہ ظاہر سوزن کا مخفف ہے۔ ھا آخر میں زائد ہے۔ غالباً یہ بچۂ طائر کے لیے مخصوص ہے مگر میر نے اس لفظ کا استعمال اپنے لیے کیا ہے''۔ (چراغ و بہار)

سوہان روح — ''ایسا شخص جس کی صحبت سے طبیعت کو مناسبت نہ ہو اور جس

سے مل کر آزار محسوس ہو۔ یہ اردو میں بھی خوب رائج ہو گیا ہے اور شخص کی قید نہیں۔ کوئی بات یا امر بھی سوہان روح ہو سکتا ہے۔ آرزو نے یہ محاورہ بھی اہل زبان سے تحقیق کر کے لکھا تھا''۔ (چراغ و بہار)

سہل — معمولی، حقیر، آسان، ہلکا، نرم زمین

سیاهی زدن و کردن — نمودار ہونا، نظر آنا، چندھیا دینا، خودنمائی، مباہات، فخر کرنا

سیر آهنگ — خوش آواز، خوش الحان

سیرابه پز — ہندستان میں جس طرح صبح کو نہاری پکا کر بیچتے ہیں اہل ایران میں دستور تھا کہ وہ سیرابہ پکاتے تھے۔ آرزو نے یہ لفظ اہل زبان کی سند سے لکھا ہے کہ اس میں ''کلّہ و پاچہ'' یعنی سری پائے ہوتے تھے۔

سیم بندی — چراغاں کی ایک قسم جس میں شمعوں کو باریک تار سے باندھ کر نئے نئے انداز سے رکھا جاتا ہے۔

سیم گِل کرده — قلعی کی ہوئی، پُتی ہوئی

سیمِ مُذاب — پگھلی ہوئی چاندی

ش

شاخ از پشیمانی برآوردن — نہایت شرمندہ ہونا

شاخ بردیوار کردن/زدن — تکبر، گھمنڈ، گردن کشی (برہان و سراج میں خوش حال اور نیک بخت)

شال کهنه داشتن — بہت مفلس ہونا

شانه کاری نمودن — فریب دینا، ظاہری خوشامد کرنا

شانه گیر شدن — اعتراض کرنا، جھڑکنا

شاه اندازی — ڈینگ مارنا، بلند دعوی کرنا

شب شکستن	پو پھٹنا، کسی مصیبت کے وقت کا گذر جانا، رات کا تھوڑا حصہ باقی رہ جانا۔
شب به سر دست آمدن	رات گذرنا
شست آویز نمودن	پھانسی پر چڑھانا، سزا دینے کے لیے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کسی چیز سے مضبوط باندھ کر لٹکا دیتے تھے۔
شست و شو دادن	نصیحت کرنا، جھڑکنا، کسی عملِ ناشایستہ سے روکنا
شکر آب	شکر رنجی، معمولی رنجش
شکر انگور	ولایتی انگور کی ایک قسم جو سمرقند میں ہوتا ہے
شکری رنگ	سفید مائل بہ زردی، آدمی کے رنگ کے لیے کہا جاتا ہے
شکستن شب	رات کا آخری حصہ، رات کا تھوڑا سا رہ جانا
شیر اندام	چوڑے سینے اور پتلی کمر والا جوان
شیر شرزہ	شیر ببر، خوفناک شیر
شیره خانه	شراب کی بھٹی، (آرزو نے یہ لفظ اہل زبان سے سن کر لکھا ہے)
شیرینی شنبه	ایران کی رسم ہے کہ بادشاہ اور امراء ہفتہ کے دن خاصان درگاہ کے نام پر نیاز کرتے تھے۔
شیشه بند کردن	کسی کا مذاق اڑانا، ٹھٹھول کرنا
شیشه جان	نازک مزاج

ص

صحبت برآر شدن	صحبت کا سازگار ہونا
صحبت در گیر شدن	آغاز گفتگو، بات چیت شروع ہونا
صحبت قروقی شدن	صحبت بے مزہ ہو جانا
صحبت کوک شدن	ملاقات کا خوشگوار ہونا
صد دهن خواندن	صلواتیں سنانا، برا بھلا کہنا

صد کوزه بسازد یکی دسته ندارد — کسی بات کا اعتبار نہ ہونا، بے پَر کی اڑانا

صرفه دادن — مہلت دینا، فرصت دینا

صورتباز — بہروپیا

صورت نویسی — نقل نویسی

صیت — شہرت (عربی میں شہرت کے لیے صیت ہے) یہاں شور و غوغا مراد ہے۔

ط

طرح کش — ناز بردار، محکوم، فرماں بردار

طرفِ کلاه بر شکستن — فخر و ناز

طرف گشتن/شدن — مقابل ہونا

طفل هاله — نوزائیدہ شیر خوار بچہ، پالنے میں پلنے والا، جس کی ولادت کو چند روز سے زیادہ نہ ہوئے ہوں۔

ظ

ظلّ ممدود — پھیلا ہوا سایہ

ع

عُروّ گور — بے محل شور و غوغا۔ اودھم مچانا (نسخہ مطبوعہ میں عرو کور چھپا ہے)

عزیز مرده — جس کا کوئی عزیز مر جائے، بد دعا ہے اور عورتوں کا محاورہ ہے فارسی میں یہ کوسنے کے طور پر بولا جاتا ہے۔ میر نے فارسی جدید کی استعمال کے شوق میں اسے اپنے باپ کا لقب ہی بنا دیا!

عَلم مردگان — ایران میں رسم ہے کہ جنازے کے آگے علم لے کر چلتے ہیں۔

علوفه — روزی، خرچ

عودی رنگ — سانولا رنگ

غ

غنچه پیشانی	رنجیدہ، غمگین
غیرت به حرام	بے شرم، بے غیرت

ف

فتیله مو	گھونگھر والے بال، الجھے ہوئے بٹے ہوئے بال
فرو کش کرده	اترنا، قیام کرنا
فکر زاد	زادراہ کی فکر
فلک کرده	الٹا لٹکایا ہوا، جسے عذاب دیا گیا ہو، ظلم رسیدہ
فوج اِلتمش	ہراول دستے اور سردار کے بیچ رہنے والا فوجی دستہ (غیاث)
فئتین	چَنداول دوگروہ

ق

قدر انداز	نشانے پر تیر مارنے والا
قدغن	تاکید، سخت احکام
قدغنچیان	نظم ونسق کرنے والے، بادشاہ کی طرف سے انتظام کے لیے مامور
قدم شمرده برداشتن	احتیاط سے چلنا
قلندران برگ بند	بدن کو پتوں سے ڈھانپنے والے قلندر، بے سروسامان درویش
قمار در راه قمار	ایسا کام کرنا جس سے واقفیت نہ ہو، جیسے جوئے کی رسم وراہ سے ناواقف اگر جوا کھیلے گا نقصان اٹھائے گا۔ صرف قمار راہ قمار بھی کہتے ہیں۔

ک

کار بر خود تنگ گرفتن	عاجز ہوجانا

کارد به استخوان رسیدن	سخت مصیبت میں مبتلا ہونا، مصیبت کی انتہا
کاسه باز	ایک طلسماتی کھیل ہے، ایک شخص بڑا سا لبادہ اوڑھ کر اس کے اندر سے کبھی پیالہ یا کوئی اور برتن نکال کر دکھاتا ہے، کبھی پانی سے بھرا ہوا پیالہ نکالتا ہے جس پر کبوتر بھی بیٹھا ہوتا ہے، یہ شیشہ بازی وطاس بازی کی قسم سے ہے۔
کاسه بر سر شکستن	رسوا کرنا، ذلیل کرنا
کاسه بند نمودن	ڈھک کر رکھنا، بند کرنا
کاغذ باد	پتنگ
کاغذِ زر	ہنڈوی
کاکُل صبح	صبح صادق، (جسے قرآن میں خیط الاسود کہا گیا ہے)
کباب سنگ	کباب کی ایک قسم جسے گرم پتھر پر پکاتے ہیں۔ اسے غالباً بوٹی کباب کہتے ہیں
کبود جامه	مازندران (ایران) کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ یا گانو ہے (مطلع السعدین)
کج پَلاسی	بدمعاملگی (چراغ)
کُش زدن مردانه	(بہ فتح کاف و بہ ضم کاف) پہلوانوں کی اصطلاح۔ حریف کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے پچھاڑ دینا
کف افسوس کندن	افسوس کرنا، رنجیدہ ہونا
کفن پاره کردن	سخت بیماری سے صحت یاب ہونا، نئی زندگی پانا
کلاغ زدن	طعنہ دینا، مذاق اڑانا (غیاث و مصطلحات)
کلافه	واضح نہ ہونا
کلان کار	تجربہ کار، ماہر
کلاه از سر کسی برداشتن	کسی کی بارے میں دریافت کرنا، تعارف چاہنا

کلاه شب پوش	رات کو پہننے کی ٹوپی
کلکل شدن	دونوں کاف مفتوح۔ فضول گوئی، ہرزہ سرائی، زبانی جھڑپ
کَلَک خسپ	بہ فتح اول ودوم مفلس اور پریشان حال، آرزو نے کلک کے معنی گلخن (گھورا) لکھے ہیں، خُسپ کی جگہ چسپ بھی آیا ہے، کلک کے معنی راکھ اور دھول بھی ہیں (غیاث و چراغ)
کَل کَل	شور و ہنگامہ واویلا
کله گوشه به آسمان رسیدن	کمال ذوق وشادمانی وخوشحالی
کم بغل	بے حیثیت، فرومایہ
کم کاسه	کم ظرف
کنارِ خشک داشتن	مفلس و بے مایہ ہونا
کنایه زدن	پہلودار بات کہنا
کوچک ابدال	چھوٹا ابدال، فقیر
کوچه دادن	مہلت دینا، کسی کو راستہ دینا، راہ میں رکاوٹ نہ ہونا
کهنه خاکدان	دینا
کهنه فعله	گھاگ، پرانا کھلاڑی

گ

گاؤ در خرمنِ کسی بستن	ظلم کرنا، دادا گیری، ہیکڑی، دوسروں کے مال میں تصرف
گپ زدن	بات چیت کرنا
گربه لاوه	نقلی بے جان بلی، بچوں کے کھیل چالیک کی طرف اشارہ ہے جس میں بلی کا پتلا بھی ہوتا ہے۔
گرسنه چشمی	کنجوسی، حرص، گداگری
گرگ بغل زن	گھاگ، آزمودہ کار
گرم رفتن	جلدی جانا، تیزی سے جانا

گریبان انداختہ	گودلیا ہوا
گلبانگ بر قدم زدن	تیزی سے جانا، جلدی
گل بر سر خاک زدن	عزت وتوقیر کرنا
گل حلوا	حلوے کا ڈھیر، مقدار
گِلخن	گِل بہ معنی خاکستر اور خن خانہ کا مخفف ہے۔ گھورا۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ بہ کسر اول بھی مستعمل ہے
گِل در آب افگندن	فساد اور خرابی پیدا کرنا
گل صد پردہ/صد برگ	گل ہزارہ، گیندا
گل مہتاب	چاندنی رات میں درختوں کا سایہ جو زمین پر پڑتا ہے

ل

لکد برابر زدن	فخر کرنا، مقابلہ کرنا، برابر کی ٹکر لینا
لکد روزگار خوردن	حادثے کا شکار ہو جانا، اچانک موت
لنگر از کف دادن	بے اختیار اور سخت مضطرب ہو جانا

م

ماء مسکوب	بہتا ہوا پانی
مُتشبّث بہ قلب	قلب سے لپٹا ہوا، قلب کو متاثر کیے ہوئے
محتضر	عالم سکرات میں، نزع کے عالم میں (احتضار سے اسم مفعول)
مربع نشستن	آلتی پالتی مار کر بیٹھنا
مردم داری	مروّت
مردہ شو بردہ	کوسنا ہے کہ اسے مردوں کو غسل دینے والے لے جائیں
مرغولہ مو	گھونگھریالے بالوں والا
مزلّۃالاقدام	پیروں میں لغزش پیدا کرنے والا، (جہاں غلطی کا امکان ہو)
مستِ سر انداز	نہایت بدمست

معیت حق	سچ کے ہمراہ
مُغتَر	مغرور، گھمنڈی
مغزِ خر خورده	احمق، گاودی
ملّای قشری	کٹھ ملّا
مهتاب به گز پیمودن	بے فائدہ کام
مُهوس	کیمیا گر
میان دادن	اجازت دینا، رخصت کرنا
میخ چشم بودن	کسی کو تکلیف پہنچانا، رنج دینا، آنکھوں میں کھٹکنا
میخ دوز ایستادن	مضبوطی سے جم کر کھڑا رہنا، ہمت سے مقابلہ کرنا

ن

نازهای هُرمزی	عجیب نخرے، ناز و انداز دکھانا
نام بر گشته بیمار	بیماری طویل ہو جائے تو بہ طور فال بیمار کا نام تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ ایران کا دستور ہے۔
نان بر شیشه مالیدن	نہایت حریص اور لالچی ہونا
نان به روغن افتادن	عیش ہونا، پانچوں گھی میں ہونا
نان جوان	روٹی کی ایک قسم، تازہ روٹی
نان خورشِ پیر	باسی سالن
نان شماط	تندور، بہت سی روٹیاں رکھنے کا ظروف
نان گربه را به تیر زدن	حیلے بہانے سے روزی حاصل کرنا، نہایت مفلس ہونا
نسقچی باشی	شہر میں امن و امان کا انتظام کرنے والا
نَسق مقرر شدن	امن و امان کا قائم ہونا
نشینه	بیٹھنے کی جگہ، مسند
نصف دل خوش	بے دلی کے ساتھ، بادل ناخواستہ

نطعی پوش — چمڑے کی جیکٹ جو پہلوان پہنتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ چمڑے کا وہ ٹکڑا ہے جسے بچھا کر پہلوان کشتی لڑنے سے پہلے اپنا سامان رکھ دیتے ہیں، یہ استاد ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے، ایک تحقیق یہ ہے کہ فن کشتی میں مہارت پیدا کرنے کے بعد ایک جیکٹ کو مدت تک روغن کنجد (تلوں) میں بھگو کر رکھا جاتا ہے پھر اسے پہننے والا نطعی پوش کہلاتا ہے گویا اب وہ مانا ہوا استاد فن ہے۔

نقش کار نہ داشتن — کسی کام کے لائق نہ ہونا

نماز پیشین — ظہر کی نماز

نمد مو — الجھے ہوئے بالوں والا

نمود — دکھاوا

نواخوانی کردن/نمودن — اشاروں کنایوں میں بات کہنا، طعنہ دینا

نو کیسه — نو دولتیہ

و

واکشیدن — کسی کو زور زبردستی سے کسی کام کے لیے تیار کرنا۔ میر نے واپس آنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

وقفِ اولادی — فقہی اصطلاح، کسی چیز کو اولاد کے لیے وقف کر کے دوسروں کو تصرف سے باز رکھنا

هِرزه چانگی — بیہودہ گوئی، بکواس

هرزه مَرس — آوارہ، اِدھر اُدھر بھٹکنے والا

همسر — زوجہ، بیوی

همگیر — آرزو نے اس کا مفہوم نیرنگ گرفتن لکھا ہے لیکن جو شعر سند

میں دیا ہے اس سے مفہوم موافقت کرنے کا ہی نکلتا ہے، میر نے بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے

ی

یال و گوپال	کرّ وفر، تن وتوش
یخ آب گشتن	پریشاں و پراگندہ ہونا، تکلیف اٹھانا
یراق	وردی، ساز وسامان
یک آش پختن	تھوڑی سی مدت، قلیل زمانہ
یک دمِ آب	ایک گھونٹ پانی
یک شاخ چادر افگندن	فاحشہ عورت کا شوخی و بے حیائی سے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دینا۔ میر نے صرف یک شاخ افگندہ استعمال کیا ہے۔
یلغر	یلغار کرتے ہوئے، یورش

تعلیقات

صفحہ/سطر

7/4 گوالیار نامی قلعہ ہے، آب وہوا اس کی نہایت خوب۔ اُستواری مضبوطی بھی نپٹ مشہور، بااسلوب، سلطنت کے جو زندانی قابل حفظ کے ہوتے تھے ان کا ٹھکانا وہیں تھا۔ باشندے وہاں کے بمرتبہ زبان آور، اور گویّے نہایت با اثر اور محبوب، دلربائی میں خوب چالاک اور قیامت کے بے باک ہوتے ہیں۔ مزار شیخ محمد غوث کا بھی وہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ مذکور اپنے عہد کے صاحب کمالوں میں ممتاز تھا اور تسخیر مریخ اس کے عمل میں تھی۔ شیر علی افسوس: آرایش محفل:87-88۔

12/4 تاریخ محمدی مصنفہ مرزا حارثی بدخشی (ص1013) میں 1109 ھ کے مرنے والوں میں اُن کا ذکر اس طرح ملتا ہے: "شیخ کلیم اللہ اکبر آبادی، جامع المعقول والمنقول در اکبر آباد فوت شد"۔ مصنف تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، علی گڑھ نے اُفق المبین، کے حوالے سے اُن کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

16/4 میرؔ کی ایک تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے والد کا نام میر محمد علی تھا۔ اپنے زہد وتقویٰ کی وجہ سے وہ ''علی متقی'' مشہور ہوگئے تھے، لیکن یہ ''خطاب'' دیا کس نے

تھا؟ میرؔ نے نہیں بتایا۔

3/5 یہاں ''حاکم شام'' سے مراد حضرت امیر معاویہؓ ہیں۔ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت (13ھ/634ء تا 24ھ/644ء میں چار سال اور حضرت عثمانؓ کے عہد (24ھ/644ء تا 35ھ/655ء) تک شام کے حاکم رہے تھے 41ھ/661ء میں خود خلیفہ ہوئے۔ 6ھ/680ء میں انتقال فرمایا۔

9/5 علی متقی کے پوتے محسن نے محاکمات الشعراء کے مقدمے میں (کتب خانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور میں صرف مقدمہ ہے) اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پاس جاکر کتب تفسیر وحدیث مثل کشاف وبیضاوی وجلالین ومدارک وتفسیر کبیر و صحیح بخاری وصحیح مسلم وصحیح ترمذی ومسند امام حنبل ومسند امام مالک وغیرہ سے متعلق تحقیق کرتا تھا۔ اس نے کسی شیعہ عالم کے پاس جانے یا شیعوں کی مذہبی کتابوں کے بارے میں تحقیق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اُس کے سنی ہونے پر مشعر ہے اور اس خیال کو کہ علی متقی سنی تھے، اِس سے تقویت پہنچتی ہے۔

14/5 یہ نہ ہووے تو نظم کل اُٹھ جائے سچے ہیں عاشقان، خدا ہے عشق

(دیوان اول)

اس ضمن میں میر کا یہ شعر بھی قابل ذکر ہے:

عشق ہی عشق ہے جدھر دیکھو سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

7/7 یہ فغانی شیرازی (م: 925ھ) کا شعر ہے جو عطار کے اس شعر سے مأخوذ ہے:

پر شد از دوست ہر دو کون ولیک سوی او زہرۂ اشارت نیست

7/9 یہ سفر کا شگون ہے اور ایرانی رسم ہے۔ ہندستان میں نہیں سنی گئی۔ فارسی میں 'آب بر آئینہ ریختن و زدن' آتا ہے، مگر اردو میں بھی استعمال ہوا ہے:

اشکوں سے شگوں لیا نرالا آئینۂ رُخ پہ پانی ڈالا

(گلزارِ نسیم)

غالباً نرالا کا لفظ خود اس رسم کے عام نہ ہونے کی غمازی کر رہا ہے۔

11/9 خفشاں نمود کا تعلق میر محمد حسین مشہدی کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے جس نے عالمگیر کی وفات (1118 ھ/1707 ء) کے بعد ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالی تھی، وہ اپنے تئیں ''بیگوک'' کہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر نبی کے 9 بیگوک ہوتے ہیں اور میں دینِ محمدی کا آخری بیگوک ہوں۔ میر محمد حسین، عمدۃ الملک امیر خاں صوبیدار کابل کی لے پالک کا شوہر اور امیر خاں کا داروغۂ خوشبوخانہ تھا۔ وہ علومِ متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا اور نہایت شیریں بیان ونغز گفتار تھا۔ اس نے عمدۃ الملک امیر خاں اور عالمگیر کی وفات کے بعد بہادر شاہ اوّل کے عہد میں نیا ڈھونگ رچایا، اپنا نام ''نمود وا نمود'' یا ''نمود اللہ'' رکھا اور اپنا مرتبہ نبوت و ولایت کے درمیان ظاہر کیا۔ ایک کتاب ''قوزۂ مقدمہ'' کے نام سے تصنیف کی اور اسے الہامی ظاہر کیا۔ اس نے ایسے الفاظ اور فقرے وضع کر رکھے تھے جو قطعاً مہمل تھے اور جن کا مطلب خود اُسے بھی معلوم نہ تھا۔ اُس کے مرید ''فربود'' کہلاتے تھے اور سلام کی جگہ ''نمود بودال'' کہتے تھے۔ 6/ ذی الحجہ اُن کے مذہبی جشن کا دن تھا اور نماز بھی سب سے علاحدہ تھی جسے وہ ''دید'' کہتے تھے۔ نما نمود، ففار اور دید اُس کے بیٹے تھے اور دو بیٹیاں نمانہ خورد و نمانہ کلاں تھیں۔ فرخ سیر کے زمانے میں اُس کے فریب کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ چنانچہ ایک دن فرخ سیر خود نیازمندانہ اُس کے حجرے میں آیا اور قدم بوس ہوا۔ بادشاہ کی عقیدت دیکھ کر نادان عوام میں میر محمد حسین کا مرتبہ اور بھی بڑھ گیا۔ محمد شاہ کے زمانے میں قمرالدین خاں وزیر کے والد نواب محمد امین خاں نے اُسے گرفتار کرنا چاہا مگر وہ خود اُس کے دامِ فریب میں آ گیا۔ اتفاق سے محمد امین خاں بیمار پڑ گیا اور اُسے یہ گمان ہوا کہ محمد حسین کی بددعا سے میری شامت آئی ہے، وہ اُلٹا معافی کا خواستگار ہوا اور پانچ ہزار روپے نذر بھیجے، مگر محمد حسین اکڑ گیا اور اس سے عوام میں اُس کی ساکھ بڑھ گئی۔ اس کی موت کے بعد بڑا بیٹا نما نمود سجادہ نشین ہوا لیکن اس نے باپ کے خلیفۂ اوّل شریکِ کار اور راز دار ''دو جی بار'' کو خوش نہ رکھا اُس نے پردۂ فریب چاک کر دیا۔ اِس طرح احمد شاہ کے زمانۂ حکومت میں یہ پرفریب تحریک ختم ہوگئی۔

میر محمد حسین کے پیروکار، خلیفہ اور مرید ساری سلطنت میں پھیل گئے اور انہیں ''نشان'' یا خطاب عطا کیے گئے۔ ''خفشاں نمود'' بھی اسی سلسلے کا مکّار پیر وکار تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ج3؛ راقم کا مضمون ''خفشانی مذہب اور اس کا بانی محمد حسین'' غالب نامہ، شمارہ 2، جولائی 2007، ص 61-74۔

5/10 شیخ عبدالعزیز عزت (م1089ھ/1678ء) سے میر نے اپنی قرابت کا ذکر کیا ہے۔ میر کے والد لاہور سے واپسی پر عزت کے بیٹے سعدالدین (م1118ھ/1706ء) کے مکان پر ٹھہرے تھے۔ عزت کے بھائی شیخ علاء اللہ (م 1118ھ/ 1706ء) کا ممتاز حقیقی علما میں شمار ہوتا تھا۔ عزت کے دوسرے لڑکے فخرالدین (م1142ھ/31-1730ء) تھے۔ شیخ عبدالعزیز نے شیعیت کی رد میں ایک رسالہ کشف الغطا کے نام سے لکھا تھا۔ (تذکرۂ خوشگو، ص45) ایزد بخش (شہید 1124ھ/1712ء) نے حق الیقین کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ ٹونک میں محفوظ ہے۔ رسا نے عزت کے ہاتھ پر شیعیت سے توبہ کی اور سنی ہو گئے۔

17/10 یہ وہی امیر الامراء ہیں جن کی سرکار سے بعد میں میرؔ کو ایک روپیہ روزانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان کا مفصل تعارف بعد میں کرایا گیا ہے۔

9/11 بیانہ قدیم زمانے میں ایک بڑا شہر تھا۔ اس کا قلعہ بھی نہایت مضبوط و محفوظ تھا۔ اگلے وقتوں میں گنہ گار بندی والوں کو وہیں رکھتے تھے۔ مہندی وہاں کی نپٹ رنگین اور آم بھی بہت بڑا وزن میں قریب ایک سیر کے۔ (افسوس: آرایشِ محفل 86)

17/12 آباد اور نوشاد میں 'آذ' کلمۂ نسبت ہے چونکہ:

هر کجا چشمه‌ای بود شیرین مردم و مرغ و مور گرد آیند

اسی لیے آباد رونق کی جگہ کو کہتے ہیں اور آب کے معنی رونق کے بھی ہوئے۔ ''نوش'' کے معنی فریفتہ کرنے کے ہیں۔ نوشاد ایک شہر کا نام ہے جو حسینوں اور خوب رویوں کی سرزمین مشہور ہے۔ آباد لغت قدیم میں بمعنیٰ ستایش، آفرین، بارک اللہ ہے اور مقابل ویران اور خوش اور خوب اور نیک ہے اور پیغمبرانِ عجم میں سے پہلے پیغمبر کا نام

آباد تھا۔ مرکب ہے آب آدہ سے۔ آدہ حرفِ نسبت ہے جیسے پیادہ (پے+آدہ) وغیرہ میں چوں کہ آب خمیر مایہ مرحمتِ الٰہی کا ہے اور اس کے معنیٰ رونق اور قدرومنزلت کے بھی ہیں، اس لیے شہروں اور بسے ہوئے مقاموں کا نام آباد ہوا کہ بارونق ہیں اور اسی واسطے اہل معنی کے لیے مظہر ہیں رحمت وبرکات کے، بلکہ محرک ہیں ستایش اور نیایش الٰہی کے اور مورد ہیں تحسین وآفرین کے، یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اور طریق تمدن گواہی دیتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں جب کہ اولادِ آدم بڑھی ہوگی اور بسبب کثرت کے اطراف عالم میں پھیلی ہوگی تو سرسبز وشاداب زمینوں میں سکونت اختیار کی ہوگی۔ اسی بنیاد پر مکانات معمور نے آباد نام پایا ہوگا۔ اور اسی سے ہے بیاباں (بے آبان) یعنی بے آب وگیاہ اور غیر آباد جنگل۔ اسی طرح بنیاد اور پیادہ وغیرہ: محمد حسین آزاد: سخن دان فارس 208، مطبوعہ 1887۔

خان آرزو چراغ ہدایت میں لکھتے ہیں:

"باید دانست کہ آباد نیز کلمه ای مرکب است از آب و آد که کلمۂ نسبت است از عالم نوشاد که مرکب است، از نوش و کلمۂ مذکورہ هم چنین داماد که مرکب است از دام و آد که برای نسبت است به معنیٰ گرفتار چه هر کس که کدخدا شد، گرفتار گردید و آباد هم برین قیاس چرا که بی آب معموری محال است. پس لفظ آباد و داماد در اصل مجاز باشد که حقیت آنها مهجور گشته."

چراغ ہدایت برحاشیۂ غیاث اللغات، مطبع انوار محمدی۔

صاحب غیاث اللغات کا خیال ہے کہ یہ کلمہ دعائیہ ہے یعنی دائم آباد کا مخفف ہے۔

19/8- 1142ھ/1729-30 کا زمانہ ہوا۔

14/2 سب فقیروں سے بازی لے گیا اور عالم میں مشہور ہوا، مگر افسوس کہ میرؔ نے اُس کا اصلی نام تک ظاہر نہیں کیا، اور تو کسی کتاب میں خیر اُس کے پیرومرشد بلکہ مرشد کے مرشد کا بھی ذکر نہیں ملتا۔

12/23 تقریباً 1143ھ/1730-31 کا زمانہ ہوا۔

11/30 سید نصرت یار خاں سادات بارہہ عہد محمد شاہی کا ہفت ہزاری منصب دار تھا۔ ہدایت اللہ نام اور رکن الدّولہ خطاب تھا۔ یہ سید قاسم بارہہ (شہامت خاں کا برادر زادہ تھا: (مآثر الامراء) تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں 23 رمضان 1134ھ کی شب کو دہلی میں انتقال کیا (تاریخ محمدی قلمی نسخہ رام پور) کامور خاں کی تاریخ (نسخہ پٹنہ) میں بھی یہی تاریخ ہے اور یہ لکھا ہے کہ اُس کی نعش پٹنہ بھیجی گئی تھی۔ اس میں عظیم آباد کی صوبہ داری کا بھی ذکر ہے۔ :بحوالہ معاصر 209/8، نصرت یار خاں میرؔ کی ولادت سے ایک سال پہلے فوت ہوا تھا، اور اُس کے صوبہ دارِ آگرہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ میر یہ واقعہ تقریباً 1144ھ کا لکھ رہے ہیں۔ یا تو انہیں صوبے دار کا نام یاد رکھنے میں تسامح ہوا، ورنہ ''حافظہ نباشد'' والا معاملہ ہے۔

9/23 لیکن اب اس جگہ کا کچھ نشان نہیں ملتا نہ کسی اور کتاب میں حوالہ دیکھا گیا ہے۔

11/23 یہ میرزا رضی دانش، میر رضی بن میر ابوتراب رضوی مشہدی کا شعر ہے شاہ جہاں کے عہد میں ہندستان آیا اور دربار میں بار یاب ہوا۔ داراشکوہ نے ایک بار صرف اِس شعر پر ایک لاکھ روپیہ دیا تھا:

تاک را سرسبز کن ای ابرنیسان در بہار قطرہ تا می می تواند شد چرا گوہر شود

پھر بنگالہ میں شہزادہ محمد شجاع کے ساتھ رہا۔ وہاں سے دکن ہجرت کی اور عبداللہ قطب شاہ کا مقرب رہا۔ رضی کے والد میر ابوتراب بھی شاعر تھے۔ فطرتؔ تخلص تھا۔ 1060ھ میں حیدر آباد جا کر انتقال کیا اور دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔ 1072ھ میں عبداللہ قطب شاہ نے میر رضی کو اپنی طرف سے زیارتِ عتبات کے لیے مشہد رخصت کیا تھا۔ میر رضی نے 1076ھ میں انتقال کیا: سرو آزاد/7-88 وخزانۂ عامرہ 217۔

18/36 یہ شعر نظیری نیشاپوری کا ہے۔ شبلی کا کہنا ہے کہ نظیری کے قیام کاشان کے زمانے میں طرحی مشاعرے ہوتے تھے جن میں ایک بار طرح دی گئی تھی: جای تو باشد، آرای تو باشد اور 'جای' کے قافیے میں سب سے بہتر شعر نظیری کا ہوا تھا۔ (محولہ بالا)

نظیری اُن دنوں نوجوان تھا۔ :شعرالعجم 120/3

10/41 شرف الدین حسین شفائی حکیم ملا کے فرزند اور مشہور طبیب تھے۔ شاہ عباس صفوی کے دربار میں مراتب قرب پر فائز تھے۔ اُن سے ایک قرابادین بھی یادگار ہے۔ رمضان 1037 ھ میں انتقال کیا۔ ایک دیوان اور چند مثنویاں شعری تصانیف میں ہیں: سروآزاد 47۔

11/43 ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم معروف بہ بایزید بسطامی، بسطام کے معروف صوفی ہیں 261 ھ /875 ء یا 264 ھ /877-878 ء میں انتقال فرمایا۔ تصوف میں' نظریۂ فنا، سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ اور سلسلہ طیفوریہ یا بسطامیہ کے بانی بھی ہیں: داراشکوہ: مجمع البحرین مرتبہ محفوظ الحق، کلکتہ 1929۔

20/53 یہ حکیم شرف الدین شفایی کا شعر ہے۔

1/55 قاضی عبدالودود صاحب نے صحیح اعتراض کیا ہے کہ میؔر کے والد کا انتقال رجب 1146ھ میں ہوا اور یہ مہینہ دسمبر (1733ء) کے مطابق پڑتا ہے، اُس زمانے میں لوہ لگ جانا کس طرح ممکن ہے؟ (معاصر حصہ 9) میؔر نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

"..... در آفتابِ گرم رفت..... گفت، ای پسر! حرارت آفتاب در مزاجِ من ثاثیری کردہ است". (ذکر میر ص 55)

اس کے بعد کی عبارت اور اُن کے علاج کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی رجب سے ایک دوماہ پہلے بیمار ہوئے تھے:

"پس از ماهی مشخص گردید که این تب متشبث به قلب است"

(ذکر میر ص 55)

ظاہر ہے کہ مہینہ بھر تو صحیح تشخیص بھی نہ ہوسکی تھی، اگر میر امان اللہ کا انتقال شوال (1145 ھ/ مارچ 1733ء) میں ہوا اور میر امان اللہ کے انتقال کے بعد احمد بیگ کا آنا، اور سات ماہ تک رہ کر ریاضت کرنا بھی میؔر کی تحریر سے ظاہر ہے (ذکر میر ص 55) اور شوال (1145 ھ) سے ربیع الثانی (1146 ھ) تک یہ 7 ماہ پورے

ہوتے ہیں تو علی متقی جمادی الاوّل (1146ھ) میں بیمار پڑے ہوں گے لیکن یہ بھی مطابق ہے (ستمبر 1733ء) کے۔

20/55- 1146ھ مطابق 27 دسمبر 1733ء

5/56 حافظ محمد حسن کی والدہ سراج الدین علی خاں آرزو کی بہن تھیں، اُن کے انتقال کے بعد میر محمد علی (علی متقی) نے میرؔ کی والدہ سے نکاح کرلیا تھا۔ میرؔ نے صرف ایک جگہ (ذکر میر ص 20) اپنی ماں کا تذکرہ کیا ہے۔ ".....مادر و پدرم نگذاشت" اِس کے بعد کہیں اشارہ تک نہیں، امکان یہی ہے کہ علی متقی کی زندگی میں میرؔ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

11/56 میرؔ کے کسی بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ محمد حسن نے جو کتابیں بطور امانت رکھ لی تھیں وہ پھر میر کو ملیں یا نہیں۔ اور ترکے کی تقسیم میں بیٹی کا ذکر بھی نہیں ہے یا اُس زمانے میں بھی لڑکیاں محروم الارث رکھی جاتی تھیں؟

1/59 خواجہ محمد عاصم کے بزرگ بدخشاں سے ہجرت کر کے اکبر آباد میں آ بسے تھے۔ جن میں بعض نے سپاہ گری کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے۔ خواجہ محمد عاصم کے بڑے بھائی خواجہ محمد جعفر باخدا صوفی تھے، خواجہ محمد باسط جن کا انتقال 1168ھ/1754ء میں لکھنؤ میں ہوا، انہیں خواجہ جعفر کے فرزند اور مشائخ نقشبندیہ میں نام آور بزرگ تھے: سفینۂ ہندی، 37۔

خواجہ محمد عاصم پہلے پہل قلیل منصب پر دربار شاہی سے منسلک ہوئے تھے، لیکن فرّخ سیر کے زمانے میں ترقی کر کے دیوانِ خاص کے داروغہ ہوئے اور 'اشرف خاں' خطاب پایا، پھر میرؔ آتش بنائے گئے تو نقارہ ونشان کے ساتھ ہفت ہزاری منصب، ہفت ہزار سوار اور ''صمصام الدولہ امیر الامراء خان دوراں بہادر منصور جنگ'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے، امیر الامراء حسین علی خاں دکھن چلا گیا تو یہ میر بخشی بنائے گئے، پھر بخشی دوم ہوئے اور گجرات کی صوبہ داری اُن کے سپرد کی گئی، صوبہ مذکور کا انتظام ان کی نیابت میں حیدر قلی خاں کرتے تھے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد انہیں

امیر الامراء کا خطاب اور میر بخشی گری کا عہدہ ملا۔ خواجہ محمد عاصم علم دوست، صوفی منش، متواضع اور سنجیدہ رئیس تھے، اکثر اہل علم اُن کے دربار سے وابستہ تھے۔ "اکثر اوقات ہنگامِ شب با علماء و شعراء صحبت می داشت و به تربیت اهل کمال بسیار می کوشید و احیاناً شعر هم می گفت": سفینۂ ہندی، 65 یہ شعر اُن کی طرف منسوب ہے:

سحر خورشید لرزان برسرِ کوی تو می آید
دل آئینہ را نازم کہ بر رُوی تو می آید

جو بہ روایت بھگوان داس ہندی فرّخ سیر کے سامنے فی البدیہہ کہا تھا۔ یہ اپنے وقت کے جلیل القدر امیر تھے۔ ''مرکزی حکومت کا نظم ونسق انہی کے ہاتھ میں تھا۔ ان کا اپنا ذاتی عملہ نہایت وسیع اور عظیم تھا جس میں فوج کے علاوہ سینکڑوں ملازمین کارخانوں اور دیگر دفاتر میں ملازم تھے A Mughal Statesman of the Eighteenth Centary, Bombay 1973, P 103 یہ علم دوست بھی تھا۔ علمی اجتماعات اور مشاعروں کا اہتمام کراتا تھا۔ صاحبان علم وادب کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتا تھا۔ ملا ساطع کشمیری نے ایک شعر پڑھا جو خود امیر کے کسی شعر کے مصرع اول کی تضمین تھا۔ خان دوران نے دو ہزار روپے انعام کے طور پر دینا مقرر کیا۔ وہ ساطع کو اپنے ساتھ دربار لے گیا۔ اس نے محمد شاہ کی مدح میں قصیدہ پڑھا اور ملازمت وجاگیر حاصل کی۔ تاریخ مظفری: محمد علی خاں انصاری، قلمی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، ص 230

اُن کے زمانے میں قلعہ دہلی ناپاک سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا لیکن وہ ان ریشہ دوانیوں میں شریک نہیں ہوئے 1151 ھ /1739 ء میں جب نادرشاہ نے چڑھائی کی تو محمد شاہ جنگ کرنے کے لیے کرنال تک گیا، تعاقب میں امیر الامرا افواج لے کر بطورِ کمک گئے، اور 23 رفروری 1739 ء 15 رذی قعدہ 1151 ھ کے ہنگامے میں بُری طرح زخمی ہوئے۔ انہیں زخموں نے 27 رفروری (19 رذی قعدہ) کو 68

سال کی عمر میں اُن کی جان لی۔ نادرشاہی حملے میں اُن کے بھائی مظفر خاں (جو اجمیر کے صوبہ دار رہ چکے تھے) اور تین بیٹے بھی کام آئے، ایک بیٹے عاشوری خاں نادری فوج کے ہاتھوں قید کر لیے گئے۔ رہائی کے بعد انہیں محمد شاہ نے باپ کا خطاب اور 1167ھ میں میر آتش کا عہدہ دیا۔ عاشوری خاں عالم گیر ثانی کے عہد میں امیر الامرأ ہوئے اور کچھ دنوں بعد انتقال کیا۔ :مآثر الامرا، ج1، ص 819 تا 823، تاریخ محمدی قلمی نسخۂ رامپور۔ و معاصر حصہ 117/8، سفینۂ ہندی 65، گل رعنا/ 371ب

18/59 نادرشاہ درّانی 9/مارچ 1739ء کو فتح مند، دہلی میں داخل ہوا، 11/12/13/ مارچ (1739ء) کو دہلی میں قتل عام کیا۔ جس میں تیس ہزار سے زائد انسان قتل ہوئے، 5/مئی کو 58 دن قیام کرنے کے بعد اس حالت میں رخصت ہوا کہ آٹھ مغل تاجداروں کے جمع کیے ہوئے خزانے اُس کی مٹھی میں تھے۔ اندازے کے مطابق 70، 80 کروڑ کے درمیان کی مالیت کا سونا، چاندی، ہیرے اور زرِ نقد وہ اپنے ساتھ لے گیا جو دس ہزار اُونٹوں، دس ہزار گھوڑوں اور تین ہزار جنگی ہاتھیوں پر لادا گیا تھا۔ Nadir Shah Frazer; Fall of the Mughal Empire: Sarkar

4/60 میرؔ نے "خالوی برادرِ کلاں" لکھا ہے (ذکر میر:60) برادرِ کلاں سے مراد محمد حسن ہیں جو میرؔ کے سوتیلے بھائی تھے، خالو ماموں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اُردو کے معروف معنوں (شوہر خالہ) میں نہیں۔

2/64 نواب رعایت خاں، مالوہ کے صوبے دار ظہیر الدولہ عظیم اللہ خاں ابن رعایت خان کا بیٹا تھا۔ رعایت خاں کے دادا جن کا نام بھی رعایت خاں تھا، محمد امین خان اعتماد الدولہ، قمرالدین خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ قمرالدین خان محمد شاہ کے وزیر تھے اور ان کی بہن نورالنسا بیگم ظہیر الدولہ عظیم اللہ خان کی زوجہ تھیں۔ اس طرح نواب رعایت خاں جن کا ذکر میر نے کیا ہے، اعتماد الدولہ، قمرالدین خان کے بھانجے ہوئے۔ خود اس رعایت خاں نے قمرالدین خان کی لڑکی سے شادی کی تھی۔

یہ رعایت خاں مرکزی حکومت میں کس عہدے پر فائز تھا اور اس کا منصب کیا تھا، اس کی اطلاع کسی معاصر ماخذ سے دستیاب نہیں۔ لیکن یہ ضرور کسی منصب پر فائز تھا اور اس کی جاگیر بھی رہی ہوگی۔ وزیر سلطنت اعتمادالدولہ قمرالدین خاں سے نزدیکی قرابت داری کی وجہ سے، اس کا احترام بھی کیا جاتا رہا ہوگا۔ فوج کا سردار ہونے کے باوجود، یہ شعر وسخن کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل علم اور شعروادب کا قدردان وسرپرست تھا۔ یہ اپنی زوجہ کے ہمراہ فرخ آباد آیا اور کچھ دن وہاں ٹھہرا۔ نواب احمد خان بنگش کی وفات (1771ء) کے بعد کسی دوسرے مقام پر چلا گیا جہاں اس کا انتقال ہوگیا۔ تاریخ فرخ آباد، ص 135، مآثرالامرا، ج 2 ص 332-333، تاریخ محمدی، ص 114، 125 تاریخ فرّخ آباد، اروِن (اردو ترجمہ) ص 98۔

7/64 احمد شاہ دُرّانی ہندستان میں پہلی بار نادر شاہ کے ساتھ آیا تھا (1739ء) اور اُس نے مغل حکومت کی زوال آمادگی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اب اُسے لاہور سے شاہ نواز خاں نے دعوت نامہ بھیجا کہ اگر آپ ہندستان پر حملہ کریں تو میں اس شرط پر آپ کی امداد کروں گا کہ بعد حصولِ فتح مجھے عہدۂ وزارت دیا جائے۔ احمد شاہ دُرّانی یہ دعوت نامہ پاتے ہی وسطِ دسمبر (1747ء) میں پشاور سے چل پڑا، اور 8/ جنوری (1748ء) کو شاہدرہ (لاہور) پہنچا۔ اسی دوران میں نواب قمرالدین خاں نے جو شاہ نواز خاں کے ماموں ہوتے تھے، اس کے خطرناک ارادے سے آگاہ ہوکر امداد دینے کا ارادہ ترک کردیا۔ درّانی نے شاہ نواز خاں کو دوبارہ ہموار کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود رہی، مگر اس نے پیش قدمی جاری رکھی اور 10/ جنوری کو راوی سے اپنی فوجیں اُتار کر شالامار باغ میں خیمہ زن ہوا۔ 11/ جنوری کو دونوں فوجوں میں جھڑپ ہوئی اور شاہ نواز خاں بھاگ گیا۔ جب قلعہ دہلی میں لاہور فتح ہوجانے کی خبر پہنچی، تو محمد شاہ نے جو اُن دنوں بیمار تھا، شہزادہ احمد شاہ اور نواب قمرالدین خاں اور راجا جے سنگھ سوائی والی جے پور کے لڑکے ایشر سنگھ وغیرہ کی نگرانی میں دو لاکھ فوج بھیجی جو 25/ فروری (1748ء) کو سرہند پہنچی، ادھر سے یہ لوگ ذرا

آگے بڑھے تھے کہ لدھیانہ کے راستے سے درّانی 2 ر مارچ کو سرہند پر قابض ہوگیا اور لوٹ مار شروع کردی۔ 22 ر مارچ (مطابق 22 ر ربیع الاوّل 1161 ھ جمعہ) کو وزیر قمرالدین خاں اپنے خیمے میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک گولا آ کر لگا جس سے وہ فوراً مر گئے۔

معین الملک نے اِس خبر کو صیغۂ راز میں رکھا اور خود نواب قمرالدین کے ہاتھی پر سوار ہوکر مقابلے کے لیے نکلا۔ اتفاق سے دُرّانی کے توپ خانے کے بارود میں آگ لگ گئی اور اُس کی فوج کے ہاتھی بھاگنے لگے اور ایک ہزار فوج جل کر بھسم ہوگئی مجبوراً دُرّانی کو میدان چھوڑنا پڑا، اور شاہی فوج نے میدان مارلیا۔ اس کی تاریخ ''فتح خدا ساز'' (1161 ھ) سے نکلتی ہے۔

9 ر اپریل 1748ء کو دہلی سے محمد شاہ کا فرمان پہنچا جس میں فوج کو واپس آنے کی ہدایت اور معین الملک کے نام لاہور کی گورنری کا حکم تھا۔ معین الملک اپنی وفات 3 ر نومبر 1753ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کے بعد اُس کی بیوی مغلانی بیگم نے صوبے کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر عماد الملک نے اُسے معزول کرکے آدینہ بیگ خاں کو مقرر کردیا۔ اور مغلانی بیگم نے احمد شاہ دُرّانی کو مال ومتاع کا لالچ دے کر پھر ہندستان آنے کے لیے لکھا۔

18/64 محمد شاہ (روشن اختر) 7 ر اگست 1702 ھ کو پیدا ہوا۔ اور ستمبر 1719ء (مطابق ذی قعدہ 1131 ھ) میں تخت نشین ہوا، 26 ر اپریل 1748ء/27 ربیع الثانی 1161 ھ کو اس نے انتقال کیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا لڑکا احمد شاہ بائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، وہ ادھم بائی کے بطن سے تھا جو ''مان خاں قوّال کی بہن تھی۔ احمد شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد اُس کو نواب بائی خطاب دیا، پھر تھوڑے دنوں کے بعد نواب قدسیہ صاحب الزماں خطاب ہوا''۔ (تاریخ اودھ: 136/1) اودھم بائی جاوید خاں پر بہت مہربان تھی، اِسی لیے جاوید خاں کو عروج حاصل ہوا۔ اور وہ ہفت ہزاری منصب تک پہنچا۔ مغل خاندان کی تاریخ میں یہ پہلا خواجہ سرا تھا جسے اتنا بڑا اعزاز نصیب ہوا لیکن

اُس کے برسراقتدار آنے سے طبقۂ شرفا میں بہت سخت ہیجان اور ناراضگی پیدا ہوگئی تھی۔ قلعے کے ملازمین جاوید خاں اور نواب قدسیہ کی اہانت کرتے تھے۔ شرفا نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا۔ آخر کار صفدر جنگ نے 27 راگست 1752ء کو اُسے قتل کرادیا۔ احمد شاہ کو بھی عمادالملک نے اندھا کر کے تخت سے اتار دیا اور عالم گیر ثانی کو اس کی جگہ تخت پر بٹھادیا۔ اسد یار خاں ملقب بہ جاوید خان چھے ہزار ذات اور چار ہزار سوار کا منصب دار تھا۔ یہ منصب محض ذاتی تزک واحتشام کی علامت کے طور پر اسے نہیں دیا گیا تھا بلکہ جاوید خاں باقاعدہ سپاہ رکھتا تھا اور داغ وتصحیحہ کے قواعد و آئین کے نفاذ اور ان کی نگہداشت کے لیے بخشی مقرر ہوا تھا۔ جاوید خان نے میر کے ساتھ حسن سلوک کیا جو اس کے ذوق شعروسخن کا ثبوت ہے۔ جاوید خاں کی اس خوبی کا کسی معاصر مآخذ میں ذکر نہیں، اس کے برعکس ''تاریخ احمد شاہی'' کے نامعلوم مصنف نے جاوید خاں کو ان پڑھ اور ناتراشیدہ شخص بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حتی پچاس سال کی عمر میں بھی وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ اسی مصنف نے مزید لکھا ہے کہ اس کی روز افزوں ترقی کا سبب یہ تھا کہ وہ بادشاہ کی والدہ سے خصوصی تعلقات رکھتا تھا۔ وہ ان کے مزاج میں دخیل تھا اور رفتہ رفتہ حکومت کا انتظام اس کے ہاتھ میں آ گیا، تاریخ احمد شاہی اوراق 13- 15 الف، 40 ب، Fall of The Mughal Empire, Delhi 1971 vol 1, PP.211,212 Jadu Nath Sarkar

تاریخ احمد شاہی کے اس بیان کی تردید بھی کی گئی ہے۔ رک: پروفیسر ظہیر ملک کا مضمون: اٹھارویں صدی کے تاریخی مآخذ میں ''ذکر میر'' کا مقام، میر تقی میر، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000 ص 371۔ ظہیر صاحب لکھتے ہیں کہ جاوید خاں عرصے تک محمد شاہ کا بہ حیثیت خواجہ سرا معتمد اور قریبی ملازم رہا تھا۔ وہ اس کے صرف خاص کا پیش دست تھا۔ شاہی محل اور دربار میں اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں بادشاہ کے ساتھ سرگرم رہتا تھا۔ ہوشیار تھا۔ یہ ذمہ داری صرف ایک خانہ زاد، وفادار، دیانت دار اور تعلیم یافتہ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔ صفدر جنگ نے محض بدگمانی اور رقیق

کاروں کے ورغلانے سے جاوید خان کو اپنے مکان پر مدعو کیا اور دھوکے سے اگست 1752ء میں قتل کرادیا۔ اس کا مال ودولت ضبط کرلیا گیا اور اس کے عہدوں پر وزیر نے اپنے ساتھیوں اور خاندان کے افراد کو مقرر کرایا۔ میر نے جاوید خان کو مظلوم لکھا ہے۔

15/65 حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ مراد ہیں، جو سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کی ولادت 535ھ/1142ء میں ہوئی۔ وہ خراسان اور بغداد ہوتے ہوئے 598ھ/1193ء میں دہلی آئے پھر اجمیر تشریف لے گئے وہیں مدّت العمر قیام رہا۔ 634ھ/1237ء میں انتقال فرمایا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اُن کے مشہور خلیفہ ہیں۔ خواجہ بزرگ کی طرف کچھ تصانیف بھی منسوب ہیں، لیکن وہ متحقق نہیں، رک: نثار احمد فاروقی: نقد ملفوظات، ایک دیوان بھی متداول ہے لیکن وہ دراصل معین الدین مسکین ساکن ہرات ومصنف معارج النبوۃ کا زائیدہ فکر ہے۔ (رک: مقالات شیرانی) ''درگاہ اجمیر کی زیارت'' بقول قاضی عبدالودود میر کے ''وسعت مشرب کی دلیل نہیں ہوسکتی، بخوبی ممکن ہے کہ میرؔ خواجۂ اجمیر کو اپنا ہم مشرب سمجھتے ہوں۔'' معاصر 99/14

17/66 اسد یار خاں (احمد شاہی) لطف علی خاں کے بیٹے تھے اور ان کے باپ کے متعلق سیرالانصار مصنفہ باقر علی خاں پانی پتی میں درج ہے کہ:

"ازسرکارِ احمد شاہ به سبب وساطت نواب بهادر خدمت خان سامانی به لطف علی خان، بخشی گری به اسد یار خان مفوض شد".

اس کتاب میں ان دونوں کے اور بھی حالات ہیں۔ (معاصر 187/1)

20/66 نواب قائم خاں بنگش (والی فرّخ آباد) سے صفدر جنگ کی پُرانی عدوات تھی اور وہ بنگش خاندان کو ملیا میٹ کرنے کے منصوبے بہت دنوں سے بنا رہا تھا۔ آخر اس نے یہ ترکیب کی کہ روہیل کھنڈ کی گورنری کا فرمان بادشاہ سے لکھوا کر قائم خاں کے نام بھیج دیا اور یہ لکھ دیا کہ اِس علاقہ پر تم قبضہ کرلو۔ نواب علی محمد روہیلہ کا 1162ھ میں

انتقال ہو چکا تھا۔ حافظ رحمت خاں اُن کے علاقے کا انتظام کر رہے تھے۔ نواب سعد اللہ خاں کو اُنہوں نے علی محمد روہیلہ کی مسند پر بٹھا رکھا تھا۔ حافظ رحمت خاں نے قائم خاں کو بہتیرا سمجھایا کہ روہیل کھنڈ پر حکومت کرنے کا خیال ذہن سے نکال دو۔ یہ صرف صفدر جنگ کی ایک چال ہے اور وہ اِس طرح خاندانِ بنگش اور روہیلوں میں عداوت ونفاق کا بیج بونا چاہتا ہے، مگر صفدر جنگ کی شہ پر قائم خاں نے پیش قدمی جاری رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ (5 رذی الحجہ 1162 ھ /26 رنومبر 1749ء) میں مارا گیا۔ حافظ رحمت خاں نے اس کی نعش فرخ آباد بھجوادی۔

اب صفدر جنگ دہلی سے فرّخ آباد پر قبضہ کرنے کی نیت باندھ کر نکلا (30 رذی الحجہ 1162 ھ) اور قائم خاں کی والدہ کو دھوکا دے کر اپنے خیمے میں بلوایا اور اُسے مع چھے فرزندوں کے گرفتار کر کے اُس کے ساتھیوں کو قتل کرادیا۔ پھر راجا نول رائے کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے واپس آ گیا۔

اِدھر قائم خاں کے بھائی احمد خاں نے رستم خاں آفریدی کی مدد سے فوج جمع کی اور راجا نول رائے کو قتل کر کے اس کی فوج کو لوٹ کھسوٹ کر مار بھگایا۔ یہ سن کر صفدر جنگ آگ بگولا ہوگیا اور اسی ہزار فوج لے کر دہلی سے نکلا (23 رجولائی 1750ء) سورج مل جاٹ، نجم الدولہ اسحاق خاں وغیرہ اُس کی مدد کے لیے ہمراہ تھے۔ میرؔ بھی اسی لشکر میں اسحاق خاں کے ساتھ گئے تھے۔ چٹونی (متصل سہاور) کے مقام پر فرّخ آباد سے چند کوس اِدھر میدانِ کارزار گرم ہوا۔ اسحاق خاں مارا گیا اور صفدر جنگ بھی زخمی ہوا۔ فوجیں بُری طرح پسپا ہو کر دہلی آ گئیں۔ 1751ء میں صفدر جنگ نے ملہار راؤ ہلکر اور اپا سیندھیا مرہٹہ سرداروں کو کثیر رقم کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور دو لاکھ فوج لے کر دوبارہ فرّخ آباد پر حملہ کیا۔ اِس بار احمد خاں بنگش کو شکست ہوئی۔ لیکن اس شرط پر صلح ہوگئی کہ احمد خاں، صفدر جنگ کو پچاس لاکھ روپے بطور تاوانِ جنگ اور پانچ لاکھ روپے شاہی خراج ادا کریں گے۔ رک: تاریخ فرخ آباد: اِروین وحیات حافظ رحمت خاں۔

5/67 29/شوال 1163ھ/30 ستمبر 1750ء: خزانۂ عامرہ: 83

7/67 جمادی الاولی 1164ھ: خزانۂ عامرہ 83۔

11/67- 7/ذی الحجہ 1165ھ (خزانۂ عامرہ 50) یہ راستے میں نہیں بلکہ اورنگ آباد جانے کے 17/دن بعد مرا تھا۔

14/67- 27/اگست 1752ھ/ذیقعدہ 1165ھ: خزانۂ عامرہ 85

11/68 نجم الدین علی سلام، عہد محمد شاہی میں اردو کے مشہور شاعر شرف الدین علی پیام کے بیٹے تھے۔ پیام اکبر آباد کے رہنے والے تھے. خان آرزو سے اِن کی دوستی تھی۔ تقریباً سولہ سال آنندرام مخلص کے ہم صحبت رہے۔ خوشگو کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور باہم معارضے کرتے تھے۔ 28 محرم 1157ھ کو انتقال کیا اور دہلی میں دروازہ شاہ مروان کے قریب دفن ہوئے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا۔ انشا میں بھی دسترس تھی۔ سلام کا ترجمہ نکات الشعراء میں موجود ہے۔ رک: مجمع النفائس: سراج الدین علی خاں آرزو۔ سفینۂ ہندی: بھگوان داس ہندی 27، سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو، نکات الشعراء۔ نوائے ادب، جلد 8 شمارہ 4,3، سخن شعراء، 218، معاصر 122/8-123، مرأۃ الاصطلاح: آنندرام مخلص۔ ورق 158 الف

4/68 رجب 1166 سے تقریباً ذی الحجہ 1166 تک: خزانۂ عامرہ 86

11/68 صفدر جنگ محرم 11167ھ/نومبر 1753ء میں صوبہ اودھ کی وزارت کا خلعت لے کر دہلی سے روانہ ہوا اور اسی سال 17/ذی الحجہ/5/اکتوبر 1754ء کو اس نے وفات پائی۔ انتظام الدولہ، نواب قمرالدین کا لڑکا تھا یہ مارچ 1753ء میں عہدۂ وزارت پر متمکن ہوا اور مئی 1754ء تک رہا۔ عماد الملک نے اُسے قتل کرادیا تھا: خزانۂ عامرہ 86۔

17/69 احمد شاہ کو 1754ء/1167ھ میں اندھا کر کے تخت سے اُتارا گیا۔ اور اُس کی جگہ عالمگیر ثانی کو 55 سال کی عمر میں تخت نشین کیا (10/شعبان 1167ھ روز یکشنبہ) وہ جب سے فرّخ سیر برسر اقتدار آیا تھا (1713ء) بہت غریبی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

اس نے مذہبی کتابوں اور تصوف وتاریخ کا اچھا مطالعہ کیا تھا۔ اور اورنگ زیب کی طرح نظم حکومت کرنا چاہتا تھا، مگر اُس کی ناتجربہ کاری اور اُس کے درباری اُمراء کی نااہلی نے اُسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر اُسے عماد الملک نے دھوکے سے قتل کرادیا۔ جس کا حال میر نے ''ذکر میر'' میں لکھا ہے۔

21/69- 17 رذی الحجہ 1167: خزانۂ عامرہ۔86

3/70- 23 ربیع الثانی 1169ھ /27 رجنوری 1756ھ سہ شنبہ: خزانۂ عامرہ 119 ''بعد چندگاہ'' اُن کا بقیہ جسد، دہلی لاکر اُن کی حویلی میں دفن کیا گیا تھا۔ اور بقول صاحب مخزن الغرائب "استخوانش بہ حضرت دھلی رسانیدند"، قلمی نسخہ کتب خانہ حبیب گنج (ورق 39الف)

4/70 "در نکتہ دانی و لطیفہ گویی و خوش معاشی و یارباشی معروف بودہ": سفینۂ ہندی 46-47۔ عہد محمد شاہ میں دربار دہلی میں ناظم بنگالہ کا وکیل تھا۔ بادشاہ کے مزاج میں دخل تمام حاصل کرلیا تھا۔ اپنے بیٹے کی شادی بڑی دھوم سے کی تھی۔ خرابی دہلی کے بعد لکھنؤ گیا اور نواب شجاع الدولہ کی ملازمت اختیار کی۔ وہاں سے پھر فرّخ آباد چلا گیا۔ اُسے ایک موقع پر ہاتھی نے ہلاک کرڈالا۔

8/70 محمّد تقی میر از مدّتی بہ سبب افراط و تفریط روزگار..... ہمراہِ ناگرمل کہ دیوان تن و دخیلِ پادشاھی بود در قلعۂ ڈیگ شنیدہ می شود..... از غزلیات تازۂ اوست کہ بہ این راقم الحروف نوشتہ.....' (قدرت اللہ شوق: تذکرۂ طبقات الشعراء، قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، دکن، ورق 86 ب تا93الف مشمولہ تین تذکرے، مرتبہ نثاراحمد فاروقی، ص113 اس تذکرے کا زمانہ تصنیف 1186ھ ہے)

ناگرمل محمد شاہ کے اوایل عہد میں اپنے وطن نوشہرہ سے دہلی آیا۔ یہاں اس کے والد چھجمل کھتری مرکزی حکومت کے دیوان خالصہ راجا بخت مل کے یہاں خانگی ملازم تھا۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال تھی۔ وہ خوبصورت تھا اور مناسب الاعضا کا

مالک۔ راجا بخت مل نے اس کو بھی اپنے ذاتی عملے میں ملازم رکھ لیا۔ یہ ذہین اور محنتی تھا۔ اس نے فارسی ادب اور فن انشا میں دسترس حاصل کر لی اور خالصہ کے قانون و ضوابط سے واقف ہوگیا۔ راجہ بخت مل نے محکمہ خالصہ میں اسے پیشکار چہارم کے طور پر مقرر کرادیا۔ وزیر قمرالدین خان نے ناگرمل کی لیاقت اور کارکردگی سے خوش ہوکر اپنے دیوان راجا روشن رائے کمبوہ کی سفارش پر اسے دیوان تن کے عہدہ پر فائز کرادیا۔ بادشاہ نے اسے رائے رایان کا خطاب دیا: عماد السعادت، ص 53-54۔

ناگرمل دیوان خالصہ وتن اور نائب وزارت کے بلند عہدوں پر مامور اور مہاراجگی اور عمدۃ الملکی کے خطابات سے بھی سرفراز ہوا۔ وہ نہ صرف امور مالیات کا منصرم بلکہ سیاسی معاملات میں عماد الملک کا مخلص اور صائب رائے رفیق کار تھا۔ اس نے وزیر، مرہٹہ اور جاٹ سرداروں کے مابین سفارتی روابط کو استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ میر نے اسے محمد شاہ کے عہد میں دیوان خالصہ وتن لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ دہلی کے محاربے میں اس نے صفدر جنگ کے خلاف بادشاہ کی حمایت کی اور وفاداری سے سفارت کے فرایض انجام دیے۔ مالی و ملکی معاملات میں وہ بادشاہ اور اس کی ماں کا مشیر خاص تھا۔ جے پور کے زمیندار راجا مادھو سنگھ شاہی دربار میں آیا اور بادشاہ اسے گفتگو کے لیے اپنے حجرۂ خواب میں لایا تو وہاں قطب الدین بیگ اور میر آتش صمصام الدولہ کے علاوہ ناگرمل بھی تھا: تاریخ احمد شاہی، ورق 75، 78، 80، 108۔

دہلی میں ناگرمل کی عزت و احترام صرف اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ اعلی منصب پر فائز اور بادشاہ سے قربت رکھتا تھا۔ اس کی غیر معمولی صلاحیت، فہم و فراست، حسن اخلاق، خوش طبعی، طور طریق میں توازن و اعتدال اور غریب و ستم رسیدہ باشندوں سے ہمدردی کے سلوک اور ان کی پرورش کے نمایاں اوصاف کی وجہ سے وہ مقبول خاص و عام تھا۔ وہ انشا میں مہارت رکھتا تھا۔ غلام علی خان کے بقول: "راجه ناگرمل را که از عمده های سلطنت و مرد راست باز و کج برانداز": شاہ عالم نامہ، خطی نسخہ، ص 43۔

5 جنوری 1757، 25 فروری 1758 کے دہلی پر افغان حملے میں ناگرمل کا مکان تاراج کردیا گیا تھا۔ لہذا وہ اپنی جان، مال وعزت وناموس کی حفاظت کی خاطر شہر کے ہزارہا ہزار لٹے پٹے افراد کے ساتھ سورج مل کے قلعے کمبیر کی طرف چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ دہلی واپس آ گیا۔ سدا شیو راؤ کے دہلی اور شاہی قلعے پر قصبہ کرنے کے زمانے (22 جولائی- 2 اگست 1760) میں سورج مل جاٹ، عمادالملک اور ناگرمل یہاں موجود تھے۔ ناگرمل نے اس خیال سے کہ احمد شاہ اب ہندستان کا بادشاہ ہے اور وہ یہ مالدار وخوشحال ملک چھوڑ کر جانے والا نہیں، اس کے حکم کی تعمیل ضروری سمجھی۔ نجیب الدولہ نے ناگرمل کی پیشوائی کی اور احمد شاہ کے وزیر ولی خان نے ان کی بادشاہ سے ملاقات کرادی۔ ''شاہ عالم نامہ'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ ناگرمل نے سورج مل کو معافی دلانے کی درخواست بھی پیش کی، لیکن زینت محل اور تیمور شاہ نے اس کی مخالفت کی اور یہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ راجا ناگرمل کی وفاداری سے عمائدین دربار مطمئن تھے۔ احمد شاہ نے ناگرمل کو نیابت و وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا اور اپنی مہر اس کے سپرد کردی۔ سورج مل کی موت کے بعد جو انتشار کمبیر وغیرہ میں رونما ہوا، تو راجا ناگرمل کو اپنے خاندان کے علاوہ ان بیس ہزار باشندگان دہلی کی حفاظت کا خیال آیا، جو اس کی وجہ سے وہاں مقیم تھے۔ وہ بہادری و ہمت سے اس قافلے کو جے پور کی سرحد پر کامان لے آیا۔ ناگرمل کے بڑے لڑکے راے بہادر سنگھ نے میر سے تعلقات برقرار رکھے اور میر کی وہ مدد کرتا رہا۔ Life and Times of Swai Jai Singh: V.S. Bhatnagar, Delhi, 1974, P 248۔

18/70 احمد شاہ ابدالی دسمبر 1749ء میں پھر دریاے چناب پار کر کے ہندستان پر حملہ کرنے کی نیت سے آ پہنچا تھا. اُس نے معین الملک کو چہار محل (گجرات، اورنگ آباد، پسرور، سیالکوٹ) کے خراج کے لیے لکھا جو شاہ نے 1794ء میں نادرشاہ کو دیے تھے۔ معین الملک نے ابدالی کا یہ خط دہلی بھیج دیا جہاں سے اندرونی سازشوں کے شکار عیش پرست بادشاہ نے خراج ادا کرنے کا وعدہ لکھ بھیجا۔ معین الملک نے شاہی خط

دکھا کر احمد شاہ کو ٹال دیا۔ لیکن ابدالی کو اندازہ تھا کہ موعودہ وقت میں یہ خراج ادا نہیں کر سکے گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا جب میعاد گذر گئی اور روپیہ نہ پہنچا تو احمد شاہ نے پہلے اپنے سفیر بھیجے۔ معین الملک نے عذر کیا۔ مگر حملے کی دھمکی میں آ کر نو لاکھ رر پیہ ادا کر دیا اور باقی کے لیے وعدہ کر لیا کہ احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کے واپس ہو جانے پر ادا کروں گا۔ ابدالی نے 9 لاکھ تو خزانے میں جمع کیے اور حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی نہ کیا۔ (1751ء) معین الملک بھی پچاس ہزار فوج لے کر راوی کے پار پہنچ گیا۔ لیکن ابدالی دوسرے راستے سے لاہور کی طرف چل کھڑا ہوا۔ معین الملک جلدی سے لاہور واپس آیا۔ ابدالی نے شہر کا محاصرہ کیا اور یہ چار مہینے تک جاری رہا۔ رسد کی پریشانی سے عاجز آ کر معین الملک نے ہتھیار ڈال دیے۔ (مارچ 1752ء) لیکن ابدالی معین الملک کی ہمت، شجاعت اور اپنے آقا کی وفاداری سے اتنا خوش ہوا کہ لاہور کی گورنری اپنی طرف سے اُسے عطا کی۔ اِدھر عبداللہ خاں کی سرکردگی میں کشمیر فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی اور وہاں کے گورنر ابوالقاسم خاں کو شکست دے کر سکھ جیون لال کو اپنی طرف سے گورنر مقرر کر دیا۔ لاہور پر اس کے بعد معین الملک تقریباً ڈیڑھ سال تک اطمینان سے حکومت کرتا رہا۔ 3 رنومبر 1753ء کو اچانک اُس کا انتقال ہو گیا۔

8/71 جب معین الملک کا انتقال ہو گیا (3 رنومبر 1753ء محرم 1167ھ) تو اُس کی بیوی مغلانی بیگم نے صوبے کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مگر عمادالملک نے اُسے معزول کر کے آدینہ بیگ خاں کو حاکم مقرر کر دیا (مارچ 1756ء) مغلانی بیگم نے ابدالی کو بلا بھیجا۔

ابدالی قندھار سے چل کر 20 ردسمبر (1756ء) کو لاہور پہنچا، اور 10 رجنوری (1757) کو ستلج عبور کر کے بغیر کس روک ٹوک کے 28 رجنوری کو دلّی میں داخل ہو گیا۔ یہاں اُس کی فوجوں نے ایسی لوٹ مار کی اور دستِ ظلم و تعدّی دراز کیا کہ میر نے اس کتاب میں اُس کے بارے میں عُشرِ عَشیر بھی نہیں لکھا ہے۔

عماد الملک سے ابدالی نے زرو جواہر پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ اُس نے اپنے افلاس کا رونا رویا تو ابدالی نے اُسے اور اُس کے ملازموں کو ایذائیں دیں، پھر انتظام الدولہ طلب کیا گیا جو نواب قمرالدین خاں کا لڑکا تھا اور اُس سے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا۔ اُس نے بھی لیت ولعل کی تو اُسے ''چوبہائے قینچی'' سے ایذا دینے کی دھمکی دی گئی جو ابدالی کے سامنے فرش پر لگی ہوئی تھیں۔ تب اُس نے کہا کہ شولا پوری بیگم کو خزانے کا علم ہوگا۔ یہ بیگم ایک وزیر (انتظام الدّولہ) کی ماں دوسرے (قمرالدین خاں) کی بیوی اور تیسرے وزیر (محمد امین خاں) کی بہو، اُسی وقت بلائی گئی اور اُسے دھمکایا گیا کہ ناخنوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی ورنہ قمرالدین خاں کے دفینے کا پتا بتاؤ۔ شولا پوری بیگم نے نشان بتایا تو سو آدمیوں نے چھے گھنٹے لگاتار محنت کر کے قمرالدین خاں کا مکان کھود پھینکا اور 16 لاکھ روپے نقد نیز بے شمار سونے چاندی کے ظروف نکال لیے (4 رفروری 1757ء)

لاکھوں بے گناہ عورتوں کی عصمتیں اور ہزاروں امیروں کی دولت وعزت لوٹنے کے بعد احمد شاہ نے جنوب کی طرف کوچ کیا۔ 3 رمارچ (1757ء) کو بلبھ گڑھ کا قلعہ فتح کیا، یہاں قتل وغارت کا وہ بازار گرم ہوا کہ سپاہی مقتولوں کے سروں کو نوٹوں کی طرح جمع کرتے اور صبح ہی اُن سروں کی گٹھریاں لے کر وزیر کے خیمے پر آجاتے تھے جہاں اُنہیں ایک سر پر پانچ روپے انعام ملتے تھے۔ اور شرفا کی بہو بیٹیوں کی ایسی بے توقیری ہوئی کہ جن مغویہ عورتوں سے ابدالی کے سپاہی زنا کرتے تھے، ان کی فریاد وفغاں سے راتوں کو کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔

اُدھر ابدالی نے نجیب خاں اور جہان خاں کو فوجیں دے کر متھرا فتح کرنے بھیج دیا۔ وہاں بھی بے شمار ہندوؤں اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ سارے بازار لوٹ لیے گئے، تمام مکان جلا دیے اور ہفتوں تک سڑکوں پر لاشیں سڑتی رہیں، اتنا خون بہایا گیا تھا کہ جمنا کا پانی سرخ ہو گیا تھا۔

21 رمارچ کو جہان خاں نے آگرے پر قبضہ کر کے بیس ہزار سے زائد انسانوں کو

موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

قتل وغارت کی زیادتی کا معمولی سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ فضا اِس قدر متعفن اور پانی ایسا خراب ہو گیا کہ ابدالی کی فوج میں ہیضہ پھیل گیا اور اوسطاً ڈیڑھ سو سپاہی روز مرنے لگے۔ مجبوراً 28 / مارچ کو ابدالی نے پڑاؤ اُٹھا دیے اور ہندستان سے چلے جانے کا قصد کیا۔ پہلے احمد شاہ نے اپنے لڑکے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی 16 سالہ لڑکی سے رچائی تھی اب واپسی میں اُس نے محمد شاہ کی لڑکی حضرت بیگم سے زبردستی اپنا نکاح پڑھوالیا۔ (اپریل 1757ء) یہاں سے ابدالی کا قافلہ قندھار کی طرف چلا تو مال غنیمت 28 ہزار اونٹوں، ہاتھیوں، خچروں اور بیل گاڑیوں پر لدا ہوا تھا۔ ساری فوج پیدل چل رہی تھی کیوں کہ اُن کی سواریوں پر مال واسباب تھا۔ دلی میں جانور عنقا کا حکم رکھتے تھے کیوں کہ ابدالی نے چلتے وقت دلّی میں مریل گدھا بھی نہیں چھوڑا تھا۔

اس نے سرہند کے علاقے کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا، اور عبدالصمد خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ نجیب الدولہ کو اپنا مختار بنا کر دہلی میں چھوڑ گیا۔ اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا حاکم اور جہاں خاں کو اُس کا نائب بنا کر قندھار واپس ہوا۔

یہاں میرؔ نے ابدالی کے تیسرے اور چوتھے حملے کو مخلوط کر دیا ہے۔

22/75 عزیزالدین شاہ عالمگیر ثانی ابن جہاں دار شاہ 1688ء میں پیدا ہوا، 2 / جون 1754ء / 10 / شعبان 1167ھ کو تخت نشین ہوا۔ اور 29 / نومبر 1759 / 8 / ربیع الثانی 1173ھ کو عمادالملک نمک حرام کی غدّاری اور مہدی علی خاں کی سازش سے قتل ہوا۔ ہمایوں کے مقبرے میں مدفون ہے۔ وقائع عالم شاہی میں ہشتم ربیع الثانی 1171ھ درج ہے۔

23/75 انتظام الدولہ خاں خاناں، نواب قمرالدین خاں کا دوسرا بیٹا تھا۔ 1748ء / 1161ھ میں بہ زمانہ احمد شاہ بخشی دوم ہوا اور 1753ء / 1165ھ میں صفدر جنگ کی معزولی کے بعد وزیر بنا۔ 30 نومبر (1759ء) کو بادشاہ کے قتل سے اگلے دن عماد الملک

کے آدمیوں نے اسے بھی مار ڈالا۔

5/76 لیکن فراقی کا بیان ہے: "همان روز شاه جهان ثانی را بر او رنگ خلافت نشانید. چنان چه اُو یازده ماه کامرانی کرد و بیست و نهم شهر صفر سال هزار و یک صد و هفتاد و دو (1172ھ) مقید شد": وقائع عالم شاہی، 5۔

14/80 اس پُر آشوب زمانے میں سلطنت مغلیہ کے چپے چپے پر سازشیں اور بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ ایک معمولی سردار بھی ہندستان پر بادشاہت کرنے کے خواب دیکھتا تھا، خود قلعہ شاہی کے امراء نے بادشاہ کو کٹھ پتلی بنا رکھا تھا اور آئے دن اُکھاڑ پچھاڑ میں مصروف رہتے تھے۔ پنجاب میں سکھوں کی طاقت آہستہ آہستہ اُبھرنے لگی تھی، بھرت پور اور اُس کے آس پاس کے علاقوں میں جاٹ سر اُٹھا رہے تھے، اودھ میں روہیلے اپنی مضبوط ریاست بنا چکے تھے مگر ان سب سے زیادہ طاقت مرہٹوں نے حاصل کر لی تھی جو اُس وقت برار سے سندھ تک پھیلے ہوئے تھے۔ عماد الملک اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے مرہٹوں کا دست نگر تھا اور اُس نے سلطنت دہلی کے کاموں میں رفتہ رفتہ مرہٹوں کو دخیل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ نجیب الدولہ کے استیصال کی فکر میں لگا ہوا تھا، جسے ابدالی اپنا مختار بنا کر قلعہ دہلی میں چھوڑ گیا تھا، چنانچہ اس نے ستمبر (1757ء) میں نجیب الدولہ کو دہلی سے نکال دیا، اور دتا سیندھیا کو سوا لاکھ فوج کے ساتھ اُس پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ نجیب الدولہ نے ایک طرف تو شجاع الدولہ، حافظ رحمت خاں اور احمد خاں بنگش وغیرہ سے کمک طلب کی تا کہ اپنی ریاست کو محفوظ کر سکے اور دوسری طرف ابدالی کو لکھ بھیجا کہ مرہٹے اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کی مدد کی شدید ضرورت ہے۔ مرہٹوں نے ایک ہی دن میں ایک ہزار تین سو گانو جلا کر خاکستر کر دیے۔ اور سکرتال (مظفر نگر) میں آ کر صف بند ہو گئے۔ دہلی سے عالمگیر ثانی نے بھی ابدالی کو خط لکھا تھا کہ عماد الملک میرے خاندان کو اور مجھے قتل کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔ مگر ابدالی اُن دنوں خود اپنی سلطنت کی اندرونی شورشوں کے فرو کرنے

میں لگا ہوا تھا۔ اس نے یہی جواب دیا کہ میں یہاں کے کچھ سرکشوں کو کیفر کردار تک پہنچادوں پھر آپ کی مدد کے لیے بھی آتا ہوں۔ آخر وہ اکتوبر 1759ء میں لاہور پہنچ گیا اور مرہٹوں کو وہاں سے بھگا کر اپنے وزیر شادلی خاں کے بھانجے کریم داد خاں کو گورنر مقرر کیا۔ 27 نومبر (1759ء) کو سرہند اور وہاں سے سیدھا دلّی آیا۔ عماد الملک کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اُس نے عالمگیر ثانی کو (29 رنومبر) اور انتظام الدولہ وزیر (30 رنومبر) کو قتل کرادیا اور پھر سورج مل کے قلعوں میں جا بیٹھا۔

اِدھر دتا سیندھیا نجیب الدّولہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اُس نے 20 ردسمبر کو جمنا عبور کی، اُس وقت ابدالی انبالے میں تھا، وہ قریب آیا تو تارا وڑی کے مقام پر دونوں فوجوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ (24 ردسمبر) اور چار سو مرہٹے مارے گئے۔ دتا بھاگ گیا۔ ابدالی کی فوج جمنا پار کر کے نجیب الدولہ سے آملی، حافظ رحمت خاں، عنایت خاں، دوندے خاں، سعداللہ خاں وغیرہ سردارانِ مشرق بھی ابدالی فوج کے شریک ہوئے اور 9 رجنوری (1760ء) کو جمنا پار کر کے براری گھاٹ کے قریب مرہٹوں کو پھر گھیر لیا۔ اس میں دتا سیندھیا مارا گیا اور اس کا بھانجا جھنکو جی سخت زخمی ہوا۔ اُدھر ملہار راؤ ہلکر کچھ اور فوج لے کر آ گیا اور دتا کی بھاگی ہوئی فوج راجپوتانے میں جا کر اُس سے مل گئی اور بالا ہی بالا روہیل کھنڈ کی طرف حملہ آور ہوئی۔ 26 رجنوری (1760ء) کو یہ فوجیں جمنا کے پار اُتریں اور چاہتی تھیں کہ نجیب الدولہ کا دس لاکھ روپیہ جو آرہا تھا راستے ہی میں لوٹ لیں، مگر جہاں خاں نے بروقت مدد کی اور مرہٹوں کو سکندرہ کے قریب شکست دے کر خزانہ بچالیا (4 رمارچ) سخت گرمی اور برسات کے باعث ابدالی علی گڑھ کے قریب ٹھہر گیا اور نجب الدولہ کو اپنی جانب سے شجاع الدولہ پر چڑھا کر بھیج دیا۔ شجاع الدّولہ 30 ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ فوج لے کر ابدالی سے آملا۔ دتا اور ملہار کی شکست سے پیشوا نا امید نہیں ہوا، اب کی بار اس نے اپنے بیٹے اور جانشین وشواس راؤ کی سرکردگی میں بھاری سپاہ بھیجی جس میں توپ خانے کا نگراں ابراہیم خاں گردی تھا جو مشہور ماہر جنگ بوسی BUSSY

کا تربیت یافتہ تھا۔ سداشیو بھاؤ بھی فوج کا سربراہ تھا۔13 رجنوری 1761ء کو ہندستان کی وہ عظیم جنگ ہوئی جسے تاریخ میں ''تیسری جنگ پانی پت'' کہا جاتا ہے۔ اور جو مہابھارت یُدّھ کے بعد سے بڑی اور فصیلہ کن جنگ تھی۔ اس کا حال میؔر نے خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں تیس ہزار سے زائد مرہٹے ہلاک ہوئے۔ 22 ہزار کے قریب گرفتار کیے گئے۔ اور بے شمار زخمی ہوگئے۔ دولاکھ مویشی ہاتھ لگے، جن میں پانچ سو ہاتھی تھے۔ زر و جواہر کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔29 رجنوری (1761ء) کو احمد شاہ دلّی آ گیا اور ممتاز محل میں مقیم ہوا۔ ابدالی فوجوں نے دلّی کو پھر لوٹ کر برابر کردیا۔ 22 رمارچ (1761ء) کو ابدالی مع افواج کے افغانستان چلا گیا۔ ہندستان پر ابدالی کا یہ پانچواں حملہ تھا۔

16/80 شاہ عالم کا لقب عالی گوہر تھا، (مقدمہ نادراتِ شاہی) یا تو میؔر سے سہو ہوا ورنہ بخوبی ممکن ہے متن کے مُرتّب (مولوی عبدالحق) سے یہ تسامح ہوا ہو۔

3/83 یہاں مراد برسانہ ہے۔

9/84 راجا ناگرمل اور سعدالدین خاں خان ساماں وغیرہ اپنی حفاظت کے خیال سے سورج مل کے قلعوں میں منتقل ہوگئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خان ساماں مع اپنے خاندان کے منتقل ہوا تھا۔ یہ سعدالدین خاں ثانی ہے جس کا نام حفیظ الدین تھا۔ سعدالدین خاں اوّل کا انتقال دہلی میں 9 رجمادی الاولیٰ 1156ھ/ یکم جولائی 1743ء کو ہو چکا تھا: تاریخ محمدی: 121۔

21/84 اس وقت ملازمت کرنے کو گھوڑا، ہتھیار وغیرہ اپنے پاس سے فراہم کرنا ہوتے تھے، اِس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

12/93 اس قلعہ دار کا نام فاضل خاں تھا اور اس نے 12 رجون 1761ء کو قلعہ آگرہ پر قبضہ کیا تھا۔ رک: سرکار: زوالِ سلطنتِ مغلیہ 278/2 نیز 318/2، مفتاح التواریخ 519

19/93 میر نے تیس (30) سال کے بعد اپنا دوبارہ آگرے جانا لکھا ہے لیکن واقعات کی روشنی میں یہ غلط ہے۔ اتنا واضح ہو ہی چکا ہے کہ میر نادرشاہی حملے (1739ء) کے

بعد (دوبارہ) دِلّی آئے تھے اور وہ زمانہ اگر 1740ء بھی مانا جائے تو سورج مل کی بغاوت جولائی 1762ء کا واقعہ ہے، جس کی رو سے میر 22-23 برس کے بعد تیسری بار آگرہ گئے ہیں نہ کہ تیس برس میں۔

5/94 یہاں میر نے فارسی محاورہ ''سقیفہ سازی'' کا استعمال کیا ہے۔ یہ ایک سنی سے مستبعد ہے۔ میر نے یہاں اپنے تشیع کے اظہار یا محاورۂ ایران کی نقل کے شوق میں یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ محاورہ وہ ایک سنی عالم کی زبان سے کہلوا رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ مکالمہ کبھی ہوا ہی نہ ہو۔ اگر فی الواقع ہوا بھی تو نہ یہاں اِس کا کچھ سیاق ہے نہ کوئی اہم نکتہ اِس کے درج کرنے کا مُحرّک ہوسکتا ہے، جب کہ نسبتاً بہت سی اہم باتیں جو لکھنے کی ہوسکتی تھیں، میرؔ نے اُن کے طرف التفات نہیں کیا ہے۔

10/95 میر قاسم علی خاں ستمبر 1740ء میں میر جعفر کی معزولی کے بعد بنگال کے گورنر ہوئے۔ انگریزوں سے اُن کا معاہدہ تھا لیکن انگریزوں نے اُس کی خلاف ورزی کی۔ اِس پر میر قاسم نے فوج کشی کردی مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا (1764ء) اور شجاع الدولہ سے پناہ مانگی۔ انگریزوں نے اَودھ پر دَباؤ ڈال کر وہاں سے بھی نکلوادیا۔ آخر کچھ دن روہیل کھنڈ پھر ریاست گوہد اور جودھپور میں گذار کر 1774ء میں شاہ عالم کے دربار میں پہنچے۔ مگر یہاں بھی پناہ نہ ملی۔ آخری زمانہ موضع کوتوالی میں نہایت کس مپرسی کے عالم میں بسر کیا۔ 1191ھ/1777ء میں انتقال ہوا، اور اُن کے ساتھ ہی بنگال کے صوبیداروں کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

13/102 عماد الملک کے لیے رجوع کیجیے: خزانۂ عامرہ 50، گلزار ابراہیم قلمی (نسخۂ پٹنہ) ورق 297ب، تذکرۂ نشترعشق (قلمی رام پور) 693 الف تا 695 الف، گلشن سخن قلمی 102 الف، تکملۃ الشعراء قلمی (نسخۂ رام پور) 317 ب، تذکرۃ الکاتبین (قلمی) 28 الف، حدیقۃ العالم 223/2، عہد بنگش، سرگذشتِ نجیب الدولہ 5، زوالِ مغلیہ (سرکار) جلد 3

2/105 یہ جمادی الثانی 1181ھ/ نومبر 1767ء کا واقعہ ہے (چہار گلزارِ شجاعی) اور میر نے

یہ سطریں اُسی زمانے میں لکھی ہیں۔

14/105 یہ میدان جنگ میں انتہائی شجاعت کا مظاہرہ ہوتا تھا کہ سواریاں چھوڑ کر دست بدست لڑائی شروع کر دیتے تھے۔

15/106 راؤ رتن سنگھ اگست 1768ء میں مسند ریاست پر بیٹھا تھا اور 8 اپریل 1769 کو قتل کیا گیا۔ اُس کی مدت ریاست آٹھ ماہ کے قریب ہوتی ہے۔ اُسے ایک برہمن گوسائین روپانند نے قتل کیا تھا۔ اُس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ کیمیا بنانا جانتا ہے۔ راجا نے اُسے پارس کی پتھری ڈھونڈھنے پر مامور کیا۔ یہ کچھ زمانے تک اُسے بیوقوف بنا کر روپیہ اینٹھتا رہا اور جب دیکھا کہ مکر کا پردہ چاک ہونے والا ہے تو ایک دن رتن سنگھ کو ہلاک کر دیا: زوالِ سلطنت مغلیہ 3/3-4

16/106 ذکر میر میں اُس کا نام "کھیری سنگھ" ملتا ہے مگر سرکار (زوال 4/3) نے کیسری لکھا ہے۔ یہ مسند نشینی کے وقت شیر خوار تھا۔ نول سنگھ کا سالا دان شاہ ریجنٹ مقرر ہوا تھا۔

19/106 اس نابالغ لڑکے کا نام رنجیت سنگھ تھا۔ (چہار گلزار)

20/106 ان سطروں سے ظاہر ہے کہ یہ عبارت 1769ء-1770 کے مابین لکھی گئی ہے۔

2/107- 15 رفروری کے آس پاس 1770ء (زوال 4/3)

4/107 یہاں تک ذکر میر کے عبارت فروری 1770ء میں لکھی جا کی تھی۔

6/107 مرہٹے اس وقت جے پور میں تھے اور والی جے پور نے انہیں پچاس لاکھ روپیہ دینے کا لالچ دیا تھا بہ شرطیکہ وہ جاٹوں سے ان کے مقبوضہ علاقے واپس دلا دیں۔

7/107 مرہٹہ فوج کے سرداروں نے 5 رمارچ 1770 کو کمبھیر کے قلعے میں رنجیت سنگھ سے ملاقات کی تھی: زوال 6/3

8/107 تقریباً ایک ماہ کمبھیر میں پڑے رہے تھے۔

13/107 یہاں میر کا اشارہ گوسائیں بالانند اور دان شاہ کی طرف ہے۔ سمرو Sombre اور میدک نے یہ مشورہ دیا تھا کہ جنگ کرنا مناسب نہیں مگر دان شاہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور گوسائیں بالانند نے بھی اس کی تائید کی: زوال 7/3

14/107 یہ بھرت پور سے نومیل جانب مشرق واقع ہے۔

14/107 یہ حملہ 16 راپریل 1770 کو ہوا تھا: زوال 6/3

18/107 اِس جنگ میں دو ہزار مارے گئے تھے۔ پانچ ہزار زخمی تھے۔ غنیم کو 40 توپیں ہاتھ لگیں۔ صرف دو ہلکی توپیں سمرو بچا کر لے بھاگنے میں کامیاب ہوسکا تھا۔ جاٹوں کے بارہ سو گھوڑے، گیارہ ہاتھی، اور بارہ بڑی توپیں مرہٹوں نے ہتھیالیں: زوال 7/3

19/107 نول سنگھ نے شکست کے بعد گوردھن سے چار میل مشرق میں ایک قلعہ ارنگ میں پناہ لی۔ پھر ڈیگ آ گیا تھا۔ مرہٹوں نے یہاں تک اُس کا تعاقب کیا مگر یہاں سے اُن کا رخ متھرا کی طرف ہوگیا تھا: زوال 9/3

6/108- 31 راکتوبر 1770، زوال 290/2 نیز 16/3

4/109 یہاں تک ذکر میر کی عبارت کا ماں (راجستھان) میں لکھی گئی ہے۔

7/109 یہ حسام الدین حیدر خاں وہی ہیں جن کے نام سے ایک حویلی آج بھی محلّہ بلیماران، دہلی میں موجود ہے اور جن کے بارے میں یہ روایت ہے کہ انہوں نے مرزا غالب کا ابتدائی کلام میرؔ کو لکھنؤ میں دکھایا تھا اور اُس کے بارے میں میر نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔

7/109 شاہ عالم جولائی 1771ء میں حُسام الدولہ کے ساتھ فرّخ آباد پہنچے تھے تاکہ احمد خان بنگش کی جاگیر ضبط کریں۔ مگر چھے لاکھ سالانہ پر فیصلہ ہوگیا تھا: زوال 392/2

8/109 میرؔ کا یہ دوسرا سفرِ فرّخ آباد تھا۔ پہلے سفر کا ذکر قبلاً ہو چکا ہے۔

10/109 یہاں حسام الدولہ کے بیٹوں کی طرف اشارہ ہے اِس لیے کہ شاہ عالم نے فرّخ آباد کے معاملے میں مرہٹوں (مادھوجی سیندھیا) سے مدد طلب کی تھی: زوال مغلیہ 397/2

14/109 یہ راجا ناگرمل کا چھوٹا بیٹا تھا۔

18/109 یہ واقعہ 6 رجنوری 1772ء کا ہے (زوال 22,1/3)

رک: زوال سلطنت مغلیہ 109'35/3

21/109 اِس سفر میں میر شاہی لشکر کے ساتھ تھے اور لشکر کا راستہ تھا: دہلی، لونی، باغپت،

غوث گڑھ، چاندپور (رڑکی سے 15 میل مشرق میں) ضابطہ خاں نے سکرتال میں مورچہ بنایا تھا۔ ضابطہ خاں کی شکست کے بعد شاہ عالم یکم مارچ 1772ء کو سکرتال پہنچا تھا، میرؔ بھی ساتھ رہے ہوں گے۔

1/110 یہ بقول سرکار 23 رفروری 1772ء کا واقعہ ہے (زوال 36/3) ضابطہ خاں امیر الامراء نجیب الدولہ کا فرزند تھا اور اپنے باپ کی وفات (31 راکتوبر 1770ء) کے بعد اُس کی جگہ دربار شاہی میں منصب دار ہوا تھا لیکن اسے کچھ الزامات لگا کر نکال دیا گیا اور املاک ضبط کرلی گئیں۔ اُس نے سرکشی کی تو شاہ عالم نے مرہٹوں سے امداد لے کر سکرتال پر فوج کشی کی (1185ھ/ فروری 1772ء) سہارنپور اور نجیب آباد کے علاقے اُس کے تحت تھے۔ جادو ناتھ سرکار (زوال 109/3) کا بیان ہے کہ 1778ء میں ضابطہ خاں نے سکھ دھرم قبول کرلیا تھا اور اُس کا نام بھی دھرم سنگھ رکھا گیا تھا۔ لیکن یہ بالکل بے اصل الزام ہے۔ ضابطہ خاں 1775 میں انتقال کر چکا تھا۔ 1775ء ہی میں اُس کا بیٹا غلام قادر روہیلہ جانشین ہوا۔ اُس نے اپنے باپ کی ذلت کا انتقام لیا اور شاہ عالم کو نورِ بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ اِس کا حوالہ میرؔ نے اس کتاب کے آخر میں دیا ہے۔

1/110 مرہٹہ سرداروں کے محفوظ رکارڈ سے سرکار (زوال 40/3) نے پتھر گڑھ کے قلعے کی لوٹ کے یہ اعداد و شمار دیے ہیں: ''دس لاکھ کا زر و سیم۔ 2298 گھوڑے۔ اِن میں سے 1043 شاہ عالم کو دیے گئے، تین بڑی توپیں۔ سات زنبورکین۔ 1842 گولہ مار۔ سوراکٹ۔ 530 من بارود۔'' ضابطہ خاں کی ضبط شدہ جاگیر میں سے سہارنپور فخر الدین خاں پسر قمر الدین خاں کو اور کرنال وائوپ شہر سیندھیا کو بخش دیا تھا۔ واپسی میں شاہ عالم کا راستہ یہ تھا: ''نجیب آباد، نہٹور، شیر کوٹ، سیوہارہ، سلیم پور، امروہہ، پوتھ (گنگا) بکسر، ہاپوڑ، لاکھن، دہلی۔'' نجیب آباد سے آخر مئی 1772ء میں روانہ ہوئے تھے اور 9 رجولائی 1773ء کو دہلی میں وارد ہوئے تھے۔ واپسی میں مرہٹوں نے سارے روہیل کھنڈ کو بُری طرح لوٹا تھا۔ صرف امروہہ لٹنے سے بچ گیا تھا۔ یہاں

کے سادات نے نجف خان کی وساطت سے ساٹھ ہزار روپیہ تاوان دینے کا پہلے ہی سے اقرار کرلیا تھا۔ عبرت نامہ میں یہ رقم اسی ہزار بتائی گئی ہے: زوال 43/3

3/110 مال غنیمت کی تقسیم پر شاہ عالم اور مرہٹوں کے سفیر کے درمیان جھڑپ بھی ہوگئی تھی، 3 رمئی 1772ء، زوال 40/3

19/110 میر نے تعداد زیادہ لکھی ہے۔ نجف خاں نے سات ہزار سپاہی بھرتی کیے تھے۔ سعادت یار خاں رنگین کے والد طہماسپ خاں مسکین جو سکرتال کی مہم میں بھی موجود تھے، کہتے ہیں کہ یہ فوجی خوبصورت اور مضبوط تھے اور ہندی الاصل تھے مگر لڑائی میں اچھے ثابت نہ ہوئے۔ زوال 43/3-45

14/111 یہ دسمبر 1771ء کا واقعہ ہے۔ بلوچوں سے وہ فوج مراد ہے جو موسوی خاں کے بھائی سید محمد خاں بلوچ کی کمان میں تھی (زوال 50) ذکر میر مطبوعہ میں طباعت کی غلطی سے ''دبلوجان'' چھپا ہے اور موسیٰ مدک فرنگی کے ساتھ اس لفظ کے ذکر سے یہ التباس پیدا ہوتا ہے کہ ''وبلو جان'' بھی کوئی فرنگی نام ہوگا موسی مدک یا موسیو مدک (RENE MADEC) پہلے بھرتپور کی ملازمت میں تھا۔ اُسے چھوڑکر 15 رنومبر 1772ء کو دہلی آیا۔ 17 رنومبر کو شاہ عالم کے دربار میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے اِسے ''نواب شمس الدّولہ بہادر قائم جنگ'' خطاب کے علاوہ شش ہزاری ذات وسوار کا منصب دیا، زوال 46/3

15/111 اس کا نام Rene madec ہے موسیو فرانسیسی تعظیمی لقب Monsieur ہے۔ موسیو مدک کے حالات کے لیے دیکھیے E- Barbe: L' Nebob Rene Madec

19/111 دسمبر 1773ء، زوال 3/3

18/113 میر نے یہ سطریں 17 جنوری 1773ء کے آس پاس لکھی ہیں۔ اِسی تاریخ کو مرہٹوں نے نجف خاں کی حویلی واقع موری گیٹ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد 20 جنوری کو باہم تصفیہ ہوگیا اور نجف خاں نے مع اپنی فوج کے تین ہزار روپیہ یومیہ پر

مرہٹوں کی ملازمت قبول کرلی تھی، زوال 53/3

5/114 رک: زوال 53-52/3

13/114 اس پیراگراف میں جو طنز کی تلخی ہے اُس سے اُن سیاسی حالات میں میرؔ کے نقطۂ نظر کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔۔

17/114 رک: زوال 53/3، پولیر 35-34

1/115 یہ صلح 21 راپریل 1773ء کو ہوئی تھی اور نجف خاں 20 مئی 1773ء کو شہر میں داخل ہوا تھا، زوال 60/3، 55/3

6/115 اس کا خطاب ''مجدالدولہ بہرام جنگ'' تھا اور یہ 22 رمئی 1773ء کو مختار بنا تھا، زوال 61/3

8/115 یہ 5 رجون 1773ء کو قید کیا گیا (زوال 62/3) نجف خان نے پانچ دن کے بعد اِسے آزاد کرادیا تھا۔ مگر 14 رجون کو مہدی قل خاں گرفتار کرلیا گیا جس نے عماد الملک کے زمانۂ وزارت میں دہلی والوں پر بہت مظالم کیے تھے۔ اسے 12 رجولائی 173ء کو ہاتھی کے پیروں تلے روندوادیا گیا تھا۔ میرؔ نے یہ سطریں جون 1773ء میں لکھی ہیں جب حسام الدین خاں مغلوں کی قید میں تھا۔

9/115 زوال 61/363، متن ''ذکر میر'' میں ''ہشت صدلک روپیہ'' ملتا ہے اور یہی نسخۂ رامپور میں بھی ہے۔ بظاہر ہشت لک ہونا چاہیے۔

14/115 نسخۂ رامپور اسی عبارت پر ختم ہوجاتا ہے۔

1/117 سورج مل نے گڑھی کے میدان میں ایک قلعہ بھی تعمیر کرلیا تھا۔ یہ دہلی سے 13 میل اور قطب صاحب سے پونے دو میل کے فاصلے پر واقع تھا، زوال 66/3

8/117 یہ قلعہ دہلی سے 25 میل جنوب میں واقع ہے۔ نجف خاں نے یہ محاصرہ اکتوبر 1773ء میں کیا تھا، زوال 67/3

10/117 یہ سردار اجیت اور ہیرا سنگھ نامی تھے جو نول سنگھ کے خلاف نجف خاں سے مل گئے تھے۔ باونی کھیڑا جو پلول سے چھے میل جنوب میں ہے، اس سے نو میل جنوب کی سمت

نول سنگھ تھا۔ نجف خاں نے سیکھر، فتح پور بلوچ میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ مقام بلم گڑھ سے 5 میل جنوب میں اور پلول سے 9 میل شمال میں ہے، زوال 67/3

22/117 یہ جنگ 20 / اکتوبر 1773ء کو لڑی گئی۔ اس میں نجف خاں کے 2300 سپاہی کام آئے تھے اور نول سنگھ کے دو ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ تفصیل کے لیے رک: زوال 69-71/3 نیز 81-83/3

23/117 والٹر رینہارڈ سومبرے (Walter Reinhard Sombre) جسے عام طور پر سمرو کہا جاتا ہے، اُس کی بیگم بھی تاریخی شخصیت ہے جس کی کوٹھی دہلی میں آج بھی موتی سینما کے پہلو میں ''پتھر والی'' مشہور ہے۔ جہاں اب ایک اسٹیٹ بینک ہے۔

10/118 نجف خاں نے ڈیگ کا محاصرہ جنوری 1776ء میں کیا تھا، اور اس سے پہلے 11 / اگست 1775ء کو نول سنگھ مر گیا تھا، زوال 83/3-159/3

16/118 29 / اپریل 1776ء، زوال 86/3

23/118 فروری 1778ء، زوال 87:3-113

10/119 جن علاقوں پر نجف خاں نے قبضہ کیا تھا وہ یہ تھے: گڑھی ڈیگ، کمبیر، اکبر آباد، متھرا، بندرابن، کول (علی گڑھ)، جلیسر، کامان۔ 12 / جون 1775ء سے 21 اپریل 1775ء تک نجف خاں دہلی ہی میں تھا، زوال 75:3

22/119 یہ مرزا جہاں شاہ فرخندہ بخت پسر شاہ عالم کی طرف اشارہ ہے جسے ساتھ لے کر عبدالاحد خاں نے سرہند پر حملہ کیا تھا۔ دہلی سے یہ لشکر 3 / جون 1779ء کو نکلا تھا اور اسی سال اکتوبر میں واپس ہوا۔ (130-188/3) فرخندہ بخت نے 6 مئی 1781ء کو انتقال کیا۔ (زوال 154/3)

2/120 عبدالاحد خاں کے بارے میں تفصیل دیکھیے: زوال 121/3۔ یہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہے۔

3/120 مئی 1779ء تک عبدالاحد خاں کی فوج 30 ہزار ہو گئی تھی: زوال 120/3-121

11/120 حافظ رحمت خاں روہیلہ 13 / اپریل 1774ء کو کڑا میران پور کے میدان میں

شہید ہوئے۔ وہ مغلوں کے دورِ زوال میں ایک جری، باہمت، دیانت دار، اور پاک باطن سردار تھے۔ اگر شجاع الدولہ نے انگریزوں سے سازش کر کے اُن کے ساتھ غدّاری نہ کی ہوتی تو اُنہوں نے ہندستان کی تاریخ کو شاید دوسری طرح ہی لکھوادیا ہوتا۔ مگر نوابانِ اودھ کا دامن محسن کشی، طمع وآزار و بد اعمالیوں کی سیاہیوں سے ہمیشہ داغ دار رہا ہے چنان چہ شجاع الدولہ کی بد باطنی نے اپنے ہی نہیں اپنے باپ کے بھی اِس محسن کو پوری طاقت سے کچل کر روہیل کھنڈ پر قبضہ کرلیا اور روہیلوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے شمالی ہند میں انگریزوں کو اپنے قدم مضبوطی سے جمالینے کا موقع فراہم کردیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

1- اخبارالصنادید: نجم الغنی رامپوری، مطبع نولکشور، جلد دوم، 1918ء۔

2- تاریخ اودھ حصہ دوم: نجم الغنی، مطبع نورلکشور، 1919ء۔

3- حیات حافظ رحمت خاں: الطاف علی بریلوی، نظامی پریس، بدایوں۔

4 -گلستانِ رحمت: نواب مستجاب خاں بہادر خلفِ حافظ رحمت خاں۔ (انگریزی ترجمہ از چارلس ایلیٹ۔ لندن، 1831ء، دیدودریافت: نثار احمد فاروقی، مضمون ''مولوی مدن کی سی''۔ دہلی 1964ء

روہیلوں کی ایک تاریخ جوفارسی آمیز پشتو میں کاظم خاں شیدا نے حافظ رحمت کی فرمایش پر لکھی تھی اُس کا ایک قلمی نسخہ حال ہی میں (1972ء) نیشنل میوزیم نئی دہلی نے خریدا ہے۔ یہ حافظ رحمت کے ہم عصر مآخذ میں ایک کتاب ہے۔

4/122 ابوالقاسم خاں کا لقب اعظم الدّولہ تھا۔ اسے عبدالاحدخاں نے اکتوبر 1775ء میں سہارن پور کا فوجدار بنا کر دہلی سے روانہ کردیا تھا۔ 4/مارچ 1776ء کو ضابطہ خاں کی فوجوں سے اس کی جھڑپ شروع ہوئی۔ مظفرنگر سے آٹھ میل شمال میں امیر نگر کے مقام پر 11/مارچ 1776ء کو مارا گیا۔ اس کے دونوں پیروں میں لنگ تھا۔

13/122 چہارگلزارِ شجاعی میں فرنگی کا نام فراسیس ملتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ اودھ 294/2

13/122 تفصیل کے لیے رک: عمادالسعادت 129۔

13/123 نجف خاں نے 12 رنومبر 1779ء کو دہلی کے جنوب میں کشن داس کے تالاب پر خیمہ لگایا تھا اور یہیں عبدالاحد خاں شہزادہ اکبر شاہ کو ساتھ لے کر اُس کی پیشوائی کے لیے 14 رنومبر 1779ء کو آیا تھا۔ اِسی دن دونوں قلعہ میں داخل ہوئے۔ نجف خان کی ایک ہزار سپاہ کو لے کر افراسیاب خاں نے قلعہ پر قبضہ کیا تھا، زوال 127-126/3

22/123 قلعہ سے نکل کر نجف خاں مسجد روشن الدولہ میں آ کر بیٹھ گیا تھا اور یہاں سے عبدالاحد کی گرفتاری کے مطالبے پر مشتمل عرضی بھجوائی تھی: زوال 128/3

4/124 عبدالاحد خاں کی سپاہ سے لطافت علی خاں اور میر سید علی ٹوٹ کر نجف سے مل گئے تھے: زوال 129-128/3

8/124 عبدالاحد خاں کی نظر بندی 15 رنومبر 1779ء کو ہوئی تھی۔ اس کے بعد نجف نے اپنے لیے وکیل مطلق کا عہدہ حاصل کرلیا تھا جو مغلوں کے دور آخر میں مادھوجی سیندھیا کے سوا اور کسی کو نہیں ملا: زوال 129/3

10/124 نجف خاں نے اپنے رہنے کے لیے نواب قمرالدین خاں کی حویلی حاصل کرلی تھی۔ یہ موجودہ قاضی حوض اور اجمیری گیٹ کے درمیان واقع تھی۔

19/124 اسے عیش وعشرت کی طرف مائل کرنے والا، دراصل نواب آصف الدولہ کا نائب لطافت علی خاں خواجہ سرا تھا: زوال 132/3

20/124 نجف خاں دوسال اور چار ماہ رہا۔ 9 رنومبر 1779ء سے 6 راپریل 1782 تک وکیلِ مطلق رہا۔ اور یہ پورا زمانہ دہلی ہی میں گذرا۔ اس نے 6 راپریل 1782ء کو انتقال کیا۔ بیماری کا سلسلہ 1782ء کے ماہِ اگست سے شروع ہوا تھا اور 1782ء کے ابتدائی تین ماہ مرض میں شدت رہی۔ نجف خاں کا مقبرہ دہلی میں مسجد موٹھ کے قریب واقع ہے۔ اُس کے جنوب میں افراسیاب خاں (متوفی 17 رذی الحجہ 1199 سہ شنبہ) کا مقبرہ ہے۔ سیرالمنازل۔ میر کا سفر لکھنؤ اُس کی بیماری کے زمانے میں ہوا ہے: زوال 132-131/3

6/125 اسحٰق خاں مؤتمن الدولہ کے اجداد شوستر سے آئے تھے۔ یہ عہد محمد شاہی کے امیر تھے۔ دیوانی خالصہ کے ساتھ مؤتمن الدولہ خطاب پایا تھا۔ 1153ھ میں بحالتِ سجدہ انتقال کیا (تاریخ محمدی) خانِ آرزو نے لکھا ہے کہ فقیر کو اُن کی خدمت میں بیس برس سے زیادہ نیاز حاصل رہا ہے۔ آرزو پر بہت نوازش کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے رک: تذکرۂ مجمع النفائس (قلمی) رامپور، گل رعنا (قلمی) ورق 63ب۔ (نسخۂ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد) تین تذکرے: مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی 1967ء

نواب سالار جنگ نے 7 رجب 1201ھ 25 اپریل 1887ء کو انتقال کیا۔ (چہار گلزارِ شجاعی، عکس شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی صفحہ 553)

6/126 سفینۂ ہندی 205 اور تذکرۂ عیار الشعراء (خوب چند ذکا) ورق 217 الف (نسخۂ انجمن ترقی اردو) سے معلوم ہوتا ہے کہ آصف الدولہ نے میر کا دو سو روپیہ ماہانہ مقرر کر دیا تھا۔ اُن کا تقرر ''صیغۂ اُستادی'' میں ہوا تھا۔

11/126 نجف خاں کے مرنے کے بعد افراسیاب خاں نے دوآب (علی گڑھ) محمد شفیع نے میرٹھ، نجف قلی نے میوات اور ریواڑی، اور محمد بیگ ہمدانی نے بھرتپور، الور، اور جے پور کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ نجف خاں نے اپنے پیچھے دو کم سن لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ اولادِ نرینہ کوئی نہیں تھی۔ اِن لڑکیوں کی نجف کی بہن خدیجہ سلطان بیگم نے پرورش کی۔ ان میں سے ایک کا نکاح مرزا شفیع سے کر دیا تھا، رک: 3/139-3/158-3/166، عبدالاحد خاں 16 رجون 1782ء کو رہا کیا گیا تھا۔

12/126 نجف قلی خاں نومسلم تھا۔ یہ افراسیاب خاں سے مل گیا تھا (17 رجولائی 1782ء) اس کی ایک بیٹی نواب حسام الدین حیدر خاں نامی کو بیاہی تھی جن کے نام سے آج تک دہلی کے محلّہ بلیماران میں ایک حویلی موجود ہے۔ اُن کے بیٹے حسین مرزا اور نواسے یوسف مرزا تھے جن کا حوالہ غالب کے خطوط میں جابجا آتا ہے۔ حسین مرزا کی نواسی ذکیہ بیگم محمد حسین آزاد کے بیٹے آغا محمد ابراہیم سے منسوب تھیں۔ نامی کے

ایک علاتی بھائی سید محمد خاں رند لکھنوی تھے۔ رک: نقوش، لاہور، شمارہ 116

13/126 اپریل 1782ء سے نومبر 1784ء تک نجف خاں کے جانشینوں میں سخت رسا کشی رہی۔ 1784ء تک لطافت خواجہ سرا، مرزا شفیع اور افراسیاب تینوں قتل ہو گئے تھے، اور عبدالاحد خاں کو دوبارہ قید کرلیا گیا تھا اس طرح محمد بیگ ہمدانی کے لیے میدان صاف ہوا ہی تھا کہ مرکزی سیاست پر مادھو جی سیندھیا کا اقتدار قائم ہو گیا۔

23/126 لطافت علی خان خواجہ سرا کے لیے دیکھیے: زوال 160/3

1/127 میر جسے سمرو فرنگی کا رشتہ دار بتا رہے ہیں، یہ شاید پالی PAULI ایک جرمن کمانڈر تھا۔

5/127 مرزا شفیع عبدالاحد خاں کو ساتھ لے کر 16 راکتوبر 1782ء کو فرار ہوا تھا: زوال 171/3

11/127 میر نے غلطی سے دو جگہ احمد بیگ ہمدانی لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو۔ اس کا نام محمد بیگ ہمدانی تھا۔ یہ مغل سپاہ کا سردار تھا اور اسمٰعیل ہمدانی اس کا بھانجا تھا۔ یہاں جس عہد و پیمان کی طرف اشارہ ہے وہ کوس کے مقام پر ہوا تھا، یہ طے پایا تھا کہ شفیع اُسے جے پور کا پورا خراج، نجف خاں کا نصف سامان، اور اسلحہ نیز چھے لاکھ روپیہ نقد یا جاگیر کی شکل میں ادا کرے گا: زوال 171/3

13/127 آگرے سے ہمدانی کی فوج 6 رنومبر 1782ء کو روانہ ہوئی تھی۔

22/127 شاہ عالم نے قلعہ سے نکل کر بارہ پُلہ کے مقام پر خیمے ڈالے تھے۔ مرزا شفیع اور ہمدانی کی فوجوں کا پڑاؤ خواجہ سرائے بدر پور نالہ کے قریب ہوا تھا۔

23/127 افراسیاب خاں کو نجف خاں کی بہن خدیجہ بیگم نے جانشین نامزد کیا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو ایک لاکھ 87 ہزار پیشکش دے کر اور پانچ لاکھ کا وعدہ کر کے اشرف الدولہ خطاب اور امیر الامراء میر بخشی اور مختار سلطنت کا عہدہ 11 راپریل 1782ء کو حاصل کیا تھا: زوال 164/3

1/128 لطافت علی خاں اور کپتان پالی PAULI 17 رنومبر 1782ء کو ہمدانی کے کیمپ میں گئے تھے۔ ان کے ساتھ شاہ عالم کا ملازم خاص کلّو خواص بھی تھا۔ موخر الذکر کے

ذریعے ہمدانی کو یہ پیغام بھیجا گیا تھا کہ اگر وہ شفیع کا ساتھ چھوڑ دے تو اُسے میر بخشی کا عہدہ دے دیا جائے گا۔ ہمدانی نے اس سازش سے شفیع کو باخبر کر دیا تھا۔ اس نے اسی قول وقرار کو محکم کرنے کے بہانے لطافت خواجہ سرا اور کلّو خواص کو اپنے کیمپ میں بلوایا تھا۔ یہ لوگ 24 رنومبر 1782ء کو خیمہ سے نکل کر آئے تھے۔ اگلے دن 25 رنومبر 1782ء کو لطافت کو گرفتار کر کے اندھا اور پالی کو قتل کر دیا گیا۔

4/128 3 رستمبر 1782ء: زوال 169/3

5/128 عیدالفطر کی شب میں 10 رستمبر 1782ء کو گرفتار ہوا اور 12 رستمبر کو اسے خدیجہ بیگم کے پاس بھیج دیا گیا: زوال 169/3

6/128 افراسیاب خاں نے یہ چال چلی تھی کہ میر بخشی کا تقرر ملتوی کرایا اور عبدالاحد کو مختار نبوا دیا تھا۔ (11 راگست) زوال 13/3-174

8/128 مرزا شفیع کو ناصر الدولہ ذوالفقار جنگ خطاب کے ساتھ آگرہ کی صوبہ داری اور میر بخشی کا عہدہ 15 رستمبر 1782ء کو ملا تھا اور یہ ''وکیلِ مطلق'' ہو گیا تھا۔ مگر ایک ماہ سے زیادہ نہ چل سکا۔ اسے قلعۂ ڈیگ سے پانچ میل کے فاصلے پر 25 رشوال 1197ھ/ 23 ستمبر 1783ء کو منگل کے دن قتل کیا گیا۔ اسمٰعیل بیگ ہمدانی نے اپنے خنجر سے کام تمام کر دیا تھا اور محمد بیگ ہمدانی نے معانقہ کے بہانے سے اسے اپنی گود میں بھر رکھا تھا: زوال 178/3-179

12/128 افراسیاب خاں نے اکتوبر 1783ء میں عہدہ سنبھالا۔ 22 ردسمبر 1783ء کو وہ آگرہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس سفر میں سلیمان شکوہ اور خدیجہ بیگم اُس کے ساتھ نہ تھے۔ اُس کا لشکر 4 رجنور 1784ء کو قلعۂ آگرہ میں داخل ہوا تھا۔ زوال 173/3

16/128 ہیسٹنگز کے سفر لکھنؤ کے لیے دیکھیے چہار گلزار شجاعی (قلمی) 72 ب و 73 الف نیز عماد السعات 145-146

22/128 رینکنگ (Ranking) ص 13 کا بیان ہے کہ آصف الدولہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ ہاتھی تھے۔ آرمی اَوف دی مغلز 180

19/130 افراسیاب خاص 16 ؍جون 1784ء کو شاہ عالم کو لے کر دہلی سے نکلا اور یہ قافلہ 6؍اگست 1784ء کو آگرہ پہنچا تھا۔ زوال 186/3

20/130 گوالیار کی ریاست مراد ہے جو پہلے رانا گوہد والا کے قبضہ میں تھی اور بعد میں اُس پر مادھوجی سیندھیا نے قبضہ جمالیا تھا۔

23/130 عبدالاحد خاں کو 30 ؍جون 1784ء کو قید کیا تھا۔ اس کے بعد اُسے علی گڑھ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ زوال 185/3

2/131 میرؔ کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ جوان بخت آگرہ سے فرار ہوا تھا۔ وہ شاہ عالم کے سفر آگرہ سے بہت پہلے 14 ؍اپریل 1784ء کو دہلی کے قلعہ سے نکلا تھا۔ اُس رات شدید آندھی چل رہی تھی۔ وہ 6 ؍مئی 1784ء کو لکھنؤ میں آصف الدّولہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ زوال 184/3

6/133 مادھوجی نے شاہ عالم کا وظیفہ ایک لاکھ روپیہ مقرر کر دیا تھا (نیو ہسٹری اوف دی مراٹھاز، ج 3، ص 147)

9/133 مادھوجی سیندھیا نومبر 1785 کے تیسرے ہفتے میں علی گڑھ پہنچا تھا۔ نجف خان کے اموال سے جو ''کچھ'' حاصل کرنے کا میر نے ذکر کیا ہے اس میں 65 توپیں، 16 من بارود، ایک ہزار من سیسہ اور 40 ہزار روپیہ نقد لیا تھا۔ زوال 206/3-208

10/133 راجپوتانے کی طرف 30 نومبر 1785 کو رخ کیا تھا۔ ہمدانی اور راجپوتوں کا گٹھ جوڑ 25 مئی 1787 کو ہوا تھا۔ میر نے جس جنگ کا حوالہ دیا ہے یہ جنگِ تُنگا (بر وزن بُھنگا) کہلاتی ہے۔ تنگا جگہ کا نام ہے یہ لال سوٹ (بواو مجہول) کے قریب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: زوال 256/3 تا 265

15/133 محمد بیگ ہمدانی اسی جنگ میں 28 جولائی 1787 کو مارا گیا تھا۔ چہار گلزار شجاعی کے مؤلف نے اوائل 1201ھ لکھا ہے جو اکتوبر 1786 کے مطابق ہوتا ہے۔

18/133 میر کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ہمدانی لڑتا ہوا مارا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک گولا آ کر لگا (زوال

258/3) جنگ تنگا کی تفصیل کے لیے رک: زوال 260-261/3

18/133 میر کا یہ بیان بھی درست نہیں کہ مرہٹہ کے آلاتِ حرب چھین لیے گئے تھے۔ تفصیل کے لیے رک: زوال 260/3، سیندھیا یکم اگست 1787 کو لال سُوٹ سے روانہ ہوا تھا اور 8 اگست کو قلعۂ ڈیگ میں پہنچا تھا۔ زوال 265/3

21/133 ''مرہٹے نے اپنا فائدہ دوسری طرف دیکھا'' اس سے میر کی مراد یہ ہے کہ اس نے راجپوتانے کی مہم چھوڑ کر مالوہ کا پروگرام بنالیا۔

21/133 شاہ عالم 4 جنوری 1788 کو آگرہ سے نکلا تھا اور 12 مارچ 1788 کو ریواڑی پہنچا تھا جہاں ان دنوں نجف قلی خاں حکومت کر رہا تھا۔ زوال 272/3۔ یہاں سے شاہ عالم کی دہلی واپسی 23 مارچ 1788 کو ہوئی تھی۔

1/134 سرکار کا بیان ہے کہ ضابطہ خان نے آخر عمر میں سکھ دھرم قبول کرلیا تھا اور اس کا نام دھرم سنگھ رکھا گیا تھا۔ یہ اس نے اس توقع پر کیا تھا کہ شاید سکھوں کی فوج اس کی مدد کرے اور کھوئے ہوئے اقتدار کو واپس دلادے۔ اس نے بڑی بے کسی کے عالم میں 21 جنوری 1785ء کو انتقال کیا اور احاطہ درگاہ حضرت قطب صاحبؒ میں دفن کیا گیا۔ غلام قادر خاں اسی کا بیٹا تھا۔ سر ڈیسائی 147، زوال 294/3

5/134 دریا کے اس پار سے میر کی مراد شاہدرہ ہے جہاں نظام الدین قادری نے 23 اگست 1787 کو بادشاہ کی طرف سے مقابلہ کیا تھا۔

16/134 یہ جنگ مرزا اسمٰعیل کی شکست پر 17 جون 1788ء کو ختم ہوئی، زوال 270/3

21/134 بادشاہ کے ناظر کا نام منظور علی خان تھا۔

23/134 دہلی میں مرہٹوں کے نمایندے شاہ نظام الدین قادری صوبہ دار دہلی تھے جن کے نام سے ''شاہ جی کا چھتہ'' آج تک دہلی میں موجود ہے۔ ان کا مکان دہلی دروازہ اور ترکمان دروازہ کے وسط میں تھا۔ یہ سید علی غمگین گوالیاری کے چچا تھے۔ (تفصیل کے لیے رک: قصۂ مہر افروز و دلبر، از نثار احمد فاروقی مشمولہ ''دراسات'')۔ سیندھیا کا داماد لاڈو جی دیش مکھ بھی قلعہ میں مرہٹوں کی نمایندگی کرتا تھا۔ غلام قادر نے

15 جولائی 1788 کو قلعہ کا بندو بست اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ اور 30 جولائی کو شاہ عالم کو معزول کر کے بیدار بخت پسرِ احمد شاہ کو اس کی جگہ تخت نشین کیا تھا۔ اس کے لیے ملکہ زمانی بیگم محل محمد شاہ نے بارہ لاکھ روپیہ رشوت دی تھی۔ زوال 307/3

4/135 شاہ عالم کو 10 اگست 1788ء کو اندھا کیا گیا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خود روہیلہ نے اپنے خنجر سے نکالی تھی، دوسری آنکھ قندھاری خاں نے اس کے حکم سے نکالی۔ اس وقت شاہ عالم کے سینے پر سوار ہو کر ایک تصویر بھی روہیلہ نے بنوائی تھی۔

5/135 ناظر منظور علی خاں کو 13 ستمبر 1788 کو قید کیا تھا۔

6/135 مرزا اسمٰعیل نے 18 ستمبر 1788 کو روہیلہ کیمپ سے الگ ہو کر مرہٹہ سے گٹھ جوڑ کیا تھا۔ زوال 314/3

8/135 مرہٹہ فوج کے سردار 2 اکتوبر 1788 کو شہر دہلی میں داخل ہوئے تھے۔

9/135 خضری دروازہ سلیم گڑھ کی طرف ہے (آثار الصنادید، طبع نامی کانپور) روہیلہ اپنے ساتھ بیدار بخت اور سلیمان شکوہ وغیرہ شہزادوں کو بھی لے کر قلعے سے نکلا تھا۔ اس نے 10 اکتوبر 1788 کو قلعہ چھوڑا تھا۔ یہ عشرۂ محرم کا دن تھا۔ [1203ھ]

12/135 مرہٹوں کی طرف سے جمنا پار فوج لے کر رایا جی پاٹل اور جیوا دادا گئے تھے۔

13/135 یہ وہی علی بہادر ہیں جن کا نام غالب کے ایک مقطع میں آیا ہے۔ یہ پیشوا باجی راؤ اول کے پوتے اور ایک مسلمان طوائف مستانی بیگم کے بطن سے تھے۔ انہیں باندہ کی ریاست مرہٹوں ہی نے دی تھی۔ غلام قادر سے لڑنے کے لیے یہ نومبر 1788 کے آخر میں دہلی آئے تھے۔ اور 11 دسمبر 1788 کو میرٹھ پہنچ کر روہیلہ کا مقابلہ کیا تھا۔ آخر ان کے ہاتھوں 19 دسمبر کو روہیلہ گرفتار ہوا۔ زوال 320/2

17/135 شاہ عالم کی معزولی کے بعد دوبارہ 17 اکتوبر 1788 کو تخت نشین کیا گیا۔ اس دن جمعہ تھا۔ کئی ماہ کے بعد دوبارہ اس کے نام کا خطبہ مسجدوں میں پڑھا گیا۔

19/135 بادشاہ کے میر منشی میر غالب علی اور حکیم اکمل نے 3 مارچ 1789 کو غلام قادر روہیلہ کی دونوں آنکھیں نکالیں اور ناک کان کاٹے، پھر یہ تحفہ متھرا سے دہلی کو

بادشاہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس سے تقریباً دو دن کے بعد روہیلہ مر گیا۔

6/136 یہ رباعی عہد عالمگیر کے امیر ارادت خانِ واضح کی ہے۔ ان کی مثنوی آئینۂ راز اور انتخاب کلیات (قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ) میں موجود ہیں۔ مگر اس کے پہلے دو مصرعے اس طرح ہیں:

هر کهنه خرابه از دری می گوید

هر نقش قدم حرف سری می گوید

17/136 یہ شعر ملا اشرف مازندرانی کا ہے۔

فهرست ابیاتی در متن

ص 4: پس از خـرابیِ بسیار دل به‌دست افتاد

ص 6: بی‌عشق نباید بود، بی‌عشق نباید زیست
پـیغمبـر کـنعانی عـشـق پسـری دارد

ص 7: مشکل حکایتی است که هر ذرّه عین اواست
امّـا نمی‌تـوان کـــه اشـــارت بَـدو کنـنـد

ص 8: نشان پای تو فردِ حسابِ زندگی است
قدم شـمرده درین کهنه خاکدان بردار

ص 11: به پاکان کار کی گیرد فلک تنگ
که عیسی از سرِ سوزن برون شد

ص 14: سخت در کار خویش حیرانم
چـه به‌دل خورد من نمی‌دانم

ص 16: پاسِ جـان کن، تن ندارد اعتبار
قالبِ خاکی مزاری بیش نیست

ص 17: معشوق در حقیقت گر بنگری یکی است
هـرکـس به‌جـلوه دل خـود شـاد می‌کند

ص 17: یکی را ببـین و یکی را بدان
یکی را بجو و یکی را بخوان

ص 17: دویی کجـاسـت ز نیرنگِ احـولی بگذر
که یک نگاه میان دو چشم مشترک است

ص 18: این کار از تو آید و مردان چنین کنند

ص 20: مستمند عشق می‌داند که سودا می‌کند
دیـدنِ طـفلان تـه بازار ریشخوا فی‌کـند

ص 23: خـاطرِ آسـوده خواهی، راه آمد شد ببند
چاک در پیراهن دیوار، از دست در است

ص 28: مـدّعا نایاب و راهِ جستجو دور و دراز
پا به‌دامن، همنشین، ناچار میباید کشید

ص 29: هر که بر حق دلیل می‌گوید
بـه چـراغ آفتاب مـی‌جوید

ص 31: بیا که عمرِ عزیزم به‌جستجوی تو رفت
ز دل نرفتی و جانم در آرزوی تو رفت

ص 32: فلک زین گونه خون بسیار کرد است
عـــزیـزان را بسـی آزار کـــرد اسـت

ص 33: دیر بر سر آن غزالِ دُور گرد آمد مرا
از تپیدن‌های دل، پهلو به‌درد آمد مرا

ص 35: هر گُلی را رنگ و بوی دیگر است

ص 36: نیـازارم ز خـود هـرگز دلـی را
که می‌ترسم درو، جای تو باشد

ص 38: با خدا دیوانه باش و با نبی هشیار باش

ص 39: نی دل بـه‌خیال زلـف و رو بایـد داد
نی جـان به‌هـوای رنگ و بو، باید داد
این‌جا دل را چه قدر، و جان را چه محل
خـود را هـمـه او کـرده به‌او بایـد داد

ص 41: پرسـتاری نـدارم بر سـرِ بالینِ بیماری
مگر آهم ازین پهلو به‌آن پهلو بگرداند

ص 41: من نمی‌دانم که دل می‌سوزد از غم یا جگر
آتش افتاد اسـت در جایی و دودی می‌کند

ص 42: روزی به‌شب کنم به‌صد اندوهِ سینه سوز
شـب را سـحر کنم به‌امـیدِ کـدام روز؟

ص 42: آتـش عشـقـش بسـی را سوختست
لیک زین‌سان کم کسی را سوختست

ص 46: بـه دیـر و کعـبه مـی‌گـردیم، گاه این‌جـا و گاه آنجـا
که مطلب جستجوی اوست، خواه این‌جا و خواه آنجا

ص 46: دیده‌ام در علم صحبت‌های رنگین صد کتاب
کـرده‌ام یک مصـرعهٔ تنـها نشـینی انتـخـاب

ص 50: وقت است که رو به‌مرگ یکباره کنیم
آن درد نـداریـم کـه مـا چـاره کنیم
بیـماریِ صـعبِ عشـق دارد دلِ مـا
گر جامه گذاریـم، کفـن پاره کـنیم

ص 50: عشق دردی بی‌دوایی بوده است
بهر جان و دل، بلایی بوده است

ص 51: چه شد آن وفا و عهدی، که تو وعـده‌ها نمودی
به‌تو من چه گفته بودم، تو به‌من چه گفته بودی!

ص 52: چرا به‌پای خود ای کعبه رو، نمی‌اُفتی
همان تویی، که به‌فرسنگ می‌نمایندت

ص 53: ز کعبه آیم و رشک آیدم ز خون‌نابی
کـه از زیارتِ دل‌های خسـته می‌آید

ص 53: کعـبه را دیـدم، دلـم از درد تنهـایـی گـداخـت
مجلس آرایی که مارا خواند، خود مهمانِ کیست؟

ص 53: هرکرا دیدم، چو من گم گشتهٔ تحقیق بود
کعـبه را هـم بی‌تکلّـف در بیابـان یـافتم

ص 53: گفتم به‌حرم، محرمِ این خانه کدام است؟
آهسـته به‌من گفت که بی‌گانه کدام اسـت؟

ص 65: هـر روز اخـتیار جـهان پیـش دیگـریست
دولت مگر گداست، که هر روز بر دریست

ص 83: امروز که چشم من و عرفی بهم افتاد
باهم نگـرستیم و گرستیم و گذشتیم

ص 89: پادشاهان و نکویان دو گروهِ عجب اند
کـه نبودند و نبـاشـند به‌فـرمانِ کـسی

ص 90: از هرکه سخن کردم، گفتند که اینجا نیست
از هر که نشان جستم، گفتند که پیدا نیست

ص 90: هر کجا افتاده دیدم، خشت در ویرانه‌ای
بـود فـردِ دفترِ احـوالِ صـاحب خانه‌ای

ص 91: افـتاد گـذارم چـو بـه‌ویـرانـهٔ طـوس
دیـدم چغدی نشـسته بـر جـای خـروس
گفـتم: "چـه خبـر داری ازیـن ویـرانـه؟"
گفتا: "خبر اینست که «افسوس. افسوس»"

ص 100: دولت ندهد خدای کس را به‌غلط

ص 115: این شامت اعمال قیامت بسر آورد

ص 122: مصـرعـه‌ای گاه گاه می‌گویـم
کارِ دنیای من همین قدر است

ص 132: الهی تا جهان باشد تو باشی

ص 136: هر کاسهٔ سر ز افـسری می‌گوید
هر کهنه خـرابه از دری می‌گـوید
دنیاسـت فسـانه، پاره‌ای مـا گفتیم
وان پاره که ماند، دیگری می‌گوید

ص 136: دیده چون محتاجِ عینک گشت، فکرِ خویش کن
بـر نفـس دارنـد، روز واپـسین آیـینه را

ص 137: روزی خود را برنج، از دردِ دندان می‌خورم
نان بخون تر می‌شود، تا پارهٔ نان می‌خـورم

فهرست اعلام

اشخاص

آرزو: سراج‌الدّین علی خان 125

ابه سنگه، 65

ابو البرکات خان، 122

ابوالفتح، 55

ابو القاسم خان، 115، 122

احسان‌الله، 23، 27

احمد بیگ همدانی، 127

احمد بیگ، 52

احمد خان بنگش، 72، 102

احمد خان، 67، 71، 81

احمد شاه، 64، 69

اسحاق خان مؤتمن‌الدّوله، 125

اسحاق خان نجم‌الدّوله، 67، 70،

اسد الله، 47، 48

اسد یار خان، 66

آصف جاه: نظام‌الملک

آصف‌الدّوله بهادر، نوّاب وزیرالملک،
120، 121، 122، 125

اعظم خانِ کلان، 83

افراسیاب خان، 126، 127، 128،
130، 131

امان‌الله، 15، 23، 33، 39

امیرالامرا: امیرالامرا صمصام‌الدّوله، 10، 69، 70، 89، 119، 120، 123، 124، 128
انتظام‌الدّوله خانخانان، 68، 74، 75، 76
انزلا خان، 78
ایشر سنگه، 64
بایزید بسطامی، 43
بایزید درویش، 32، 43
بجی‌سنگه، راجا، 105
بخت‌سنگه، راجا، 65، 105
بسنت، 122
بلوچان، (بلوخان)، 111
بهاؤ، 82، 85، 88
بهادر شاه، 69
بهادرسنگه، 72، 83، 109
بهرام خان کلان، 115
بوعلی شاه قلندر: شاه بوعلی قلندر
بیرم خان، 115
پرتهی‌سنگه، راجا، 109
پیام: میر شرف‌الدّین علی
تیمور شاه، 73
جاوید خان، 64
جگل کشور، راجا، 70، 72، 82
جهان خان، 73، 81
جوان بخت، 80، 91، 131
جواهرسنگه، 96، 100، 102، 103، 104، 105، 106
جیارام، 107
جی‌سنگه، راجا، 64، 72، 83، 105
چنکو، 74
حافظ رحمت روهیله، 81، 120
حافظ محمّد حسن، 56
حسام‌الدّوله، 110، 112، 113، 115
حسام‌الدّین خان، 109، 112، 115
حسن‌رضا خان، سرفرازالدّوله بهادر، 123
حکیم شفایی، 41
خانخانان، 75
خفشان نمود، 9
خواجهٔ بزرگ (معین‌الدّین چشتی)، 65

خواجه غالب، 73
خواجه محمّد باسط، 59
دتّا، 74، 77
ذوالفقارالدّوله، 123
رانای گوهدواله، 130
راؤرتن‌سنگه، 106
رای بشن‌سنگه، 84
رای بهادرسنگه، 105، 109، 110
رعایت خان، 64
رگهناتهراو، 104
رنجیت سنگه، 106، 107، 118
زکریّا خان، 64
زین خان، 92
سادات خان ذوالفقار جنگ میر بخشی، 65، 67
سالار جنگ، 125
ستار قلی خان کشمیری، 65، 74
سراج‌الدین علی خان آرزو، 60
سعادت امروهوی، 63
سعدالدّین خان خانسامان، 84، 116
سلام، میرنجم‌الدّین: میر نجم‌الدّین سمرو، 117، 127
سورج‌مل، 68، 69، 71، 77، 80، 81، 82، 83، 85، 86، 93، 95، 96، 97، 99، 106، 116، 118
سیندهیا، 109، 113
شاه درّانی، 64، 70، 73، 82، 104
شاه عالم، 92، 93، 100، 135
شاهجهان، 76، 77، 80
شاولی خان، 82، 89، 91
شجاع‌الدّوله، 69، 74، 81، 89، 91، 93، 95، 96، 100، 101، 102، 103، 113
شرف بو علی شاه قلندر، 76
شهزاده عالی گهر، 74، 80
صاحبا، 73، 76
صفدر جنگ، 64، 65، 67، 68، 69، 71، 83
صمد خان، 85، 86
امیرالامرا: صمصام‌الدّوله
ضابطه خان، 108، 109، 111، 121، 134
عاقبت محمود کشمیری، 74
عالمگیر ثانی، 76

عالمگیر، 71
عبد المجید خان، 115
عبد الاحد خان مجدالدّوله، 115، 116، 119، 122، 123، 124، 126، 127، 128، 130
عبدالعزیز عزّت، شیخ، 10
عظیم الله خان، 64
علی بهادر، 135
علی متّقی، 4، 5، 15، 21، 24، 35، 48
علی محمّد، 68
علیم الله، 63
عمادالملک، 67، 68، 69، 71، 74، 80، 102
عیسی، 101
غازی‌الدّین خان فیروز جنگ، 67
غلام قادر، 134
فتح علی خان درّانی، 115
فخرالدین خان، 10، 62
فرخنده اختر، 119
قاسم علی خان، 95، 101
قاضی لطفِ علی خان، 116
قایم خان، 66، 67
قطب‌الدّین بختیارِ کاکی، 116
قطب‌الدّین خان، 116
قمرالدّین خان، اعتمادالدّوله، 64، 68
کشوری، 118
کلیم الله اکبرآبادی، شاه، 4
کهیری‌سنگه، 106
گوبند پندت، 86
گوردهن، 107
لاله رادها کشن، 83
لطافت خواجه سرای، 126
لطافت علی خان خواجه، 127
مادهوسنگه، راجا، 105، 106، 109
محرم خان خواجه سرای شاهجهانی، 5
محمّد باعث، 54
محمّد تقی، میر، 3، 56، 60، 63، 125
محمّد خان بنگش، 66
محمّد شاه، 59، 64، 70، 71
محمّد(ص)، 9

مختارالدّوله، 122
مرزا اسماعیل، 133، 134، 135
مرزا شفیع، 126، 128، 131
مظفّر جنگ، 125
معین‌الملک، 64، 70، 74
مکمّل خان، سیّد، 58
ملهار، 65، 69، 81، 88، 102، 104
مها نراین، 67
موسی مدک، 111
موسیؑ، 37، 38
میر امان‌الله، 15، 23، 33، 39
میر جعفر عظیم‌آبادی، 62
میر زین العابدین، 131
میر شرف‌الدّین علی پیام، 67
میر صاحب، 66
میر فیض علی، 84
میر محمّد رضی، 66
میر محمّد علی، 59
میر نجم‌الدّین علی سلام، 67
نادر شاه، 59
ناگرمل، راجا، 70، 71، 72، 85، 108، 115
نجف خان ذوالفقارالدّوله، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 122، 123، 124، 126، 128، 132، 133
نجف قلی خان، 126، 127، 128، 133
نجیب خان، 71، 74
نجیب‌الدّوله، 71، 72، 75، 76، 77، 81، 89، 90، 92، 97، 102، 108، 109
نصرت یار خان، 30
نظام‌الملک آصف جاه، 65، 67، 68
نوّاب بهادر، 64، 66، 67
نوّاب سالار جنگ، 125، 126
نوّاب شجاع‌الدّوله، 120
نول‌سنگه، 106، 107، 117
محمّد بیگ، همدانی، 128، 131، 133
وجیه‌الدّین خان، 110، 115
وسواس راؤ، 88
یعقوب علی خان، 82

اماکن

آبِ جون، 69، 76، 81، 86، 106، 107

اتک، 73، 76، 93

اجمیر، 65

احمدآباد، 3

اکبرآباد، 4، 11، 13، 15، 48، 54، 71، 81، 93، 103، 104، 106، 114، 119، 122، 127، 128، 130، 133، 134

اودھ 101، 103

برسانه، 82

بلّم‌گرھ 85، 117، 127

بنارس، 95

بنگاله، 70، 95

بهرایچ، 132

بهرت‌پور، 85، 102، 118، 119

بهکر، 105

بیانه، 11

پانی‌پت، 64، 76، 86

پتیاله، 119

تکیهٔ فقیر، 23، 32

جمن: آب جون

جهانسی، 113

جودهپور، 65

جون: آب جون

جی‌پور، 113

چنبل، 104، 134

حجاز، 3، 54

حصارِ دیگ، 118

حویلی امیر خان مرحوم، 68

حویلی داراشکوه، 77

حویلی وزیر الممالک اعتمادالدّوله، 63

خضری دروازه، 135

دکّن، 3، 65، 67، 68، 69، 71، 72، 73، 74، 76، 77، 80، 81، 82، 85، 86، 87، 88، 103، 104، 109، 110، 113

دهلی، 10، 58، 60، 74، 83، 97، 102، 108، 133

دو آب، 77، 81، 107، 111، 134

راوی، 9

ریتی، 112

سانبهر، 65

ستلج، 104

سرای عرب، 109
سرای گیلانی، 32
سرهند، 64، 70، 85، 92
سکرتال، 108
سکندرآباد، 69، 81
سهارن‌پور، 72، 111، 134
شام، 5
شاه‌آباد، 102
شاهجهان‌آباد، 10، 58، 64، 80،
85، 87، 93، 96، 97، 124، 132
شاهدره، 135
طور، 37
عالم گنج، 54
عظیم‌آباد، 63، 95، 100، 103
علی‌گره، 133
عیدگاه اکبرآباد، 23
فرّخ‌آباد، 101، 102، 109، 113،
114، 125
فرخ‌نگر، 96، 100
فریدآباد، 111
قلعهٔ مبارک، 112، 114
قلعهٔ نجابت خان، 86
قلعچهٔ فیروز شاه، 75
قندهار، 91
کامان، 83، 108
کبود جامه، 48
کرا، 120
کشمیر، 122
کلکته، 120، 128، 131
کمهیر، 83، 86، 106، 107، 118
کول، 81
گجرات، 3
گرهی، 117
گوالیار، 4، 103، 134
لاهور، 9، 64، 70، 73، 74، 92
لاهوری دروازه، 113
لکهنؤ، 125، 128، 129
متهرا، 71، 107
مسجد جامع، 63
میوات، 80
اله‌آباد، 68، 101، 120، 128
هندستان، 63، 70، 89

کتاب

قرآن شریف، 19، 46
ذکرِ میر، 3

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

رباعیاتِ انیس

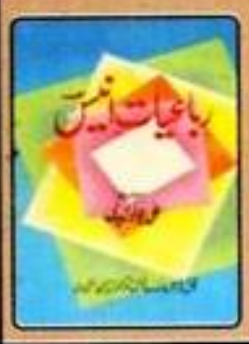

مرتبہ : علی جواد زیدی

صفحات: 385

قیمت: -/85روپے

انتخاب غزلیات میر

مرتب: ڈاکٹر حامدی کاشمیری

صفحات: 255

قیمت: -/67روپے

فانی بدایونی

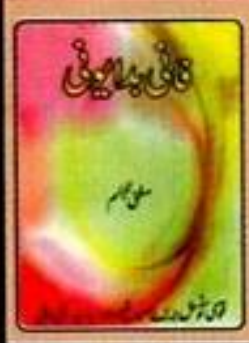

مصنف: مغنی تبسم

صفحات: 500

قیمت: -/210روپے

فیضِ میر

مصنف: میر تقی میر

صفحات: 48

قیمت: -/32روپے

غزل اور غزل کی تعلیم

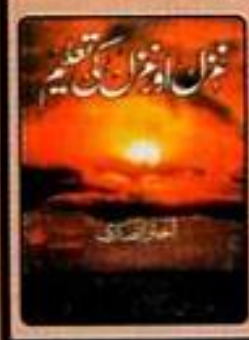

مصنف: اختر انصاری

صفحات: 231

قیمت: -/66روپے

کلیاتِ میر جلد دوم

مرتب: احمد محفوظ

صفحات: 632

قیمت: -/410روپے

ISBN : 978-81-7587-445-9

9 788175 874459

क़ौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़–ए–उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110025